(اردو سلسلۂ آصفیہ کا چوتھا انتخاب)۔

قند اردو

مؤلفہ

جناب مولوی حافظ جلال الدین احمد جعفری زینبی

ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائے اسکول کانپور



منشی محمد اسمٰعیل صاحب منیجر کے اہتمام سے

مطبع انوار احمدی الہ آباد میں طبع ہوا

قیمت فی جلد ۱۲

فہرست مضامین

نثر

نظم

معزز ناظرین

آجکل جسقدر انتخابات اُردو زبان کے ممالک متحدہ اور پنجاب مین مڈل، انٹرنس، میٹرکیولیشن اور اسکول لیونگ مین جاری ہین اُنکو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کلاسون کیلئے ایک ایسا انتخاب ہونا چاہیے جس سے طلبا کی نظر و نگاہ مین اُردو زبان کی ابتدا سے آجتک کے تغیرات کا ایک نقشہ کھچ جائے اور مضامین ایسے دلچسپ ہون کہ طلبا اُسکو شوق سے پڑھین اور نیچے کے درجون سے کسیقدر مشکل ہون جس سے انکی استعدادون مین ترقی ہو ۔ اور اسقدر کلام کا انتخاب اسمین لیا جائے جو دو سال کی تعلیم کے لئے کافی ہو۔ لہذا تمام باتون کا خیال کر کے یہ انتخاب تیار کیا گیا۔

اسمین پہلے میر امن دہلوی اور سرور لکھنوی کے کلام سے تھوڑا تھوڑا انتخاب اس غرض سے کیا گیا ہے کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ ابتدا مین دہلی اور لکھنؤ کے نثر کا کیا رنگ تھا۔ اُسکے بعد اور لوگون کے کلام کا انتخاب رکھا گیا ہے۔ چونکہ اردو نویسون مین آزاد وسا قادر الکلام اپنے کسی کو نہین پایا اسلئے سب سے پہلے انکے کلام کا انتخاب لیا گیا۔ اور مین جہانتک خیال کرتا ہون اُنکے جن مضامین کا انتخاب اس کتاب مین لیا گیا ہے وہ اُنکے تمام تصانیف کی جان ہین۔ انکے بعد سر سید کو اسلئے رکھا ہے کہ اردو نثر کو قدیم شاہراہ سے پھیر کر سادہ طرز مین لانیکا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ غالب نے انشا پردازی کا رنگ پلٹا۔ حالی اگرچہ نثر مین کسی خاص طرز کے موجد نہین مگر انکا رنگ تحریر سر سید اور آزاد کے بعد سب پر فوق لے گیا۔ مولوی نذیر احمد دہلوی کا کلام دہلی کی زبان کا اعلی نمونہ ہے۔ شرر ناول اور خیالی مضامین یا مناظر قدرت یا کسی سین کے عمدہ پیرایہ مین ادا کرنیکے بادشاہ ہین۔ شبلی نعمانی کا طرز تحریر سادہ ہے اور اسقدر دلاویز کہ قابل رشک ہے۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار جدید طرز فسانہ نویسی کے موجد ہین۔ مولوی ذکاء اللہ کی زبان مین اگرچہ کوئی خاص بات نہین مگر سادگی اور بے ساختہ پن اور ظرافت کا چٹخارا زیادہ ہے

اور جسقدر اُردو زبان مین انکی تصنیفات ہین کسی اور کی نہ ہونگی منشی غلام غوث بیخبر غالب کے ہمعصر اور اُنکے قدم بقدم چلتے ہین۔ شہید رنگین عبارت لاجواب لکھتے ہین ۔ مولوی عبد الرشید صاحب نے زندگی کے منازل کا ایک سچا فوٹو اتارا ہے کہ قابل دید ہے ۔

نظم مین شعراے اُردو کے ارکان ثلاثہ کے کلام سے پہلے انتخاب لیا گیا۔ اُسکے بعد اور شعرا کا۔ یہ امر مسلم ہے کہ فارسی طرز کے زوردار قصائد ابتدائے سودا کے برابر اور آخر زمانہ مین ذوق سے بڑھکر کسی نے نہین لکھے تصوف میر درد سے بہتر آجتک کوئی نہین لکھ سکا۔ زبان کی سلاست جیسی میر تقی میر ہے کسی کو نصیب نہین ہوئی۔ ناسخ اور آتش کا کلام لکھنؤ کی شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے غالب سے بڑھکر فلسفیانہ کلام کسی نے نہین لکھا۔ انیس اور دبیر نے نظم اُردو کو جسقدر وسعت دی اور اُردو زبان کو جسقدر اُنسے مدد پہونچی آخر زمانہ مین کسی سے نہین پہونچی امیر اللہ تسلیم کی مثنویان لاجواب ہین حالی نظم مین طرز جدید کے موجد اور مسلم الثبوت اُستاد ہین۔ اقبال حالی کے قدم بقدم چلتے ہین اور اس زمانہ مین انکا طرز نہایت مقبول ہے۔ میر اکبر حسین اپنے طرز خاص مین مسلم الثبوت اُستاد ہین

اس انتخاب مین جن لوگون کا کلام لیا گیا ہے اُنکے حالات اور اُنکے خصوصیات بھی لکھے گئے ہین جن سے طلبا کو کلام کے سمجھنے کا ایک مذاق پیدا ہو جائیگا۔ ناظرین باتمکین سے امید ہے کہ اگر کہین زلت ولغزش پائین تو اصلاح فرمائین۔ ہدف ملامت نہ بنائین فقط

معذرت۔ مجھے افسوس ہے کہ باوجود کوششون کے جناب مولوی ذکاءاللہ صاحب مرحوم اور مولوی غلام امام شہید اور پنڈت رتن ناتھ درسرشار کے حالات کافی طور پر مل سکے اگر طبع دوم تک ملجائینگے تو انشاءاللہ تعالیٰ اسکی ترمیم واصلاح کرونگا۔ فقط۔

ناچیز

جلال الدین احمد جعفری زینبی کان اللہ لہٗ

۲۹۔ فروری ۱۹۱۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میر امن دہلوی

بڑے نامور اور خاندانی شخص گذرے ہیں۔ فن شعر میں کسی سے اصلاح نہیں لی۔
اپنی طبیعت کی موزونی سے آپ شاعر بن گئے۔ خود فرماتے ہیں کہ میری اردو ٹکسالی ہے۔
کیونکہ میں دلی کا روڑا اور وہیں کا پرورش یافتہ ہوں۔ انکے آبا و اجداد ہمایوں بادشاہ کے
عہد سے شاہان مغلیہ کی خدمت میں با اعزاز و صاحب جاگیر و مناصب رہے۔ سلطنت مغلیہ
کے زوال کے بعد جب دلی کے گرد و نواح میں جاٹوں کا عمل ہو گیا تو سورج مل جاٹ نے
انکی جاگیریں ضبط کر لیں۔ اور احمد شاہ درانی نے انکا گھر بار تاخت و تاراج کر دیا۔ اسوقت
مجبوراً آپنے اپنا وطن چھوڑ کر پورب کا رخ کیا۔ کچھ روز عظیم آباد قیام کر کے تلاش روزگار
کلکتہ پہونچے۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں کلکتہ کے مشہور قلعہ فورٹ ولیم میں سرکار
انگریزی کی طرف سے ایک کالج ان انگریزوں کی تعلیم کے غرض سے قایم کیا گیا تھا جو ولایت
سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہو کر ہندوستان آیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں لارڈ
ولزلی نے گلگرائسٹ صاحب کو اس کالج کا پرنسپل مقرر کیا۔ صاحب موصوف کو ہندوستانی
زبان کی تدوین کا خاص شوق تھا۔ انہوں نے خود بھی انگریزی زبان میں قواعد اردو
لکھی اور ڈکشنری تیار کی اور قابل مصنفوں سے نثر اردو میں کتابیں لکھوائیں۔

منشی میر بہادر علی صاحب نے ڈاکٹر گلگرائسٹ صاحب بہادر کے روبرو انکو
پیش کر دیا۔ انہوں نے قدر افزائی فرمائی۔ بے روزگاری کی شکایت دفع ہوئی۔ اور کلکتہ
آپکا مسکن ہو گیا۔ سنہ ۱۸۰۱ء میں ڈاکٹر گلگرسٹ صاحب کی فرمایش سے آپنے قصہ
چہار درویش مصنفہ امیر خسرو دہلوی کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ اور اسکا نام باغ و بہار
رکھا۔ انکی زبان صاف اور سلیس اور عام فہم ہونے کے علاوہ اس زمانہ کی روزمرہ اردو
اور محاورات دہلی کا نہایت صحیح نمونہ ہے۔

انتخاب از باغ و بہار

پہلے درویش کی سیر

یہ سرگذشت میری ذرا کان دہر سُنو ۔ مجکو فلک نے کردیا زیر و زبر سُنو

جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت مرے تئین ۔ اُسکا بیان کرتا ہون تم سربسر سُنو

اے یاران - میری پیدائش اور وطن بزرگون کا ملک یمن ہے - والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام بڑا سوداگر تہا - اُسوقت مین کوئی مہاجن یا بیپاری اُنکے برابر نہ تہا - اکثر شہرون مین کوٹہیان اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تہے - اور لاکھون روپے نقد اور جنس ملک ملک کے گہر مین موجود تہے - اُنکے یہان دو لڑکے پیدا ہوے - ایک تو یہی فقیر جو کفنی سیلی پہنے ہوے مرشدون کے حضور مین حاضر اور بولتا ہے - اور دوسری ایک بہن جسکو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی ایک شہر کے سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی - وہ اپنی سسرال مین رہتی تھی - غرض جسکے گہر مین اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو اُسکے لاڈ پیار کا کیا ٹہکانا ہے - مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز سے ماں باپ کے سایہ مین پرورش پائی - اور پڑہنا لکھنا - سپاہگری کا کسب و فن سوداگری کا بہی کھاتا روزنامہ سیکھنے لگا - چودہ برس تک نہایت خوشی اور بیفکری مین گذری - کچھ دنیا کا اندیشہ دل مین نہ آیا - یک بیک ایک ہی سال مین والدین قضاے الٰہی سے مرگئے - عجب طرح کا غم ہوا جسکا بیان نہین ہوسکتا - یکبارگی یتیم ہوگیا - کوئی سر پر بڑا بوڑہا نہ رہا - اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا - کہانا پینا سب چھوٹ گیا - چالیس دن جون تون کرکے چہلم مین اپنے بیگانے چہوٹے بڑے جمع ہوے - جب فاتحہ سے فراغت ہوئی سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندہوائی اور سمجھایا - دنیا مین سب کے ماں باپ مرتے آتے ہین - اور اپنے تئین بہی ایک روز مرنا ہے - پس صبر کرو - اپنے گہر کو دیکھو - اب باپ کی جگہ تم سردار ہوے اپنے

کاروبار لین دین سے ہوشیار ہو تسلی دیکر وے رخصت ہوے ۔ گماشتے کاروباری نوکر چاکر جتنے تھے آنکر حاضر ہوے ۔ نذرین دین اور بولے کوٹھی نقد و جنس کی اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجیے یکبارگی جو اُس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی آنکھین کھل گیئن ۔ دیوانخانے کی تیاری کو حکم کیا فراشون نے فرش فروش بچھاکر چھت پردے چلونین تکلف کی لگادین ۔ اور اچھے اچھے خدمتگار دیدار و نوکر رکھے ۔ سرکار سے زرق برق کی پوشاکین بنوادین ۔ تقیر مسند پر تکیہ لگا بیٹھا ویسے ہی آدمی غنڈے سچا نگڑے مفت پر کھانے پینے والے جھوٹے خوشامدی آکر آشنا ہوئے ۔ اور مصاحب بنے ۔ اُسنے آٹھ پہر صحبت ہونے لگی ۔ ہر طرح کی باتین اور زٹلین واہی تباہی ادہر اُودہر کی کرتے ۔ اور کہتے اِس جوانی کے عالم مین عیش کیجیے ۔ غرض آدمی کا شیطان آدمی ہے ۔ ہر دم کے کہنے سننے سے اپنا بھی مزاج بہک گیا ۔ شراب ۔ ناچ اور جوے کا چرچا شروع ہوا ۔ پھر تو یہ نوبت پہونچی کر سوداگری بھول کر تماش بینی اور دینے لینے کا سودا ہوا ۔ اپنے نوکر اور رفیقون نے جب یہ غفلت دیکھی جو جسکے ہاتھ پڑا الگ کیا ۔ گویا لوٹ مچادی کچھ خبر نہی کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے ۔ کہان سے آتا ہے اور کدہر جاتا ہے ۔ مال مفت دل بے رحم ۔ اس درخرچی کے آگے اگر گنج قارون ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا ۔ کئی برس کے عرصے مین یکبارگی یہ حالت ہوئی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی ۔ دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چچا بھر خون اپنا ہر بات مین زبان سے نثار کرتے تھے کافور ہوگئے ۔ بلکہ راہ باٹ مین اگر کہین بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھین چرا کر منہ پھیر لیتے اور نوکر چاکر خدمتگار بہلیے ۔ ڈھلیت ۔ خاص بردار ۔ شاتخانے سب چھوڑ کر کنارے لگے ۔ کوئی بات کا پوچھنے والا نہ رہا ۔ جو کہے یہ کیا تمہارا حال ہوا ۔ سواے غم و افسوس کے کوئی رفیق نہ ٹھہرا ۔ اب دمڑی کی ٹھڈیان میسر نہین جو چبا کر پانی پیون ۔ دو تین فاقے کڑاکے کے کھینچے ۔ تاب بھوک کی نہ لاسکا ۔ ناچار بے حیائی کا برقع منہ پر ڈالکر یہ قصد کیا کہ بہن کے پاس چلئے لیکن یہ شرم دل مین آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد نہ بہن سے کچھ سلوک کیا نہ خالی خط لکھا ۔ بلکہ اُسنے دو ایک خط خطوط

ماتم پرسی کے اور اشتیاق کے جو لکھے اُنکا جواب بھی اُس خواب خرگوش مین نہ بھیجا۔ اس شرمندگی
سے جی تو نہ چاہتا تھا پر سواے اُس گھر کے اور کوئی ٹھکانا نظر مین نہ ٹھہرا۔ جون تون پا پیادہ
خالی ہاتھ گرتا پڑتا ہزار محنت سے وے کئی منزل کاٹ کر ہمشیر کے شہر مین جاکر اُسکے مکان
پر پہونچا۔ وہ ماں جائی میرا یہ حال دیکھ کر بلائین لے اور گلے ملکر بہت رُوئی۔ تیل۔ کالی ماش
ٹکے مجھپر سے صدقے کئے۔ کہنے لگی اگرچہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا لیکن بھیا تیری یہ
کیا صورت بنی۔ اسکا جواب مین کچھ نہ دیسکا۔ آنکھون مین آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا۔ بہن نے
جلدی خاصی پوشاک سلوا حمام مین بھیجا۔ نہا دہو کر وے کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس
بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لوزیات۔ حلوا سوہن۔ پستہ مغزی
ناشتہ کو اور تیسرے پہر میوے خشک و تر۔ پھل پھلاری۔ اور رات دن دونون وقت پلاؤ۔
نان قلیئے۔ کباب تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر اپنے روبرو کھلا کر جاتی۔ سب طرح خاطرداری کرتی۔ مینے
ویسے تصدیع کے بعد جو یہ آرام پایا خدا کی درگاہ مین ہزار شکر بجا لایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے
گذرے کہ پانون اُس خلوت سے باہر نہ رکھا۔ ایک دن وہ بہن جو بجاے والدہ کے میری خاطرداری
رکھتی تھی کہنے لگی۔ اے بیرن تو میری آنکھون کی پتلی اور ماں باپ کے موئے مٹی کی نشانی
ہے تیرے آنے سے میرا کلیجا ٹھنڈا ہوا۔ جب تجھے دیکھتی ہون باغ باغ ہوتی ہون۔ تو نے
مجھے نہال کیا۔ لیکن مردون کو خدا نے کمانے کے لئے بنایا ہے۔ گھر مین بیٹھے رہنا اونکو لازم نہین۔
جو مرد نکھٹو ہو کر گھر سیتا ہے اسکو دنیا کے لوگ طعنہ مہنا دیتے ہین خصوص اس شہر کے آدمی
چھوٹے بڑے بے سبب تمہارے رہنے پر کہین گے اپنے باپ کی دولت دنیا کھو کھا کر بہنوئی کے
ٹکڑون پر آ پڑا۔ یہ نہایت بے عزتی اور میری تمہاری ہنسائی اور ماں باپ کے نام کو سبب لاج
لگنے کا ہے۔ نہین تو مین اپنے چمڑے کی جوتیان بنا کر تجھے پہناؤن اور کلیجے مین ڈال رکھون۔
اب یہ صلاح ہے کہ قصد سفر کا کرو۔ خدا چاہے تو دن پھرین۔ اور اس حیرانی اور مفلسی کے بدلے
خاطر جمعی اور خوشی حاصل ہو۔ یہ بات سُنکر مجھے بھی غیرت آئی۔ اُسکی نصیحت پسند کی۔ جواب دیا اچھا

اب تم ماں کی جگہ ہو جو کہو سو کروں۔ میری مرضی پا کر گھر میں جا کر پچاس توڑے اشرفی کے حبشی اور لونڈیوں کے ہاتھ میں لوا کر میرے آگے لا رکھے۔ اور بولی ایک قافلہ سوداگروں کا دمشق کو جاتا ہے۔ تم ان روپیوں سے جنس تجارت کی خرید کرو۔ ایک تاجر ایماندار کے حوالے کر کے دستاویز پکی لکھوا لو اور آپ بھی قصد دمشق کا کرو۔ وہاں جب خیریت سے جا پہونچو اپنا مال معہ منافع سمجھ بوجھ لیجیو یا آپ بیچیو۔ میں وہ نقد لیکر بازار میں گیا۔ اسباب سوداگری کا خرید کر کے ایک بڑے سوداگر کے سپرد کیا ہے۔ نوشت وخواند سے خاطر جمع کر لی۔ وہ تاجر دریا کی راہ سے جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اور فقیر نے خشکی کی راہ لی چلنے کی تیاری کی۔ جب رخصت ہونے لگا بہن نے ایک سراپا بھاری جوڑا۔ اور ایک گھوڑا جڑاؤ ساز سے تواضع کیا۔ اور مٹھائی پکوان۔ ایک خاصدان میں بھر کر ہرنی سے لٹکا دیا۔ اور چھاگل پانی کی شکاربند میں بند ہوا دی۔ امام ضامن کا روپیہ میرے بازو پر باندھا۔ دہی کا ٹیکا ماتھے پر لگا کر آنسو پیکر بولی سدھارو۔ تمہیں خدا کو سونپا۔ پیٹھ دکھائے جاتے ہو۔ اسی طرح جلد اپنا منہ دکھائیو۔ میں نے فاتحہ خیر پڑھ کر کہا۔ تمہارا بھی اللہ حافظ ہے۔ میں نے قبول کیا وہاں سے نکلکر گھوڑے پر سوار ہوا اور خدا کے توکل پر بھروسا کر کے دو منزل کی ایک منزل کرتا ہوا دمشق کے پاس جا پہونچا۔

(میرامن دہلوی)

مرزا رجب علی بیگ سرور

مرزا اصغر علی لکھنوی کے بیٹے آغا نوازش حسین خاں نوازش کے شاگرد تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے مذاق سخن رکھتے تھے۔ اردو نثر اچھی لکھتے تھے۔ واجد علی شاہی دور کے مشہور نثار اور مقفی نگار تھے۔ شگوفہ محبت۔ گلزار سرور۔ سرور سلطانی۔ فسانہ عجائب انکے تصانیف سے یادگار ہیں۔ انکی بہترین تصنیف فسانہ عجائب ہے۔ یہ طرز انشاء پر تکلف زمانے میں بیحد مقبول تھی لیکن اب بالکل مردہ و فسردہ ہے۔ فسانہ عجائب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا انشا پرداز اس رنگ میں بھی کیا کیا نگینیاں پیدا کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی اسکے۔ یہ بات بھی اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس طرز کا میدان کسقدر تنگ ہے اور زمانہ حال کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے کسقدر ناقابل ہے۔

انتخاب از فسانہ عجائب

شاہزادہ کے بندر ہونیکے بعد قتل گاہ جانیکی سرگذشت

جسوقت تاجر ماہ نے متاع انجم کو نہانخانۂ مغرب مین چھپایا۔ اور شحنۂ چرخ چارم خونخواری کو مشرق سے نکل آیا۔ سوداگر نماز صبح پڑھ ہاتھی پر سوار ہوا۔ کمر مین چپش قبض رکھ گود مین بندر کو ٹھہامرنے پکڑ مضبوط باندھکر چلا۔ بندر سے کہا پریشان نہ ہو۔ جب تقریر سے اور اصراف کثیر سے کام نہ نکلیگا جو بن پڑیگا وہ کرونگا۔ اپنے جیتے جی تجھے مرنے نہ دونگا۔ قول مردان جان دارد۔

مصرعہ۔ بعد از سر من کن فیکون شدہ شدہ باشد۔

سوداگر کا سراسیمہ باغم والم آگے بڑہنا کہ خلقت نے چارون طرف سے گھیر لیا۔ بندر لوگون سے مخاطب ہوکر یہ کہنے لگا۔ میر سوز۔

برقِ طپیدہ یا شرر پرجہیدہ ہون	جس رنگ مین ہون مین غرض آفت رسیدہ ہون
اے اہل بزم مین بھی مرقع مین دہر کے	تصویر ہون ولے لبِ حسرت گزیدہ ہون
صیاد اپنا دام اٹھالے کہ جون صبا	ہون تو چمن مین پر گلِ عشرت نہ چیدہ ہون
اے آہ و نالہ مجھسے نہ آگے چلو کہ مین	بچھڑا ہون کاروان سے مسافر جریدہ ہون
غم ہون الم ہون درد ہون سوز و گداز ہون	سب اہل دل کیواسطے مین آفریدہ ہون

صاجبو! دنیائے دون۔ نیرنگی زمانۂ سفلہ پرور بوقلمون۔ عبرت و دید کی جاہے۔ گرما گرم آیند و روند کا بازار ہے۔ کس و ناکس جنسِ ناپائدار لہو و لعب کا خریدار ہے۔ اپنے کام مین مصروف قضا ہے۔ جو شے ہے فنا ہے۔ معاملات قضا و قدر سے ہر ایک ناچار ہے۔ یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے۔ کوئی کسی کی عداوت مین ہے۔ کوئی کسی کا شیدا ہے۔ جسے دیکھا آزاد نہ پایا کسی نہ کسی بکھیڑے مین مبتلا ہے۔ ایک کو اتنا سوجھتا نہین کیا لین دین ہو رہا ہے۔ سود کی امید مین سراسر زیان ہے۔ سٹری ہونیکا سودا ہے۔ اُسکی قدرتِ ناطقہ دیکھو مجھ سے بے زبان ناچیز کو یہ تکلیف گویائی

عنایت کیا۔ تم سب کا سامعون مین چہرہ لکھدیا۔ باتین سننے کو ساتھ چلے آتے ہو۔ جدائی میری شاق ہے۔ جو ہے مشتاق ہے۔ حال زار پر رحم کھا آنسو بہاتے ہو۔ یہ رحیمی کی صفت ہے شان تمہاری دیکھو۔ اسی تقریر کی دہوم سے ایک ظالم شوم سے۔ مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے یقین کامل ہے وہ قتل کریگا۔ بے گناہ کے خون سے ہاتھ بہریگا۔ سواد الوجہ فی الدارین ہوگا تب اُسے آرام و چین ہوگا۔ یہ گویائی گویا پیام مرگ تہا۔ دنیا جاے آزمایش ہے۔ سفیہ جانتے ہین یہ مقام قابل آرام و آسائش ہے۔ دو روزہ زیست کی خاطر کیا کیا ساز و سامان پیدا کرتے ہین۔ فرعون بے سامان ہوکر زمین پر پاؤن نہین دہرتے ہین۔ جب سر کو اُٹھا آنکھ بند کر چلتے ہین خاکسارون کے سر کچلتے ہیں آخر کار حسرت و ارمان فقط لیکر مرتے ہین۔ جان اُسکی جستجو مین کھوتے ہین۔ جو شے ہاتھ آئے ذلت سے جمع ہو۔ پریشانی و مشقت سے پاس رہے۔ خست سے چھوٹ جاے۔ یاس و حسرت سے پھر سر پر ہاتھ دہر روتے ہین۔ ناسخ۔

دنیا اک زال بیسوا ہے — بے مہر و وفا و بیحیا ہے
مردون کے لئے یہ زن ہے رہزن — دنیا کی عدو ہے دین کی دشمن
رہتی نہین ایک جا پہ جم کر — پھرتی ہے برنگ نرد گھر گھر

انجام شاہ و گدا و درگور کفن اور تختۂ تابوت کے سوا نہین۔ کسی نے اونچی یا محمودی کا دیا یا تحریر کربلا۔ کسی کو گزی گاڑہا میسر ہوا الصدر کرب و بلا۔ اُسنے صندل کا تختہ لگایا۔ اسنے بیر کے چیلون مین چھپایا۔ کسی نے بعد دفن سنگ مرمر کا مقبرہ بنایا۔ کسی نے مر کے گور گڑھا پایا۔ کسی کا مزار مطلا منقش زنگار رنگ ہے۔ کسی کی مانند سینۂ جاہل گور تنگ ہے حسرت دنیا سے کفن چاک ہوا۔ بستر دونون کا فرش خاک ہوا۔ نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا نہ فقیر پھٹی شطرنجی اور ٹوٹا بوریا لا سکا۔ بعد چندے جب گردش چرخ نے گنبد گرایا اینٹ سے اینٹ بجایا۔ تو ملایک نے نہ بتایا کہ دونون مین یہ گور شاہ ہے یہ لحد فقیر ہے۔ اُسکو مرگ جوانی نصیب ہوئی۔ یہ استخوان بوسیدۂ پیر ہے۔ سو یہ بھی خوش نصیب نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے ہین

نہین تو سیکڑون چھاتی پر ہاتھ رکھکر مرجاتے ہین۔ لوگ درگور کھ کے چلے آتے ہین۔ کتے۔ بلی
چیل۔ کوے۔ بوٹیان نوچ نوچ کر کھاتے ہین دامن وشت عریان کفن۔ گور بے چراغ۔ صحرا
کا صحن ہوتا ہے۔ یاس وحسرت کے سوا کوئی نہ سرہانے رُوتا ہے تمناچٹ کوئی پائینی نہ ہوتا
ہے۔ سالہا مقبرون کی عمارات عالی اور سازوسامان کی دیکھا بھالی مین سریع السیر رہے۔
ہزارون رنج گور بے چراغ غریبان کی دید مین بیٹھے بٹھائے سہے۔ طرفہ نقل ہے کہ والی وارث
اُنکے سر پر سلطنت مسند حکومت پر شب وروز جلوہ افروز رہے۔ مگر تنبیہ غافلون کو قدرتِ حق
سے گنبدون مین آشیانۂ زاغ وزغن مینارون پر مسکن بوم شوم قبرون پر کتے لوٹتے دیکھے میر

وہ سوتے ہین پہرتے جو کل جابجا تھے
مزار غریبان تاسف کی جا ہے

رنگِ چمن صرف خزان دیکھا۔ ڈہلا ہوا حسن گلرخان دیکھا۔ اگر گلِ خندان پر جوبن ہے بہار
ہے۔ غور کیا تو پہلوے نازنین مین نشتر سے زیادہ خلش خار ہے سینہ فگار ہے۔ دنیا مین دن
رات ورق زرق بق بق ہے۔ کوئی چچہے کرتا ہے کسی کو قلق ہے۔ نوش کے ساتھ گزند نیش ہے۔
ہر رہرو کو کڑی منزل درپیش ہے۔ مؤلف۔

بلبل کو خزان مین جان کہوتے پایا — صیاد کو سر پٹک کے روتے پایا
گلچین کی بھی نیند اُڑگئی لیکِ سرور — جو اہل دول تھے اُنکو سوتے پایا

مدتون صداے مرغ سحر کے رنج اُٹھائے کبھی دم نہ مارا شکوہ لب پر نہ لائے۔ برسون نداے اللہ اکبر
کے صدمے سہے شکر کیا چپ رہے مہینون گجر کی آواز نے دم بند کیا۔ قلق جی پر لیا نالہ نہ بلند کیا۔
سوچے تو وصل مہرویان خواب شب تھا لطف اُنکا عین غضب تھا۔ تمام عالم کی خوب سیر کی کبھی
حرم محترم مین مسکن رہا۔ گاہ وہوئی رمائی کنشت ودیر کی۔ عالم سے آیتہ حدیث وعظ وپند سنا۔
ناقوس برہمن سن سر دُہنا۔ وہ بدکیش مانع ملت صنم لطف ولیست حظ نفس کا دشمن تھا۔ یہ کوتہ اندیش
رخنہ پرداز اہل ایمان ودین کا رہزن تھا۔ تامل کیا توان دونون سے دور حسد بغض پر ہونا معلوم
اپنے نزدیک انکا انجام بخیر ہونا معلوم۔ واللہ اعلم یہ لوگ کیا سمجھے۔ خود اچھے ٹھہرے اور کو بُرا

سمجھے۔ مطلب کی بات ہیہات دونون کی سمجھ مین نہ آئی یاین دانائی الٹے خدا سمجھے۔ مؤلف۔

اچھے کو برا برے کو اچھا سمجھے ــــ کتنی یہ بری سمجھ ہے اچھا سمجھے

دنیا نفظ رہگزر ہے۔ ہردم مثال تار نفس در پیش سفر ہے۔ تا بیست ہزار دن مفسد ہے ہاین۔ ڈر ہے مرنے کے بعد باز پرس کا خطر ہے۔ کسی طرح انسان کو مفر نہین کونسا نفع ہے جسکی تلاش مین ضرر نہین۔ حاصل کار یہ ہے۔ دنیا مین جینے کی خوشی نہ مرنے کا غم کرے تا مقدور کسی کی خاطر نہ برہم کرے۔

شعر

نیم شبے آہ زند پیر زال ــــ دولت صد سالہ کند پائمال

دل شکستہ کی دلداری۔ پا افتادہ کی مددگاری کرے۔ ہوا و ہوس جو دل سے دور ہو جاے تو مال سے یا کمال سے عجب و نخوت نزدیک نہ آے۔ عنایت ایزدی پر قائم ہو۔ شکر ہر نعمت سپاس خدمت کرکے منہیات کا مانع ہو۔ رنج کا حامل رہے۔ سب رنگ مین شامل رہے۔ زمانے کے مکروہات سے گبھرائے نہین۔ صحبت غیر جنس سے نفرت کرے تو بدنامی پاس آئے نہین۔ دولت کا اعتبار کیا مفلسی سے تنگ و عار کیا۔ ایک دن مرنا ہے جینا مستعار ہے۔ اسپر کسی کا اختیار ہے۔ نیک عمل کا خیال رکھے کہ قید ہستی زشت کا نام ہے۔ رہائی یہان سے انجام ہے۔ **شعر**

کسی کی مرگ پر اے دل نہ کیجے چشم تر ہرگز ــــ بہت سا روئیے اُنپر جو اس جینے پہ مرتے ہین

عمر خضر کی تمنا اور حشمت خسروانہ خزانۂ قارون کی فکر مین ہر ایک صباح و مسا ذلیل و خوار ہے۔ تحصیل لاحاصل کوشش اس امر مین سراسر بیکار ہے۔ بقول ناسخ۔

ہاتھ آتی ہے کب علم و ہنر سے دولت ــــ ملتی ہے قضا و قدر سے دولت

جو علم و ہنر رکھتے ہین وہ ہین محروم ــــ مانوس ہے بلہ احمق و خر سے دولت

روپئے کا جمع ہونا۔ جواہر کی تلاش مین دن کا جاگنا۔ چاندی سونے کی امید مین

رات کا نہ سونا جنہیں میسر ہر بار ہے اُنہیں مفارقت دنیا گوارا ہے۔ اور یہ کلام ہے۔ مؤلف

یاں کے جانے سے جی اُلجھتا ہے　　کیا ہی دلکش سرائے فانی ہے

سلف سے اہل کمال دنیا کے مال سے محروم رہے۔ جو سزاوارِ حکومت تھے وہ محکوم رہے حافظ ۔

ابلہان را ہمہ شربت زگلاب و قند ہست　　قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان　　طوق زرین ہمہ در گردنِ خرمی بینم

لیکن کبھی صبح عشرت ہے۔ گاہ الم کی شام ہے۔ دنیا عجب مقام ہے۔ نہ امیر ہوتے عرصہ۔ نہ فقیر ہوتے کچھ دیر ہے۔ اس کارگاہِ بے ثبات میں عجب اندھیر ہے۔ سودا

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار　　رکھتا نہیں ہے ہاتھ عنان کا بیک قرار

جنکے طویلے بیچ کئی دن کا ذکر ہے　　ہرگز عراق و عربی کا نہ تھا شمار

اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے　　موچی سے کفش پا کو گٹھاتے ہیں وہ ادھار

اب جب وعدہ آپہونچا تو نہ روپیہ کام آتا ہے۔ نہ فوج ظفر موج سے کچھ ہو۔ نہ تھمتی جرار بچتا ہے۔ نہ کوئی آشنا دوست آڑے آئے۔ نہ عزیز و اقربا بچہ ملک الموت سے چھڑائے اگر یہی امر مانع قضا و قدر ہوتے جمشید و کاؤس و دارا و سکندر بصد حسرت و افسوس جان نہ کھوتے نیک عمل کرے تو وہ ساتھ جاتا ہے۔ احتیاج کسی کی برلائے یا للہ کچھ دے یہ البتہ کام آتا ہے۔ وگرنہ دنیا سراب زندگی بدتر از حباب ہے۔ پابند اسکا خراب ترک کرنے والا نایاب ہے

شعر

ترک دنیا کا سوچ کیا ناسخ　　کچھ بڑی ایسی کائنات نہیں

شعر

اس گلشنِ ہستی میں عجب سیر ہے لیکن　　جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم ہے خزاں کا

الا مقتضائے عقل یہ ہے کہ عالم اسباب میں کسی اسباب کا پابند نہو۔ تعلق خاطر نہ رکھے

ہمیشہ اُسنے پہلے سے برائی کی ہے۔ جو گیا یہان سے یعنی جہان گذران سے اسکا شاکی تہا۔ بادشاہ سے فقیر تاک۔ جوان سے پیر تاک۔ حقیقت مین نفس امارہ سخت ناکارہ ہے۔ اسکو بہرکیف پچھاڑے۔ گرد ہوا وہوس سے دامن جہاڑے۔ **شعر**

دیوانہ باش تا غمِ تو دیگران خورند آن را کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش

آدمی کو لازم ہے وہ بات پیدا کرے تا صفحۂ دنیا پر چندے بہ نیکی نام یاد رہے۔

شعر

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

دنیا مین کسی سے دل نہ لگائے کہ یہ کارخانہ بہت بے ثبات ہے۔ وصل سے فرحت ہوئی معصیت اپنے سر پر لائے کہ مرجانے کی بات ہے معشوق باوفا عنقا کی طرح ناپیدا ہے اور پُر دغا ہرجائی ہرجا مہیا ہے۔ خواہش کا انجام کاہش ہے۔ تمنا دل سے دور کرنے مین جان کی آسائش ہے۔ مؤلف۔

کبھی نہ چین سے رہنے دیا تمنا نے خراب وخستہ مین اس دلکی آرزو سے ہوا

مگر واے غفلت ہاے نادانی۔ کہ جب نشاے جوانی کا موسم پیری مین خمار اُتارتا ہے اُسوقت آدمی سر پر ہاتھ دہر کر روتا ہے۔ وقت از دست رفتہ و تیر از شست جستہ کب ہاتھ آتا ہے۔ ناچارہ ہو کفِ افسوس مل کے پچھتاتا ہے۔ گذشتہ را صلوات کہہ کے دلکو سمجھاتا ہے۔

آدمیون کو بندر کی تقریر دل خراش پر اثر سے عبرت وحیرت حاصل تھی کبھی نصحت و پند۔ گاہ کلام رنگین و دلچسپ باد لِ دردمند۔ کبھی سخنان وحشت افزا سناتا چلا جاتا تہا۔ اہل دل طبیعت کے گداز سے روتے ساتہ آتے تھے۔ ہر فقرہ پُر درد پر ضبط نہو سکتا تہا چلاتے تھے۔ خلق خدا جنازہ کی طرح ہاتھی کے ہمراہ تھی۔ ایک عالم کے لب پر نالے تھے۔ فغان و آہ تھی۔ اسی سامان سے ملکہ کے جہروکے تلے پہونچے۔ (سرور)

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد

پیدائش دلی سنہ ۱۸۳۱ء — وفات لاہور سنہ ۱۹۱۰ء

آزاد مولوی محمد باقر کے بیٹے تھے جو شیعوں کے مجتہد اور شرفاے دہلی میں ایک نامور شخص تھے۔ اور اردو اخبار نویسی کے موجد تھے۔ سنہ ۱۸۳۶ء میں اردو زبان کا پہلا اخبار مولوی محمد باقر ہی نے دلی میں نکالا تھا۔ آزاد نے عربی فارسی کی تعلیم دلی کالج کے اورینٹل ڈپارٹمنٹ میں پائی۔ کالج کے امتحانوں میں جواب مضمون کے لکھنے میں سب طلبا سے اول رہتے تھے۔ اردو نظم و نثر لکھنے کی استعداد انکو کالج ہی میں حاصل ہوگئی تھی۔ نظم میں شیخ محمد ابراہیم ذوق کے شاگرد رشید تھے۔ جب غدر کے بعد مسٹر ٹیلر پرنسپل دہلی کالج کے قتل کے الزام میں مولوی محمد باقر مارے گئے تو آزاد وطن چھوڑ کر حیدرآباد دکن بھاگ گئے۔ ایک عرصہ تک ممالک دکن میں آوارہ گردی کے بعد انکو لاہور آنا نصیب ہوا۔ مولوی رجب علی صاحب سابق میر منشی نے پنڈت من پھول صاحب میر منشی حال سے سفارش کرکے میجر فلر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے دفتر میں صعہ مشاہرہ کی جگہ دلوائی۔ میجر فلر کے بعد کرنل ہالرائڈ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم مقرر ہوئے۔ انہوں نے سرکاری اخبار کا صعہ ماہوار پر انکو اسسٹنٹ اڈیٹر مقرر کیا۔ اسکے اڈیٹر رائے پیارے لال آشوب تھے جو آزاد کے بڑے خیر اندیش اور قدردان تھے۔ سنہ ۶۶-۱۸۶۷ء میں پنڈت من پھول صاحب کے ساتھ کابل اور بدخشان گئے۔ وہاں سے لوٹ کر لاہور کے سرکاری کالج میں ماصہ ماہوار پر عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے سنہ ۱۸۸۵ء میں آپنے ایران کا سفر کیا سنہ ۱۸۸۷ء میں ملکہ وکٹوریہ کی پنجاہ سالہ جوبلی پر آپکو سرکار انگریزی کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔

آزاد خاندان مغل سے تھے۔ اور انکی ماں ایرانی تھیں۔ اسلئے انکے گھر میں فارسی بولی جاتی تھی۔ آپ فارسی عربی کے عالم متبحر تھے۔ اور ان تمام علوم پر عبور رکھتے تھے۔ جو ان زبانوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ بھاشا اور ہندی کے نکات سے پورے آگاہ انگریزی علم ادب کے خصوصیات سے واقف تھے۔ سنہ ۱۸۸۹ء میں آپکو جنون کے آثار پیدا ہوئے۔ ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء مطابق ۹ محرم سنہ ۱۳۲۸ ہجری میں آپنے انتقال فرمایا۔

لاہور مین وفن ہوئے۔

نثر مین آزاد کی کتابین دو قسم کی ہین۔ ایک وہ جو انہون نے پنجاب کے سررشتہ تعلیم کے لئے لکھین۔ وہ حسب ذیل ہین۔ اردو کا قاعدہ۔ اردو کی پہلی۔ دوسری۔ تیسری۔ چوتھی۔ قصص ہند۔ قواعد اردو۔ فارسی کی پہلی۔ دوسری۔ جامع القواعد۔ انجمن قصص ہند اور جامع القواعد لاجواب کتابین ہین۔ دوسری وہ جو انہون نے اپنے شوق سے لکھین۔ وہ حسب ذیل ہین۔ آب حیات۔ نیرنگ خیال۔ دربار اکبری۔ سخندان فارس۔ قند فارسی۔ نصیحت کا کرن پھول۔ نیرنگ خیال مین انگریزی روش کا پرتو ہے جسمین مضمون نویسی کے جدید طرز کا جربہ اتارا ہے۔ آبحیات کا طرز بیان۔ سلاست زبان۔ شستگی الفاظ برجستگی۔ بیساختگی۔ روشن خیالی کا اعلیٰ نمونہ ہے

آزاد کی طرز تحریر ثنا و صفت سے مستغنی ہے۔ بیان کی فصاحت زبان کی سلاست بندش کی چستی محاورہ کی دل آویزی خیالات کی بلند پروازی الفاظ کی شوکت اسلوب کی دلفریبی جسقدر آزاد کے یہان ہے دوسرے نثار کے یہان نہین پائی جاتی اور ظرافت کی چاشنی مزید برآن۔ مناظر قدرت کی تصویر کھینچنے اور جذبات و محسوسات انسانی کا جربہ اتارنے مین آپکو وہ ید طولےٰ تھا کہ شاید اب تک کسی کو نصیب نہین ہوا۔ اردو زبان کی نظم کی ترقی کے لئے جس شخص نے کہنہ طرز سخن کو بدل کر فن شاعری کو سہل کیا اور ایشیائی عشقانہ خیالات کو قدرتی مضامین کی طرف سب سے پہلے ڈہالا وہ حضرت آزاد کی آزادانہ طبیعت کا ظہور ہے۔ اس طرز کے رواج دینے کو آپنے پہلے بطور نمونہ چند چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین جو مجموعہ نظم آزاد مین چھپ چکی ہین۔ مثلاً شب قدر۔ موسم زمستان۔ صبح امید۔ حب وطن۔ وغیرہ یہ طرز ایسی مقبول خلائق ہوئی کہ وہ پرانے اور نامی ایشیائی شاعر جنکے دلون پر پرانی روش اپنا سکہ جما چکی تھی یک قلم بھول گئے۔ اور سب نے یہی جدید طرز اختیار کر لی۔ مولنا حالی کی جدید شاعری کا رہنما حضرت آزاد ہی کا روشن خیال تھا۔

آزاد جس قلم سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی بات لکھ سکتے تھے اسی سے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کی بھی لکھ سکتے تھے۔ ان کا وہی قلم آب حیات اور نیرنگ خیال لکھ کر اردو کے فضلا کو حیرت مین ڈال سکتا تھا اور وہی قلم اردو کی پہیلی اور میٹھی لوری لکھ کر چھوٹے بچون کو ہنسا اور چپ کر سکتا تھا۔ وہ سمجھدار اور بوڑھون کو باغ امید دکھا کر

بہلا سکتا تھا اور ننھے ننھے بچوں کو مالی کے پود لگائے اور کیاریوں مین پانی بہنے کی بات سُنا کر بہلا سکتا تھا۔ اور یہ وصف ایسا ہے جو شاید دنیا کے بہت کم مصنفون کے حصہ مین آیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو کی ترقی کا اس سے بہتر وسیلہ نہین ہو سکتا کہ آزاد کے اصول فن اور طرز تحریر کی پیروی کی جائے۔

انتخاب از آب حیات

برج بھاشا پر عربی اور فارسی زبانون نے کیا کیا اثر کئے

جب دو صاحب زبان قومین باہم ملتی ہین تو ایک کے رنگ روپ کا دوسرے پر ضرور سایہ پڑتا ہے اگرچہ اُس کے اثر۔ گفتگو۔ لباس۔ خوراک نشست برخاست۔ مختلف رسوم مین بھی ہوتے ہین لیکن چونکہ مجھے اس مقام پر زبان سے غرض ہے اس لئے اسی مین گفتگو کرتا ہون ظاہر ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم مین آتی ہے تو اپنے ملک کی صدہا چیزین ایسی لاتی ہے کہ جو یہان نہین تھین۔ اشیاء مذکورہ کبھی ضروری اور کبھی ایسی باعث آرام ہوتی ہین کہ اُنھین استعمال مین لینا ضروریات زندگی سے نظر آتا ہے اس لئے یہ لوگ انھین غنیمت سمجھ کر لیتے ہین اور بخوشی کام مین لاتے ہین ان اشیاء مین سے بہتیری چیزین تو اپنے نام اپنے ساتھ لاتی ہین اور بہتیری نئی ترکیب سے یا ادل بدل کر یہان نیا نام پاتی ہین اور یہ پہلا اثر دوسری زبان کا ہے اس کے علاوہ جب یہ دونون ایک جگہ رہ سہکر شیر و شکر ہوتی ہین تو ایک زبان مین دوسری زبان کے لفظ بھی گھُل مل جاتے ہین۔

جب مہمان و میزبان ایک دوسرے کی زبان سمجھنے لگتے ہین تو ایک خوشنما اور مفید تبدیلی کے لئے رشتہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اگرچہ طبع انسانی کے اتحاد سے سب

کے خیالات متفق یا قریب قریب ہوں مگر انداز بیان سب کا جُدا جدا ہے اور طبیعت ہمیشہ نئے انداز کو پسند کرتی ہے اس لئے ادائے مطلب مین ایک دوسرے کے انداز بیان سے بھی فائدہ اُٹھاتے ہین۔ پھر نئی نئی تشبیہین لطیف استعارے لے کر اپنی پُرانی تشبیہون اور مستعمل استعارون کا رنگ بدلتے ہین اور جس قدر زبان ہین طاقت ہے ایک دوسرے کے خیالات اور نئی طرز کو لے کر اپنی زبان مین نیا مزا پیدا کرتے ہین۔

یہ انقلاب حقیقت مین وقت بوقت ہر ایک زبان پر گذرتا ہے چنانچہ قوم عرب نے جو ایک زمانہ مین۔ روم۔ یونان اور ہسپانیہ وغیرہ سے خلط ملط ہوئی تھی۔ ہزارون لفظ علمی اور غیر علمی وہان سے لئے۔ اسی طرح فارسی زبان عربی و ترکی وغیرہ الفاظ سے مالامال نظر آتی ہے انگریزی کے باب مین مجھے کچھ کہنا زیبا نہین۔ کیونکہ اب روشن ضمیر انگریزی خوان بہت ہین اور وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہین مگر اتنا لکھنا کافی ہے کہ جس طرح ایک مہذب سلطنت کو تمام ضروریات سلطنت کے کارخانے اور ملکی سامان موجود ہونے چاہئین۔ اسی طرح سب قسم کے الفاظ اور تمام ادائے خیالات کے انداز انگریزی زبان مین موجود ہین اب مجھے اپنی زبان مین گفتگو کرنی چاہیئے لیکن اتنا پھر یاد دلانا واجب ہے کہ اُردو کہان سے نکلی ہے اور کیونکر نکلی ہے۔ اُردو زبان اول لین دین نشست برخاست کی ضرورتون کے لئے پیدا ہوگئی ہندؤن کے ساتھ ہندی مسلمان جو اکثر ایرانیون یا ترکستانیون کی اولاد تھے ہندوستان کو وطن اور اس زبان کو اپنی زبان سمجھنے لگے یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح زمین بے روئیدگی کے نہین رہ سکتی اسی طرح کوئی زبان بے شاعری کے نہین رہ سکتی محمد شاہی دور تھا اور عیش و عشرت کی بہار تھی ان شرفار کو خیال آیا ہوگا کہ جس طرح ہمارے بزرگ اپنی فارسی کی انشا پردازی مین گلزار کھلاتے تھے۔ اب ہماری یہی زبان ہے ہم بھی اس مین کچھ رنگ دکھائین چنانچہ وہی فارسی کے خاکے اُردو مین اُتار کر غزلخوانیان شروع کروین اور قصید سے کہنے لگے اور اس مین کچھ شک نہین کہ جو کچھ قوت بیان یا

لفظون کی تراش یا ترکیبون کی خوبصورتی یا تشبیہ اور استعارون کی رنگینی غرض اول جو کچھ نصیب ہوا شعراے اردو کی بدولت ہوا اور یہی سبب ہے کہ جو کچھ سامان ایک ملکی اور ٹکسالی زبان کے لیئے درکار ہوتے ہین اُس سے یہ زبان مفلس رہی کیونکہ اس عہد مین علوم و فنون تاریخ فلسفہ ریاضی وغیرہ کا چرچا عام ہوتا تو اُس کے لیئے بھی الفاظ ہو جاتے جن جن باتون کا چرچا تھا اُنھین سامانون کے الفاظ اور خیالات پیدا ہوئے ہان یہ کہنا ضرور چاہیئے کہ جو کچھ ہوا تھا اپنے رنگ پر خوب ہوا تھا۔

اب ہمین پھر مطلب پر آنا چاہیئے کہ بھاشا نے اردو کے کپڑے پہننے کے لیئے فارسی سے کیا کیا لیا۔

۱۔ اُن چیزون کے نام لیئے جو عرب اور فارس سے آئین اور اپنے نام اپنے ساتھ لائین مثلاً لباس مین فرغل۔ لبادہ۔ کرتہ۔ قبا۔ چوغا۔ آستین۔ گریبان۔ پائجامہ۔ ازار۔ عمامہ۔ رومال۔ شال۔ دوشالہ۔ تکیہ۔ گاؤتکیہ۔ برقع۔ پوستین۔ وغیرہ۔

کھانے کے ذیل مین۔ دسترخوان۔ چپاتی۔ شیرمال۔ باقرخانی۔ پلاؤ۔ زردہ۔ مزعفر۔ قلیہ۔ قورمہ۔ متنجن۔ فرنی۔ یاقوتی۔ حریرہ۔ حرلیسہ۔ لوز۔ مربّے۔ اچار۔ فالودہ۔ گلاب۔ بیدمشک۔ خوان۔ طبق۔ رکابی۔ تشتری۔ کفگیر۔ چمچہ۔ سینی۔ کشتی۔ چاے جوش وغیرہ۔

متفرقات مین۔ حمّام۔ کیسہ۔ صابون۔ شیشہ۔ شمع۔ شمعدان۔ فانوس۔ گلگیر۔ تنور۔ رفیدہ۔ مشک۔ نماز۔ روزہ۔ عید۔ شب برات۔ قاضی۔ ساقی۔ حقہ۔ نیچہ۔ چلم۔ تفنگ۔ بندوق۔ تختہ نرد۔ گنجفہ۔ اور اُن کی اصطلاحین۔ یہ سب چیزین اپنے نام ساتھ لے کر آئین۔ بہت سی چیزین آئین کہ بھاشا مین انکے لیئے نام نہین سنسکرت کی کتابون مین ہون گے۔ پستہ۔ بادام۔ منقّے۔ شہتوت۔ بیدانہ۔ خوبانی۔ انجیر۔ سیب۔ بہی۔ ناشپاتی۔ انار۔ وغیرہ۔

۲۔ بہت سے عربی فارسی کے لفظ کثرت استعمال سے اس طرح جگہہ پکڑ بیٹھے ہین

کہ اب ان کی جگہہ کوئی سنسکرت یا قدیمی بھاشا کا لفظ ڈھونڈکر لانا پڑتا ہے۔ مگر اس بین یا تو مطلب اصلی فوت ہوجاتا ہے یا زبان ایسی مشکل ہوجاتی ہے کہ عوام تو کیا خواص ہنود کی سمجھہ مین بھی نہین آتی مثلاً دلاّل۔ فرّاش۔ مزدور۔ وکیل۔ جلاّد۔ صراف۔ مسخرا۔ نصیحت۔ لحاف۔ توشک۔ چادر۔ صورت۔ شکل۔ چہرہ۔ طبیعت۔ مزاج۔ برف۔ فاختہ۔ قمری۔ کبوتر۔ بُلبُل۔ طوطا۔ پر۔ دوات۔ قلم۔ سیاہی۔ جُلاّب۔ رقعہ۔ عینک۔ صندوق کُرسی۔ تخت۔ لگام۔ رکاب۔ زین۔ تنگ۔ پوزی۔ الغل۔ کوتل۔ عقیدہ۔ وفا۔ جہاز۔ مستول۔ بادبان۔ تہمت۔ ورقہ۔ پردہ۔ دالان۔ تہ خانہ۔ تنخواہ۔ ملاّح۔ تازہ۔ غلط۔ صحیح۔ رسد۔ سرباری۔ کاریگر۔ ترازو۔ شطرنج کے باب مین تعجب ہے کہ خاص ہند کا ایجاد ہے مگر عرب اور فارس سے جو پھر کر آئی۔ تو سب اجزا کے نام اور اپنی اصطلاحین بدل آئی۔ سیکڑون لفظ عربی فارسی کے یہان آئے مگر ہوا موافق نہ آئی اس لئے مزاج اور صورت بگڑ گئی مثلاً مرغا وغیرہ۔

صرف۔ فارسی سے کچھ نہین لیا۔ خود اتنا کیا کہ ون علامت جمع ہندی کو عربی فارسی لفظون پر بھی لگا لیا مثلاً آدمیون۔ انسانون۔ درختون۔ میوون۔

اسم فاعل۔ فارسی۔ عربی کے بے شمار لئے اور اُن مین شطرنج باز کے قیاس پر چوپڑ باز اور وفادار کے قیاس پر طرف دار۔ سمجھہ دار (سمجھہ ناک بھی بول دیتے تھے) باغبان کے قیاس پر گاڑی وان۔ ہاتھی وان۔ بہل وان۔ مگر بان اور وان حقیقت مین ایک ہین کیونکہ اصل مین دونون زبانین ایک دادا کی اولاد مین۔ اسکی تحقیق جیسی کہ چاہئے مین نے فارسی لکچرون مین لکھی ہے۔

اسم ظرف۔ قلمدان وغیرہ کے قیاس پر۔ خاصدان۔ پاندان۔ ناگردان پیکدان۔ موری خانہ۔ پاءخانہ

باب حروف کا بھی یہی حال ہے مثلاً حرف تشبیہ کوئی نہین لیا مگر چنانچہ

اور چونکہ موجود ہین اور اس طرح آتے ہین کہ ترجمہ کے لئے ہندی حرف معلوم ہی نہین ہوتا۔

حرف شرط مین۔ اگر۔ اور اس سے اگرچہ بھی لیا۔

واو عاطفہ ۔ بمیت معطوف او رمعطوف علیہ۔ اُردو عبارت مین لے لئے

مثلاً آب وہوا۔ شب و روز۔ صبح وشام۔ زور وشور۔

حرف استثنا مین سے مگر اور عربی کے لفظ سوا۔ ماسوا۔ الا۔ والانہ۔ لیکن ولیکن نے لئے اپنے حرفون کو گم کردیا۔

حروف نفی ۔ نا اور بنا کی جگہہ نہ اور نے آگئے۔

حروف ایجاب رہے مگر اوب کی جگہہ مین ست بچن وغیرہ کی جگہہ بجا۔ درست۔ واقعی۔ حق۔ بے شک۔ برحق۔ بسر وچشم آگئے۔ اصل زبان کے لفظ نہ رہے۔

حروف تاکید کی جگہہ۔ ہرگز۔ زنہار۔ ضرور۔ البتہ آگئے۔ اصل لفظ گم ہوگئے۔

حروف تردید ۔ کی جگہہ۔ یا۔ خواہ ہین اصل گم۔

حروف تمنا مین سے کوئی حرف نہین۔ کاش فارسی کا حرف ہے۔

حروف ترقی ۔ مین۔ بل تو نہین بولتے مگر بلکہ اپنے موقع پر آتا ہے۔

اسم کی تحت مین۔ اسمار اشارہ مین سے کچہہ نہین لیا مگر ازانجا کہ۔ باآنکہ۔ باآینکہ مرکب ہوکر بہت آتے ہین۔

موصولات مین سے کچہہ نہین لیا۔ **مگر کاف بیانیہ** اس طرح آنے لگا کہ بے اُس کے کلام ہی بے مزہ ہوجاتا ہے۔ کیسا۔ ایسا۔ جیسا۔ کی جگہہ کس طرح وغیرہ کس وضع وغیرہ کتنا۔ اتنا۔ جتنا کی جگہہ کس قدر وغیرہ بھی بولنے لگے۔

یاے نسبت کی ترکیبون مین فارسی عربی کے بموجب نسبتی الفاظ بولنے لگے چنانچہ دلّی وال کی جگہہ دہلوی بولتے ہین اسی طرح اور الفاظ مین۔ اور عورتون مین شیخانی۔ سیدانی۔ اُستانی۔ دغیرہ وغیرہ۔ باوجودیکہ ہندی کے مصدر موجود

تھے مگر صدہا مصادر مرکبہ بنالئے مثلاً **مانا**۔ اب کہتے ہین ہرچند سمجھایا اُس نے منظور نہ کیا۔ کسی عنوان مقبول نہ کیا یعنی نہ مانا۔ **مُکرنا**۔ اب کہتے ہین پہلے تو قبول دیا تھا پھر انکار کرگیا یعنی مُکر گیا۔ **سوچنا**۔ اب کہتے ہین ہرچند فکر کرتا ہون عقل کام نہین کرتی۔ **پچھتانا**۔ اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوا مگر اب کیا ہوسکتا ہے یعنی پچھتایا۔

اسی طرح خوش ہونا۔ غصے ہونا۔ خفا ہونا۔ تنگ ہونا۔ دق ہونا۔ غمگین ہونا۔ تماشا دیکھنا۔ سیر کرنی۔ انتظار کرنا۔ راہ دیکھنا۔ یہان تک کہ بہتیرے مصدرون کی اصل ہندی گم ہوگئی۔ اس سے بڑھکر یہ کہ عربی فارسی کے مصدر یا مشتقات لے کر ہندی کا اشتقاق کرلیا۔

گذشتن سے گذرنا۔ اور اسکے افعال۔ محاورہ ہے کہ گئی گذری بات کا اب کیا کہنا۔

فرمودن سے فرمانا اور اُس کے بہت سے افعال۔

قبول سے قبولنا۔ محاورہ ہے بڑا بادی چور تھا ہرگز نہ قبولا۔

بدل سے بدلنا اور اس کے بہت سے افعال۔ محاورہ ہے کہ اوسے کا بدلا ہے صاحب!

بخشیدن سے بخشنا — **لرزیدن** سے لرزنا۔

نواختن یا نوازش سے نوازنا — **شرم** سے شرمانا۔

کاہلی سے کھلانا میان مجبور ایک قدیمی شاعر تھے۔ اُستاد مرحوم ان کی باتین کیا کرتے تھے کہ بڈھے دیرینہ سال تھے مکتب پڑھایا کرتے تھے ایک دفعہ مشاعرے مین غزل پڑھی دیکھنا کس خوبصورتی سے فعل مشتق کو نبھایا ہے

باتین دیکھ زمانہ کی جی بات سے بھی کھلاتا ہے — خاطر سے سب یارون کی مجبور غزل کھلاتا ہے

نحو مین ترکیب اضافی ترکیب توصیفی کہین مبتدا کہین خبر ہوکر تمام ہندی پر چھا گئی۔ اس مین پہلا فائدہ یہ ہوا کہ اختصار کے لحاظ سے لفظون کا پھیلاو کم ہوگیا۔

دوسرے جمع موصوف ہو تو اسم صفت موصوف کو بھی اس کے لیے جمع لاتے تھے اب واحد لاتے ہین ۔ع

ملائم ہوگئین دل پر برہ کی ساعتین کڑیان ۔ پھر کٹنے لگے اُن بن نکٹتین جن بنا گھڑیان

اب گھڑی ساعتین بولتے ہین۔

تیسرے صیغہ مضارع معنی حال۔ سودا۔ ع

نالہ سینہ سے کرے عزم سفر آخر شب ۔ راہ رو چلنے پہ باندھے ہے کمر آخر شب

چوتھے ۔ یہ کہ اقسام اضافہ مین تشبیہ اور استعارہ کے رنگ سے سیدھی سادی زبان رنگین ہوگئی چنانچہ بھاشا مین کہنا ہو تو کہین گے راج کنور کے دل کے کنول کی کملاہٹ دربار کے لوگون سے نہ دیکھی گئی اردو مین کہین گے شہزادہ کے غنچہ دل کی کملاہٹ اہل دربار سے نہ دیکھی گئی۔

ولی وغیرہ متقدمین کے کلامون مین ایسی ترکیبین بہت ہین بلکہ آدھے آدھے اور سارے سارے مصرعہ فارسی کے ہین۔ مگر کچھ اور طرح سے علی ہذا القیاس بھاشا کے الفاظ اور اس کی ترکیبین بھی زیادہ ہین اور اس طرح ہین کہ آج لوگون کو فصیح نہین معلوم ہوتین۔ اس کی مثال ایسی ہے گویا دودھ مین مٹھاس ملائی مگر وہ ابھی اچھی طرح گھلی نہین۔ ایک گھونٹ خاصہ میٹھا۔ ایک بالکل پھیکا ہے پھر ایک مین مصری کی ڈلی دانت تلے آگئی۔ ہان اب گھل مل کر وہ مرتبہ حاصل ہوا جسے شیر و شکر کہتے ہین بعض اشخاص یہ بھی کہتے ہین کہ خالی بھاشا مین کچھ مزہ نہین اردو خواہ مخواہ طبیعت کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ مگر میری عقل دونون باتون مین حیران ہے کیونکہ جب کوئی کہے آج ایک شخص آیا تھا یا یہ کہین کہ ایک منش آیا تھا۔ تو دونون یکسان ہین کیونکر کہون کہ منش مخالف طبع ہے؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم بچپن سے شخص سنتے ہین اس لیے ہمین منش یا مانس نامانوس معلوم ہوتا ہے اسی طرح اور الفاظ جن کی تعداد شمار سے باہر ہوگئی ہے اس سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ بہت سے لفظ خود متروک ہین مگر دوسرے لفظ سے ترکیب پاکر ایسے

ہو جاتے ہین کہ فصحا کے محاورہ مین جان ڈالتے ہین مثلاً یہی مانس کہ اکیلا محاورہ مین نہین مگر سب بولتے ہین کہ احمد ظاہر مین تو بھلا مانس معلوم ہوتا ہے باطن کی خبر نہین۔

بندھو۔ بھاشا مین بھائی یا دوست کو کہتے ہین اب بھائی بند محاورہ مین کہتے ہین نہ فقط بند ہو نہ بھائی بند ہوا دران استعمالون کی ترجیح کے لئے دلیل کسی کے پاس نہین جو کچھ زمانہ مین رواج ہو گیا وہی فصیح ہو گیا۔ ایک زمانہ آئے گا کہ ہمارے محاورہ کو لوگ بے محاورہ کہا کرینگے۔

اگرچہ یہ بات بغیر تمثیل دیکھنے کے بھی ہر شخص کے خیال مین نقش ہے کہ سنسکرت اور برج بھاشا کی مٹی سے اُردو کا پتلا بنا ہے باقی اور زبانون کے الفاظ نے خط وخال کا کام کیا ہے مگر مین چند لفظ مثالاً لکھتا ہون۔ دیکھو سنسکرت الفاظ جب اُردو مین آئے تو ان کی اصلیت نے انقلاب زمانہ کے ساتھ کیونکر صورت بدلی ہے۔

۱۔ **چورن** سنسکرت ہے یعنی آٹا۔ بھاشا مین چون کہتے ہین اُردو مین چورن پسی ہوئی دوا کو کہتے ہین اور کٹی ہوئی چیز کے نیچے جو باریک اجزا رہ جاتے ہین وہ چورا ہے۔

۲۔ **پسٹ** سنسکرت ہے برج بھاشا مین پسان اسی سے ہے پسنہاری اُردو مین پیٹھی پسی ہوئی دال کے لئے خاص ہو گئی اور پیسنا مصدر ہو گیا۔

۳۔ **اٹ** جسے برج بھاشا اور اُردو دونون مین آٹا کہتے ہین۔

۴۔ **وارتا یا ورت** اُردو مین بات ہو گئی۔

۵۔ **چتردھر**۔ اُردو مین چودھری ہو گیا۔

۶۔ **چندر**۔ چاندری سنسکرت ہے اُردو مین چاند اور چاندنی ہو گئین

۷۔ (گرطھم) گرڈھ۔ گھر یا خانہ اور کیا عجب ہے کہ فارسی مین کدیا کدہ بھی یہی ہو۔

۸۔ **ہست**۔ ہاتھ ہے۔

۹۔ **ہستی**۔ کا ہاتھی ہو گیا۔

۱۰- پارد- سنسکرت ہے بھاشا بادر اردو بادل یعنی ابر ہو گیا-

۱۱- دُل- ایک ایک چیز کے دو دو ٹکڑے کرنے کو کہتے ہین بھاشا اور اردو مین دال خاص غلہ کے لیے اور دلنا مصدر نکل آیا-

۱۲- کشیر- دودہ بھاشا کھیر یا چھیر اردو مین دودھ چاول سے طیار ہوتی ہے-

۱۳- دُگدھ- سنسکرت ہے بھاشا دُودّہ ہوا اب اردو مین دودہ کہتے ہین-

۱۴- ماش- یا ماگھ- ماس- اردو مین مہینا ہو گیا-

۱۵- گانڈا- اردو مین گنا ہو گیا مگر گنڈیری مین ڈال باقی رہی-

بہت سے الفاظ ہین کہ عربی فارسی نے اردو کو دیے اردو نے کہین تو لفظون مین کچھ تصرف کیا معنی وہی رکھے ہین کہین لفظون کو سلامت رکھا معنی کچھ سے کچھ کر لیے مثلاً-

فیلسوف- یونانی لفظ ہے بمعنی محب الحکمت جسے عربی مین حکیم اور انگریزی مین ڈاکٹر یا فلوزفر کہتے ہین مگر اردو والے دغاباز اور مکّار کو کہتے ہین اور فیلسوفی مکاری

ابّا- امّا اب اور امّ سے نکلے ہین-

خصم- عربی مین بمعنی مقابل یا دشمن ہے مگر اردو مین خاوند بمقابل جورو کے ہے جس سے زیادہ کوئی دُنیا مین عزیز نہین-

تماشا- سیر- عربی مین فقط بمعنی رفتار ہے اردو مین کہتے ہین چلو باغ کی سیر دیکھ آئین عجب تماشا ہے-

اخلاص- عربی مین خالص کرنے کو کہتے ہین اردو والے پیار- اخلاص محبت ایک معنون مین بولتے ہین-

خیرات- عربی لفظ ہے یعنی نیکیان- اردو مین خیرات دو- صدقہ اُتارو-

تکرار- عربی مین دوبارہ کہنے یا کام کرنے کو کہتے ہین اردو مین نزاع یا

جھگڑے کو کہتے ہین + + + + +

روزگار۔ فارسی مین زمانہ کو کہتے ہین ہندی مین روزگار نوکری ہے۔

رومال۔ جن معنون مین یہان بولتے ہین یہ یہین کا ایجاد ہے فارسی مین روپاک۔ یا دست پاک ہے۔

خیر وصلاح عوام الناس خیر سلاّ کہتے ہین یعنی صحت و سلامت۔

رَسَد۔ اگرچہ فارسی لفظ معلوم ہوتا ہے مگر اہل فارس ان معنون مین نہین بولتے۔

بہت الفاظ اس طرح لئے کہ معنون کے ساتھ اُن کی صورت بھی بدل دی اگرچہ اکثر ان مین سے عوام الناس بولتے ہین مگر بعض الفاظ خواص کی زبانون تک بھی پہونچ گئے مثلاً

اَرداوہ۔ کہ اصل مین اردابہ تھا

تانے تشنے۔ طعن وتشنیع۔

شروا۔ شوربہ یا شوابہ

باک باک جھک جھک زق زق بق بق۔

کھیسا۔ کیسہ

قبور۔ قربوس۔

کہگل۔ کاہ گل

دسپنا دست پناہ یہین کی فارسی ہے۔

ہمام دستہ۔ ہاون دستہ

مردار سنگ۔ مردہ سنگ۔

بجاز۔ بزّاز۔

گدڑی گندری۔ بازار وقت شام

پجاوہ پزاوہ۔ پزیدن سے

توبہ تنسوہا۔ توبۃً نصوحاً

ٹاٹ بافی۔ تاربافی۔

تاشہ تاسہ اور تاسک فارسی لفظ ہے

زری کونا۔ زری کہنہ۔

سہ بندی سپہ بندی۔ نگہداشت فوج۔

تار تلّا۔ تار طلا یعنی زری کہنہ۔

غُرفش۔ عُرش۔

افراتفری۔ یعنی افراط وتفریط۔ اصل مین نہایت بہتات اور نہایت کمی کے معنی ہین اب کہتے ہین عجب افراتفری پڑرہی ہے یعنی ہل چل پڑرہی ہے۔

قلانچ۔ قلاش یا قلاچ ترکی مین دونون ہاتھون کے درمیان کی وسعت کو

کہتے ہین اس لئے کپڑا ناپنے کا پیمانہ ہے یہان خرگوش یا ہرن وغیرہ جانور دوڑتے ہین تو کہین گے کہ قلانچین بھرتے پھرتے ہین۔

آکا۔ ترکی مین بڑے بھائی کو کہتے ہین یہان آکا یار دوست کو بولتے ہین اور اُس مین کچھ بانکپن کو بھی دخل ہے۔

قبورق۔ ترکی مین شئے محفوظ کو کہتے ہین یہان جو شئے حاکم کی ضبطی مین آوے اُسے قرق کہتے ہین۔

مشاطہ۔ مشط عربی مین کنگھی کو کہتے ہین فارسی مین مشّاطہ اُس عورت کو کہتے ہین جو عورتون کو بناؤ سنگار کروائے جیسے ہندوستان مین نائن۔ اردو مین **مُشاطہ** بضم اوّل اور بتخفیف ثانی اُس عورت کو کہتے ہین جو زن و مرد کی نسبت تلاش کرے اور شادی کروادے۔

مُرغا۔ فارسی مین مُرغ فقط پرندہ ہے اُردو مین مرغا خروس مرغی ماکیان کو کہتے ہین۔ اُن کے ہان ہر جمعہ کو مرغون کی پالی بندھتی ہے۔

چخ یا چق ترکی مین باریک پردہ کو کہتے ہین یہان چلمن کو چک کہتے ہین۔

کِتّا۔ ترکی مین بڑے کو کہتے ہین یہان کٹّا موٹے کو کہتے ہین۔ ہٹا کٹّا محاورہ ہے۔

نظر۔ بالتحریک ہے مگر جمع اس کی بسکون اوسط ہی بولتے ہین۔ **وزیر**۔

ترچھی نظرون سے نہ دیکھو عاشقِ دلگیر کو   کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

خط مشدد ہے مگر اب کہتے ہین۔ آج کل خطون مین آداب والقاب کا دستور ہی نہین رہا۔

غم۔ بھی عربی مین مشدد ہے فارسی اور اُردو مین بالتخفیف بولتے ہین۔

طرح عربی مین بالتسکین ہے اُردو کے اہل محاورہ اور شاعر بھی بالتحریک باندھتے ہین

محل بالتشدید۔ ہے مگر کہتے ہین کل بولی بھٹیاری کے محلون مین سینت ہے۔

انگریزی زبان بھی اپنی عملداری بڑھاتی چلی آتی ہے ہندو مسلمان بھائیون کو اُس

دن کا انتظار چاہیے کہ وہ عربی فارسی کے لفظ جواب تک ہمارے تمہارے باپ دادا بولتے رہے آیندہ اُن کی جگہہ اُس کثرت سے انگریزی لفظ نظر آئینگے کہ عربی فارسی کے لفظ خود جگہہ چھوڑکر بھاگ جائینگے چند لفظ ایسے بھی دکھانے چاہئین جو کہ مختلف ممالک یورپ کے ہین اور اب ہماری زبان مین اس طرح پیوند پاگئے ہین کہ جوڑ تک نہین معلوم ہوتا۔

کمرہ۔ اطالی ہے	فلانیل یا فلالین فلیل انگریزی ہے۔
نیلام۔ پرتگالی ہے وہ لیلام کہتے ہین	بانبٹ۔ بابی نٹ ایک جالی کی قسم کا کپڑا
پادری۔ زبان لاطینی سے آیا ہے۔	بوتل۔ باٹل۔ انگریزی ہے۔
لالٹین۔ لین ٹرن انگریزی ہے۔	درجن۔ ڈزن۔ انگریزی ہے۔
اسٹام۔ سٹمپ۔ انگریزی ہے۔	بٹن۔ بٹن انگریزی ہے۔
بسکٹ۔ بسکِٹ۔ انگریزی ہے	بگی۔ انگریزی ہے۔
پلٹن۔ انگریزی ہے۔	گلاس انگریزی مین عام شیشہ ہے۔
بوتام۔ بوتان فرنچ ہے	میم۔ میڈم۔ انگریزی لفظ ہے۔
پستول۔ پسٹل انگریزی ہے	اردلی۔ آرڈرلی۔

اسی طرح اسٹیشن۔ ٹکٹ۔ ریل۔ پولس وغیرہ صدہا لفظ ہین کہ خاص و عام سے بڑھکر عورتون کی زبان تک پہونچ گئے ہین اور جو الفاظ دفترون اور کچہریون مین صاحب لوگون کے ملازم بولتے ہین۔ اگر سب لکھے جائین تو ایک ڈکشنری بنجاے۔

ہر زبان کے فصحا کا قاعدہ ہے کہ اپنی زبان مین تصرفات لطیف سے کچھ ایجاد کرکے نئے لفظ اور اصطلاحین پیدا کرتے ہین ہماری اردو بھی اس میدان مین کسی سے پیچھے نہین رہی۔ ان اصطلاحون کی بنیاد اگرچہ اتفاقی پڑتی ہے مگر ان لوگون کی طبیعت سے ہوتی ہے جو علم کے ساتھہ فکر عالی۔ طبیعت براق۔ ذہن پر ایجاد اور

ایجاد دلپذیر رکھتے ہین انکہین کے کلام کو خاص و عام کے دلون مین بھی اثر ہوتا ہے کہ
اُن کی بات سب کے دلون کو بھلی لگتی ہے اور اُسے اختیار کر لیتے ہین مثلاً
گھوڑے کا رنگ جسے ہندوستان مین **سرنگ** اور پنجابی مین چنبا۔ یا کُمّا کہتے
ہین فارسی مین اُسے کرنگ کہتے ہین اور چونکہ بھاشا مین ک علامت بدی اور س علامت
خوبی ہے اس لئے **اکبر** نے اس کا نام سُرنگ رکھا۔ گھوڑے کی اندھیری کا نام **اُجیالی**
رکھا کہ نیک شگون ہے۔

خاک روب کو **حلال خور** کا خطاب بھی اُسی ذرہ نواز بادشاہ کا بخشا ہوا ہے۔
جہانگیر کی رنگیلی طبیعت نے شراب کا نام **رام رنگی** رکھا اور اس کو فارسی کے
شعرا نے اشعار مین بھی باندھا طالب آملی۔ ؎

نہ ایم منکر صہبا و لیک میگویم — کہ رام رنگی ما نشۂ دگر دارد

سنگترہ۔ کو اُس کی خوبی و خوش رنگی کے سبب سے **محمد شاہ** نے رنگترہ کہا
بُلبُل ہندوستان کا **گلدم** نام رکھا۔
ہار کے لفظ کو بدشگون سمجھ کر **نَخلِمال** کہولیا۔
شاہ عالم نے سرخاب کو بھی **گلسرہ** کہا مگر اُس نے رواج نہ پایا۔
نواب سعادت علی خان مرحوم نے ملائی کا نام بالائی رکھا کہ لکھنؤ مین عام
اور دلی وغیرہ مین کم رائج ہے۔ مذاق سلیم دونون کے لطف مین امتیاز کرسکتا ہے۔
بھاشا کی ساخت کو دیکھو کہ ہر ایک زبان کے ملاپ کے لئے کیسی ملنسار طبیعت
رکھتی ہے نظم و نثر پر غور سے نظر کرو اُس نے اپنے مہمان کے لئے فقط لفظون ہی مین
جگہ خالی نہین کی بلکہ بہت سے الفاظ و خیالات جو کہ ملکی خصوصیت عربی فارسی سے
رکھتے تھے وہ بھی لے لئے چنانچہ بہادری کا میدان رستم و سام کو دیا حالانکہ یہان وہ
بھیم اور ارجن کا حق تھا سودا کہتے ہین ؎

رستم رہا زمین پہ نہ سام رہ گیا　　مردون کا آسمان کے تلے نام رہ گیا

بستم سے بھلا کہ تو سر تیغ تلے دہر دے　　پیارے یہ ہمین سے ناجو ہر کا رے وہر دے

حسن و جمال کے شبستان مین لیلی و شیرین آگئین اور جب وہ آئین تو ان کے جگہ مجنون و فرہاد کیونکر نہ آتے مجنون و فرہاد کی آنکھون سے گنگا و جمنا تو بہہ نہین سکین مجبور جیحون سیحون ہندوستان مین آگئے - ہماچل اور بندھیاچل کو چھوڑکر کوہ بیستون قصر شیرین کوہ الوند سے سر پھوڑتے ہین مگر جب کوئی خوش طبع چاہتا ہے تو یہین کے پھولون سے بھی یہان کے مکان سجا دیتا ہے اور وہ عجب بہار دیتے ہین -

ایک زبان کے محاورہ کو دوسری زبان مین ترجمہ کرنا جائز نہین مگر ان دونون زبانون مین ایسا اتحاد ہو گیا کہ یہ فرق بھی اٹھ گیا اور اپنے کار آمد خیالون کے ادا کرنے کے لئے دلپذیر اور دلکش اور پسندیدہ محاورات جو فارسی مین دیکھے انھین کبھی بجنسہ اور کبھی ترجمہ کرکے لیا مثلاً بر آمدن اور بسر آمدن ہندی مین اسکا ترجمہ لفظی ڈہونڈین تو نہین ہے مگر اہل زبان نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ تضمین کر لیا اور سودا نے کہا - سودا

اس دل کی تف آہ سے کب شعلہ بر آئے　　بجلی کو دم سرد سے جس کے خذر آئے

افعی کو یہ طاقت ہے کہ اس سے لب بر آئے　　وہ زلف سیہ اپنے اگر لہر پر آئے

در آمدن یعنی گھس آنا - سودا

یہان تک نہ دل آزار خلایق ہو کہ کوئی　　مل کر لہو منہ سے صف محشر مین در آئے

عرق عرق شدن اور آب شدن - ذوق

آگ دوزخ کی بھی ہو جائے گی پانی پانی　　جب یہ عاصی عرق شرم سے تر جائین گے

حرف آمدن اور دل خون شدن

حرف آئے مجھ پہ دیکھئے کس کس کے نام سے　　اس درد سے عقیق کا دل خون مین مین ہے

سید انشا - ع - لب وہ کہ لعل کے بھی نگینہ پہ حرف ہے *

چشمک زدن۔ ذوق۔

لب پر ترے پسینہ کی بوند اے عقیق لب
چشمک زنی کرے ہے سہیلِ یمن کے ساتھ

پیمانہ پر کردن۔ مار ڈالنا سودا۔

ساقی چمن مین چھوڑکر مجکو کدھر چلا
پیمانہ میری عمر کا ظالم تو بھر چلا

دامن افشاندہ برخاستن۔ بیزار ہوکر اٹھ کھڑے ہونا۔ سودا

کیا اس چمن مین آن کے لے جائے گا کوئی
دامن تو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا

از جامہ بیرون شدن

نکلا پڑے ہے جامہ سے کچھہ ان دنون رقیب
تھوڑے ہی دم دلاسے مین اتنا اپھر چلا

کب صبا آئی ترے کوچہ سے اے یار کہ مین
جون حبابِ لب جو جامہ سے باہر نہ ہوا

اگرچہ ان باتون پر فصاحت کے اصول عامۂ کے بموجب بہت اعتراض ہوئے مگر احتراز نہ ہوئے کیونکہ بولنے والون کی تسلیمن اور صلیمن اور گھر اور گھرانے فارسی سے شیر وشکر ہو رہے تھے۔ جتنا اس کا دخل زیادہ ہوتا تھا اُتنا ہی مزہ زیادہ ہوتا تھا اور آج دیکھتے ہین تو اور ہی رنگ ہے۔ ہمارے قادر الکلام انشا پرداز ترجمے کرکے انگریزی کے خیالون کے چربے اُتارتے ہین اور ایسا ہی چاہیے جہان اچھا پھول دیکھا چن لیا اور دستار نہین تو کوٹ مین زیب گریبان کرلیا۔ ہمارے انشاپردازون نے جب دیکھا کہ فارسی والون نے اپنی قادر سخنی کے زور یا ظرافت طبع کے شور سے عربی ترکیبون کا استعمال کیا ہے تو اُنھون نے بھی اپنے پیارے ملک کی زبان کو اس نمک سے بے لطف نہ چھوڑا سودا فرماتے ہین۔ ع۔ جیسی کہتا ہے کوئی ہوترا صفاً صفاً ٭

سید رضی خان رضی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

ع۔ تری وہ مثل ہے کہ اے رضی نہ اتے الّذی نہ اُتے الّذی ٭

دونون زبانون کی باب تشبیہات مین ایک نکتہ کہے بغیر مجھ سے آگے بڑھا نہین جاتا۔

یعنی مختلف افراد انسان کے طبائع پر غور کرو کہ ہزاروں کوس پر پڑے ہوں اور مختلف طبیعت کے ملکوں میں ہوں لیکن چونکہ طبیعت انسانی متحد ہے اسلیے دیکھو ان کے خیالات کس قدر ملتے جلتے ہوتے ہیں چنانچہ یہاں **بالوں** کی تعریف میں ناگوں کے لہرانے اور بھونروں کے اُڑنے سے تشبیہ دیتے ہیں فارسی میں بھی زلف کی تشبیہ سانپ کے ساتھ آئی ہے اس لئے اردو میں سانپ رہے مگر بھونرے اُڑ گئے اور اس کی جگہ **مشک**۔ بنفشہ۔ **سنبل**۔ ریحان آگئے جو کبھی یہاں دیکھے بھی نہیں مگر **عرب** کا سادہ مزاج فصیح اپنے پیچ کا حق ادا کرتا ہے اور زلف کو کوئلے سے تشبیہ دیتا ہے۔ سانولی رنگت کی تعریف میں **شام برن** اور سیکھ برن کہتے تھے۔ اس سے کھلتا رنگ ہوتا تو **چنپاپ برنی** کہتے تھے۔ اب سمن رنگ اور سیم رنگ کے الفاظ حسن کو بہار دیتے ہیں مگر چندر مکھ اور ماہ رخ مشترک ہے۔ آنکھ کی تعریف میں یہاں **مرگ** کی آنکھ اور **کنول** کے پھول اور ممولے کی اچپلاہٹ سے تشبیہ دیتے تھے۔ اردو میں آہو چشم رہے مگر ممولے ہوا ہو گئے اور کنول کی جگہ ساغر لبریز اور نرگس شہلا آگئی جو کسی نے یہاں دیکھی بھی نہ تھی بلکہ ترک چشم۔ شمشیر نگاہ سے قتل کرنے لگے۔

رفتار کے لئے بھاشا میں **ہتنی** اور ہنس کی چال ضرب المثل ہے اب ہنس کے ساتھ ہاتھی بھی اُڑ گیا فقط **کبک دری**۔ **شور محشر** اور **فتنۂ قیامت** نے آفت برپا کر رکھی ہے۔ بھاشا میں **ناک** کی تشبیہ **طوطہ** کی ناک سے تھی۔ اب زنبق کی کلی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آتش کا شعر ہے۔

توڑنے والے گلِ زنبق کے ہیں　　　کاٹنے والے چمن کی ناک کے

فارسی والوں نے کمر کی نزاکت میں بڑی باریکیاں نکالی ہیں مگر سنسکرت نے بھی اپنی جگہ مبالغہ میں کچھ کمی نہیں کی چنانچہ **آنکھوں** کی تعریف میں ایک شاعر نے کہا۔ گوشے اُنکے کانوں سے جا ملے تھے۔

پہلے یہاں ہوا یا ابر یا ہنس کو قاصد کہتے تھے۔ انھوں نے نسیم اور صبا کو قاصد رکھا بلکہ نالہ اور آہ اور اشک سے بھی پیغام رسانی کا کام لیا۔ اُستاد مرحوم کا شعر ہے۔

نالہ ہے اُن سے بیان درد جدائی کرتا　　کام قاصد کا ہے یہ تیز ہوائی کرتا

ظفر

ظفر گر نہین ہے کوئی نامہ بر　　تم آنسو ہی اپنا روانہ کرو

سودا

قاصد اشک آ کے خبر کر گیا　　قتل کوئی دل کا نگر کر گیا

فارسی والے طفل اشک باندھتے تھے۔ انھوں نے بھی اُسے لڑکا بنایا۔ اور دیکھو اُستاد مرحوم نے اس کے لئے دامن کیا خوب تیار کیا ہے۔ ع

طفل اشک ایسا گرا دامان مژگان چھوڑ کر

اور معروف نے بھی کہا ہے ؎

ابھی سے نام خدا کرنے قاصدی نکلا　　یہ طفل اشک بڑا پانو کا بلی نکلا

بیان کیا کرون اشک کی ابتری کا　　یہ لڑکا بد اطوار پیدا ہوا ہے

یہ نہ سمجھنا کہ فارسی زبان ہندی مین تصرف حاکمانہ کرتی رہی۔ نہین اُسے بھی یہان کے الفاظ لئے بغیر چارہ نہین ہوا۔ چنانچہ جو الفاظ فارسی اور سنسکرت کی اصلیت مین متفق ہین اُن سے قطع نظر کر کے کہتا ہون کہ سلاطین چغتائیہ کے دفترون مین صدہا لفظ ہندی کے تھے جو کہ فارسی عبارتون مین بے تکلف ہوتے تھے۔ اور اب بھی عہد مذکور کی تواریخون مین موجود ہین۔ مثلاً جھروکہ درشن اور پھول کٹارہ اور کھپوہ مرصع۔ جہانگیر بادشاہ اپنی تورک مین لکھتا ہے کہ میرا بھائی شاہ مراد کوہستان فتح پور سیکری مین پیدا ہوا تھا۔ اسی واسطے میرے والد اُسے پہاڑی راجہ کہا کرتے تھے اور آرام بانو بیگم میری چھوٹی بہن کو بہت پیار کرتے تھے اور اکثر مجھ سے کہتے تھے کہ بابا بجہت خاطر من باین خواہر خود کہ لاڈلہ من است بعد از من

باید بر وشے سلوک کنی کہ من بہ او میگیم۔ نازاو برداشتہ۔ بے ادبی وشوخی ہاے ادرا گبذرانی۔ اسی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہان بچپن مین اکبر کو شاہ بابا اور جہانگیر کو شاہ بھائی کہا کرتا تھا۔

اسی طرح شعرا نے اپنے تصرفات رنگین کے ساتھ اشعار فارسی کو رونق دی ہے۔ امیر خسرو ۶سو برس پہلے کہتے ہین ع بنشستہ چون در پالکی نہ چرخ کہار آمدہ۔ اور دہلی کی یاد مین ایک جگہہ کہتے ہین۔

اے دہلی واے بتان سادہ پگ بستہ و چیرہ کج نہادہ

اور نثر مین بادشاہ کے لئے کیا خوب کہا ہے۔ بار جگت گردی عالم بر خود گرفتہ۔

بیان مذکورہ بالا سے تمہین اجمالاً معلوم ہوگیا کہ اردو کا درخت اگرچہ سنسکرت اور بھاشا کی زمین مین اگا مگر فارسی کی ہوا مین سرسبز ہوا ہے البتہ مشکل یہ ہوئی کہ بیدل اور ناصر علی کا زمانہ قریب گذر چکا تھا اور ان کے معتقد باقی تھے وہ استعارہ اور تشبیہ کے لطف سے مست تھے۔ اسواسطے گویا اردو بھاشا مین استعارہ و تشبیہ کا رنگ بھی آیا اور بہت تیزی سے آیا۔ یہ رنگ اگر اسی قدر آتا جتنا چہرہ پر ابٹنے کا رنگ یا آنکھون مین سرمہ تو خوشنمائی اور بینائی دونون کو مفید تھا مگر افسوس کہ اس کی شدت نے ہمارے قوت بیان کی آنکھون کو سخت نقصان پہونچایا اور زبان کو خیالی باتون سے فقط توہمات کا سوانگ بنا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاشا اور اردو مین زمین و آسمان کا فرق ہوگیا چاہتا ہون کے دونون کے نمونے آمنے سامنے رکھ کر ان کے فرق دکھاؤن مگر اس سے پہلے دو تین باتین خیال مین رکھنی چاہیے۔ اول تو شاعرانہ اردو کا نوجوان جس نے فارسی کے دودھ سے پرورش پائی۔ اس کی طبیعت مین بہت سے بلند خیالات اور مبالغہ مضامین کے ساتھ وہ حالات اور ملکی رسمین اور تاریخی اشارے آگئے جو فارس اور ترکستان سے خالص تعلق رکھتے تھے اور بھاشا کے طبعی مخالف تھے ساتھ اس کے فارسی کی نزاکت اور لطافت طبعی کے سبب سے

اردو کے خیالات اکثر ایسے پیچیدہ ہو گئے کہ بچپن سے ہمارے کانون مین پڑتے اور ذہنون مین جمتے چلے آتے ہین۔ اس لئے ہمین مشکل نہین معلوم ہوتے۔ ان پڑھ۔ انجان۔ یا غیر زبان والا انسان سنتا ہے تو منہ دیکھتا رہ جاتا ہے کہ یہ کیا کہا۔ اس لئے اردو پڑھنے والے کو واجب ہے کہ فارسی کی انشاپردازی سے ضرور آگہی رکھتا ہو۔ فارسی اور اردو کی انشاپردازی مین جو دشواری ہے اور ہندی کی انشا مین آسانی ہے۔ اس مین ایک باریک نکتہ غور کے لایق ہے وہ یہ ہے کہ بھاشا زبان جس شے کا بیان کرتی ہے اس کی کیفیت ہمین ان خط وخال سے سمجھاتی ہے جو خاص اسی شے کے دیکھنے۔ سونگھنے۔ چکھنے یا چھونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس بیان مین اگرچہ مبالغہ کے دور یا جوش وخروش کی دھوم دھام نہین ہوئی مگر سننے والے کو جو اصل شے کے دیکھنے سے مزہ آتا ہے وہ سننے سے آجاتا ہے۔ برخلاف شعراے فارس کے کہ جس شے کا ذکر کرتے ہین صاف اس کی برائی بھلائی نہین دکھاتے بلکہ اسکے مشابہ ایک اور شے جسے ہم نے اپنی جگہہ اچھا یا برا سمجھا ہوا ہے اس کے لوازمات کو شے اول پر لگا کر ان کا بیان کرتے ہین مثلاً پھول کہ نزاکت۔ رنگ اور خوشبو مین معشوق سے مشابہ ہے۔ جب گرمی کی شدت مین معشوق کے حسن کا انداز دکھانا ہو تو کہین گے کہ مارے گرمی کے پھول کے رخسارون سے شبنم کا پسینہ ٹپکنے لگا اور اسی رنگ مین شاعر کہتا ہے۔

خواجہ وزیر۔ وزیر۔

ہون وہ بلبل جو کرے ذبح خفا تو ہو کر　　روح میری گل عارض مین رہے بو ہو کر

یہ تشبیہین اور استعارے اگر پاس پاس کے ہون اور آنکھون کے سامنے ہون تو کلام مین نہایت لطافت اور نزاکت پیدا ہوتی ہے لیکن جب دور جا پڑین اور بہت باریک پڑ جائین تو دقت ہو جاتی ہے چنانچہ ہمارے نازک خیال کسی بادشاہ کے اقبال اور عقل کے لئے اس قدر تعریف پر قناعت نہین کرتے کہ وہ اقبال مین سکندر یونانی اور عقل مین ارسطو ثانی ہے بلکہ بجاے اسکے کہتے ہین کہ اگر اس کا ہماے عقل۔ اوج اقبال سے سایہ ڈالے۔ تو ہر شخص

کشور دانش و دولت کا سکندر اور ارسطو ہو جائے بلکہ اگر اسکے سینہ مین دلائل عقلی کا دریا جوش مارے تو طبقہ یونان کو غرق کر دے۔ اوّل تو ہما کی یہ صفت خود ایک بے بنیاد فرض ہے اور وہ بھی اسی ملک کے ساتھہ خاص ہے۔ اس پر ایک اقبال کا فلک الافلاک تیار کرنا اور اس پر نقطۂ اوج کا دریافت کرنا دیکھیے۔ وہان اُنکے فرضی ہما کا جانا دیکھیے پھر زمین پر اُس خیالی آسمان کے نیچے ایک تدبیر کا یونان بسانا دیکھیے۔ پھر اس فرضی ہما کی برکت کا اس قدر عام کرنا دیکھیے جس دنیا کے جاہل اس خیالی یونان مین جاکر ارسطو ہو جائین۔ دوسرے فقرے مین اوّل علماء ہند نے تنور سے طوفان کا نکلنا مانا ہی نہین ہے۔ اُس پر طبقہ یونان کا اپنے فلسفہ کی تہمت مین تباہ ہونا وغیرہ وغیرہ ایسی باتین اور روایات ہین کہ اگرچہ ہمارے معمولی خیالات ہون مگر غیر قوم بلکہ ہمارے بھی عام لوگ اُس سے بے خبر ہین۔ اس لئے بے سمجھائے نہ سمجھین گے اور جب بات کو زبان سے کھکر سمجھانے کی نوبت آئی تو لطف زبان کجا اور یہ نہین تو تاثیر کجا مزہ وہی ہے کہ آدہی بات کہی آدہی منہ مین ہے اور سننے والا پھڑک اٹھا۔ تار باجا اور راگ بوجھا خیالی رنگینیون اور فرضی لطافتون کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو باتین بدیہی ہین اور محسوسات مین عیان ہین۔ ہماری تشبیہون اور استعارون کے پیچ در پیچ خیالون مین آکر وہ بھی عالم تصور مین جا پڑتی ہین۔ کیونکہ خیالات کے ادا کرنے مین ہم اول اشیاء بے جان کو جاندار بلکہ اکثر انسان فرض کرتے ہین بعد اسکے جاندارون اور عاقلون کے لئے جو باتین مناسب حال ہین ان بیجانون پر لگاکر ایسے ایسے خیالات پیدا کرتے ہین جو اکثر ملک عرب یا فارس یا ترکستان کے ساتھہ قومی یا مذہبی خصوصیت رکھتے ہین مثلاً آرات کو اہل محبت کے جلسہ مین اول تو ساقی کا آنا ادب ہے پھر معشوق بجائے ایک نازنین عورت کے پری زاد لڑکا ہوا اُسکی پیشانی اور رخسارہ سے نور صبح روشن ہے مگر زلف کی شام بھی برابر مشک افشان ہے صراحی کبھی سرکشی کرتی ہے۔ اسی لئے جگر خون ہو کر ٹپکتا ہے کبھی جھکتی ہے اور خندۂ قلقل سے ہنستی ہے۔ کبھی وہی قلقل حق حق ہو کر یاد الٰہی مین حرف

ہوتی ہے۔ مگر پیالہ اپنے کھلے منہ سے ہنستا ہے اور اس کے آگے دامن بھی پھیلاتا ہے فلک
تیر حوادث کا ترکش اور کمان کہکشان لگائے کھڑا ہے مگر عاشق کا تیر آہ اس کے سینہ کے
پار جاتا ہے۔ پھر بھی زحل منحوس کی آنکھ نہین پھوٹتی کہ عاشق کی صبح مراد روشن ہو۔
یہان کی محفل مین شمع برقع فانوس مین تاج زر سر پر دھرے کھڑی ہے اسلئے
پروانہ کا آنا بھی واجب ہے۔ وہ عاشق زار آتے ہی جل کر خاک ہو جاتا ہے چراغ کو ہنساتے
ہین اور شمع کو عاشق کے غم مین رلاتے ہین۔ وہ باوفا عاشق کی تپ مین سراپا جلتی ہے
اسکی چربی گھل گھل کر بہتی ہے مگر پائے استقامت اس کا نہین ہلتا۔ یہان تک کہ سفید سحری
کبھی آکر کافور دیتا ہے اور کبھی طباشیر شمع کا دل اسلئے بھی گداز ہے کہ شب زندگی کا دامن
بہت چھوٹا ہے۔ لیکن صبح دونون کے ماتم مین گریبان چاک کرتی ہے۔ عاشق بادہ خوار
کے لئے مرغ سحر بڑا موذی ہے۔ اسکے ذبح کو ہمیشہ تیغ زبان تیز رہتی ہے۔ باد سحر قاصد خجستہ
گام ہے کہ پیغام یار کا بہت جلد لاتا اور لیجاتا ہے۔ اسی عالم مین آفتاب کبھی تو پنجہ شعاع سے
آنکھ ملتا سر برہنہ حجرۂ مشرق سے نکلتا ہے کبھی فلک کے سبزہ گھوڑے پر سوار کرن کا تاج
زرنگار سر پہ چمکاتا شفق کا پھریرا اڑاتا آتا ہے کیونکہ اپنے حریف شاہ انجم کی فوج کو پریشان
کرکے فتحیاب آیا ہے۔ انھین بنیادون پر جب گلزار کی شگفتگی یا باغ کی بہار دکھانی ہو تو ایسے
خیالات مین دکھائین گے کہ شاہد گل کے کان مین قاصد صبا کچھ ایسا افسون پھونک
گیا کہ وہ مارے ہنسی کے فرش سبزہ پہ لوٹ گیا طفل غنچہ مسکرا کر اپنے عاشق بلبل شیدا کا دل
لبھاتا ہے کبھی خزان کا غارت گر آتا ہے تو گل اپنا جام اور غنچہ اپنی صراحی لیکر روانہ ہوجاتے ہین اسطرح ہمارے باغ
مین بہار خود ایک معشوق ہے اسکا چہرہ چمن ہے گل رخسار ہین سنبل بال ہین بنفشہ زلف ہین نرگس آنکھین ہین وغیرہ وغیرہ
پھر بہار موسم جوانی ہے۔ درخت جوانان چمن ہین کہ عروسان گلشن سے
گلے مل مل کر خوش ہوتے ہین شاخین انگڑائیان لیتی ہین۔ تاک کا سیسہ بڑا اینڈتا
ہے اطفال نبات دایہ بہار کی گود مین پرورش پاتے ہین خضر سبزہ کی برکت

ے نسیم سحری مردہ ہزار سالہ مین دم عیسوی کا کام دیتی ہے مگر بلبل زار عشق شاہد گل مین اُداس ہے آب روان عمر گذران ہے اُس کی موج کی تلوار سے دل کٹتے جاتے ہین۔ سرو کے عکس کا اژدہا نگلے جاتا ہے شبنم کے آنسو جاری ہین بلبل کبھی خوش ہے کہ گل اُس کا پیارا پاس ہنس رہا ہے کبھی افسردہ کہ خزان کا خون ریزان سب کو قتل کریگا۔ یا اُسکے دشمن یعنی گلچین وصیاد اسے یہان سے نکالینگے۔ سرو یا شمشاد کے عشق مین قمری کا گیروا لباس ہے اُس کے نالہ کا آوازون کو چیرتا ہے کبھی عاشق زار بھی وہین آنکلتا ہے۔ وہ بجاے اپنے معشوق کے حسرت وغم سے ہم کنار ہے۔ روتا ہے اور قاصد صبا کو پیغام دیتا ہے کہ میرے تغافل شعار کو ذرا میرے حال کی خبر کر دینا۔

بیان مذکورہ بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ ان مین بہت سی باتین ایسی ہین جو خاص فارس اور ترکستان کے ملکون سے طبعی اور ذاتی تعلق رکھتی ہین۔ اسکے علاوہ بعض خیالات مین اکثر اُن داستانون یا قصون کے اشارے بھی آگئے ہین جو خاص ملک فارس سے علاقہ رکھتے تھے۔ مثلاً شمشاد۔ نرگس۔ سنبل۔ بنفشہ موے کمر۔ قد سرو وغیرہ کی تشبیہین۔ لیلی شیرین۔ شمع۔ گل۔ سرو وغیرہ کا حسن۔ مجنون۔ فرہاد۔ بلبل۔ قمری۔ پروانہ کا عشق۔ فانوس کا برقع۔ غازہ اور گلگونہ۔ مانی و بہزاد کی مصوری رستم و اسفندیار کی بہادری۔ زحل کی نحوست سہیل یمن کی رنگ افشانی۔ مشاہیر فارس و یونان اور عرب کے قصے راہ ہفتخوان۔ کوہ الوند۔ کوہ بے ستون۔ جوے شیر۔ قصر شیرین۔ جیحون سیحون وغیرہ وغیرہ ہر چند سب معاملات عرب اور فارس سے متعلق ہین۔ مگر اُردو مین بہت سے خیالات انھین کی بنیاد پر نظم ونثر مین پیدا ہوتے ہین۔ تعجب یہ ہے کہ ان خیالات نے اور وہان کی تشبیہون نے اسقدر زور پکڑا کہ اُن کے مشابہ جو یہان کی باتین تھین انھین بالکل مٹا دیا البتہ سودا۔ سید انشا کے کلام مین کہین کہین ہین اور وہ اپنے موقع پر نہایت لطف دیتی ہین۔ غرض کہ اب انشا پردازی ایک پرانی یادداشت ان تشبیہون اور استعارون کی ہے کہ صدہا سال

سے ہمارے بزرگون کی دست مال ہوکر ہم تک میراث پہونچی ہے۔ ہمارے متاخرین کو نئی آفرین لینے کی آرزو ہوئی تو بڑا کمال یہ ہے کہ کبھی صفت بعد صفت کبھی استعارہ در استعارہ سے اُسے اور تنگ و تاریک کیا جس سے ہوا تو یہ ہوا کہ بہت غور کے بعد فقط ایک وہمی نزاکت اور فرضی لطافت پیدا ہو گئی کہ جسے محالات کا مجموعہ کہنا چاہیے لیکن افسوس یہ ہے کہ بجائے اِسکے کہ کلام اُن کا خاص و عام کے دلون پر تاثیر کرے۔ وہ مستعد لوگون کی طبع آزمائی کے لئے ایک دقیق معمّے اور عوام کے لئے ایک عجیب گورکھ دہندا میسّر ہو گیا اور جواب اُن کا یہ ہے کہ کوئی سمجھے تو سمجھے جو نہ سمجھین اپنی جہالت کے حوالے۔

اب اس کے مقابلہ مین دیکھو بھاشا کا انشا پرداز برسات مین اپنا باغ کیونکر لگاتا ہے درختون کے جھنڈ چھائے ہین۔ گھن کے پتے ہین۔ اُن کی گہری گہری چھانو ہے جامن کی ٹہنیان آم کے پتون مین کھچڑی ہو رہی ہین۔ کھرنی کی ٹہنیان فالسے کے درخت مین پھیلی ہوئی ہین۔ چاندنی کی بیل کمرک کے درخت پر لپٹی جاتی ہے عشق پیچہ گرد پر چڑھا جاتا ہے اس کی ٹہنیان لٹکتی ہین جیسے سانپ لہرا رہے ہین۔ پھولون کے گچھے پڑے جھوم رہے ہین۔ میوے والے زمین کو چوم رہے ہین۔ نیم کے پتون کی سبزی اور پھولون کی سفیدی بہار پر ہے۔ آم کے بور مین اس کے پھولون کی مہک آئی ہے۔ بھینی بھینی بو جی کو بھاتی ہے۔ جب درختون کی ٹہنیان ہلتی ہین۔ مولسری کے پھولون کا مینہ برستا ہے۔ پھل پھلاری کی بوچھار ہو جاتی ہے۔ دہیمی دہیمی ہوا اُن کی بوباس مین بسی ہوئی روشون پر چلتی ہے۔ ٹہنیان ایسی ہلتی ہین جیسے کوئی جوبن کی متوالی اٹکھیلیان کرتی چلی جاتی ہے۔ کسی ٹہنی مین بھونرے کی آواز۔ کسی مین مکھیون کی بھنبھناہٹ الگ ہی سماباندھ رہی ہے۔ پرند درختون پر بول رہے ہین اور کلول کر رہے ہین۔ حوض مین چادر اس زور سے گرتی ہے کہ کان پڑی آواز نہین سُنائی دیتی۔ اس سے چھوٹی چھوٹی نالیون مین پانی لہراتا جاتا ہے تو عجب بہار دیتا ہے۔ درختون سے جانور اترتے ہین۔ نہاتے جاتے ہین

آپس مین لڑتے جاتے ہین پرون کو پھڑاتے ہین اور اڑ جاتے ہین - چرند زمین پر چوکڑیان بھرتے پھرتے ہین - ایک طرف سے کوئل کی کوک ایک طرف سے کوکلے کی آواز - اسی جھمگٹ مین عاشق مصیبت زدہ بھی کہین اکیلا بیٹھا جی بہلا رہا ہے اور اپنی جدائی کے دکھ کو مزے لے لے کر اٹھاتا ہے ؛

برسات کا سما باندھتے ہین تو کہتے ہین - سامنے سے کالی گھٹا جھوم کر اٹھی - ابر دھوان دھار ہے بجلی کوندتی چلی آتی ہے - سیاہی مین سارس اور بگلون کی سفید سفید قطارین بہارین دکھا رہی ہین - جب بادل کڑکتا ہے اور بجلی چمکتی ہے تو پرندے کبھی دبک کر ٹہنیون مین چھپ جاتے ہین - کبھی دیوارون سے لگ جاتے ہین - مور جدا جھنگارتے ہین - پپیہے الگ پکارتے ہین - محبت کا متوالا چمیلی کی جھرمٹ مین آتا ہے تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لہک کر پھوار بھی پڑنے لگی ہے مست ہو کر وہین بیٹھ جاتا ہے اور شعر پڑھنے لگتا ہے -

جب ایک شہر کی خوبی بیان کرتے ہین تو کہتے ہین شام ہوتے ایک مقام پر پہونچا دیکھتا ہے کہ پہاڑیان ہری بھری ہین اور گرد سر سبز میدانون مین بسے ہوئے گانون آباد ہین - پہاڑ کے نیچے ایک دریا مین نرمل جل بہ رہا ہے - جیسے موتی کی آب - بیچون بیچ مین شہر آباد - جب اس کے اونچے اونچے مکانون اور برجون کا عکس پڑتا ہے تو پانی مین کلسیان جگمگ جگمگ کرتی ہین اور دوسرا شہر آباد نظر آتا ہے - لب دریا کے پیڑ بوٹون اور زمین کے سبزے کو برسات نے ہرا کیا ہے کہ دودھیلی گایون اور بکریون کا چارہ ہو جائے -

جب اداسی اور پریشانی کا عالم دکھاتے ہین تو کہتے ہین کہ آدھی رات ادھر آدھی رات ادھر جنگل سنسان - اندھیرا بیابان - مرگھٹ مین دور دور تک راکھ کے ڈھیر - جلے ہوئے لکڑ پڑے - کہین کہین چتا مین آگ چمکتی ہے بھوتون پریتون کی ڈراونی صورتین اور بھیانک مورتین ہین - کوئی تاڑ سا قد - لال لال دیدے پھاڑے - لمبے لمبے دانت کالے گلے مین کھوپریون کا مالا ڈالے کھڑا ہنس رہا ہے - کوئی ایک ہاتھی کو مارے بغل مین لئے

بھاگا جاتا ہے۔ کوئی ایک کالا ناگ کگڑی کی طرح کھڑا چپا رہا ہے پیچھے غل ہوتا چلا آتا ہے کہ لیجیو لیجیو۔ مار یو مار یو۔ جانے نہ پائے دم بھر مین یہ بھوت پریت غائب ہوتے ہین۔ غل شور تھمتا ہے۔ پھر مرگھٹ کا میدان سنسان ہے۔ پتّے ہوا سے کھڑکتے ہین۔ ہوا کا سناٹا۔ پانی کا شور اُلّو کی ہوک۔ گیدڑون کا بولنا اور کتّون کا رونا یہ ایسی وحشت ہے کہ پہلے ڈھیبی بھول جاتے ہین۔

دیکھو یہ دونون باغ آمنے سامنے لگے ہین تم نے مقابلہ کیا؟ دونون کے رنگ ڈھنگ مین کیا فرق ہے بھاشا کا فصیح استعارہ کی طرف بھول کر بھی قدم نہین رکھتا۔ جو جو لطف آنکھون سے دیکھتا ہے اور جن جن خوش آوازیون کو سنتا ہے یا جن خوشبویون کو سونگھتا ہے انھین کو اپنی میٹھی زبان سے۔ بے تکلف۔ بے مبالغہ صاف صاف کہ دیتا ہے۔

لیکن یہ نہ سمجھنا کہ ہندوستان مین مبالغہ کا زور رہتا ہی نہین سنسکرت کا انشا پرداز ذرا بگڑ جائے تو زمین کے ماتھے پر پہاڑ تیوری کے بل ہو جائین اور وہان غار تھرون سے دانت پیسنے لگین۔ ان مضامین کو دیکھ کر اوّل ہمین وہ عام قاعدہ یاد آتا ہے کہ ہر ملک کی انشا پردازی اپنے جغرافیے اور سرزمین کی صورت حال کی تصویر بلکہ رسم و رواج اور لوگون کی طبیعتون کا آئینہ ہے سبب اس کا یہ ہے کہ جو کچھ شاعر یا انشا پرداز کے پیش نظر ہوتا ہے وہی اُس کی تشبیہون اور استعارون کا سامان ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ایران خراسان اور توران کی زمین مین بہار کا موسم دلون کو شگفتہ کرتا ہے۔ یہان برسات کا موسم دلون مین ذوق و شوق پیدا کرتا ہے وہان بہار مین بلبل ہزار داستان ہے۔ یہان کوئل اور پپیہا ہے۔ برج بھاشا کے انشا پرداز برسات کے لطف اور اُس کی کیفیتین بہت خوب دکھاتے ہین۔ جہانگیر نے اپنے توزک مین سچ کہا ہے کہ ہندوستان کی برسات۔ ہماری فصل بہار ہے اور کوئل یہان کی بُلبُل ہے اس موسم مین عجب لطف سے بولتی ہے اور مستیان کرتی ہے۔ بہار کے موسم کا کچھ لطف یہان ہے تو بسنت رت کا سما ہے جس مین ہولی کے رنگ اُڑتے ہین۔ پچکاریان چھٹتی ہین گلال

کے سمجھے جاتے ہین یہ وہ باتین ہین جو فارس والے بہار کے سمے پر کرتے ہین -

بہر حال ہمین اپنے بزرگون کی اس صنعت کا شکریہ ہی کرنا چاہیے کہ ہندی بھاشا مین جو اضافت کی طوالت - کا - کے - کی - سے ادا ہوتی ہے وہ فارسی کی اضافت مین آکر مختصر ہو گئی - اس کے علاوہ استعارہ و تشبیہ جو بھاشا مین شاید اس سبب سے کم لاتے تھے کہ وہ کتاب یا انشاپردازی کی زبان نہ تھی - یا اس سبب سے کہ برابر کا اور کے سے کے آنے سے کلام بدمزہ ہو جاتا تھا - اسی طرح بہت تشبیہ مین بھی لفظون کے بڑھاوے سے کلام مرتبۂ فصاحت سے گر جاتا تھا - اب انھون نے فارسی کو اس مین داخل کر کے استعارہ و تشبیہ سے مرصّع کر دیا جس سے وہ خیالون کی نزاکت اور ترکیب کی پختگی اور زور کلام اور تیزی وطرّاری مین بھاشا سے آگے بڑھ گئی اور بہت سے نئے الفاظ اور نئی ترکیبون نے زبان مین وسعت بھی پیدا کی -

اس فخر کے ساتھ یہ افسوس پھر بھی دل سے نہین بھولتا کہ انھون نے ایک قدرتی پھول کو جو اپنی خوشبو سے مہکتا اور رنگ سے لہکتا تھا مفت ہاتھ سے پھینک دیا وہ کیا ہے ؟ کلام کا اثر اور اظہار اصلیت - ہمارے نازک خیال اور باریک بین لوگ استعارون اور تشبیہون کی رنگینی اور مناسبت لفظی کے ذوق و شوق مین خیال سے خیال پیدا کرنے لگے اور اصلی مطلب کے ادا کرنے مین بے پروا ہو گئے - انجام اس کا یہ ہوا کہ زبان کا ڈھنگ بدل گیا اور نوبت یہ ہوئی کہ اگر کوشش کرین تو فارسی کی طرح - پنج رقعہ اور مینا بازار یا فسانہ عجائب لکھ سکتے ہین - لیکن ایک ملکی معاملہ یا تاریخی انقلاب اس طرح نہین بیان کر سکتے جس سے معلوم ہو جائے کہ واقعہ مذکور کیونکر ہوا اور کیونکر اختتام کو پہونچا اور اس سے پڑھنے والے کو ثابت ہو جائے کہ رو داد وقت کی اور صورت حال معاملہ کی ایسی ہو رہی تھی کہ جو کچھ ہوا اسی طرح ہو سکتا تھا - دوسری صورت ممکن نہ تھی اور یہ تو ناممکن ہے کہ ایک فلسفہ یا حکمت اخلاق کا خیال لکھین جس کی صفائی کلام لوگون کے دلون کو اپنی طرف لگائے اور اس کے دلائل جو حسن بیان کے پردہ مین برابر جلوہ دیتے جاتے ہین وہ

دلون سے تصدیق کے اقرار لیتے جائین اور جس بات سے روکنا یا جس کام پر جھوکنا منظور ہو اُس مین پوری پوری اطاعت سننے والون سے لے سکین۔ یہ قباحت فقط نازک خیالی نے پیدا کی کہ استعارہ و تشبیہ کے انداز اور مترادف فقرے تکیہ کلام کی طرح ہماری زبان قلم پر چڑھ گئے۔ بیشک ہمارے متقدمین اُس کی رنگینی اور نزاکت کو دیکھ کر بھولے مگر نہ سمجھے کہ یہ خیالی رنگ ہمارے اصلی جوہر کو خاک مین ملانے والا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج انگریزی ڈھنگ پر لکھنے مین یا ان کے مضامین کے پورا پورا ترجمہ کرنے مین ہم بہت قاصر ہین۔ نہین! ہماری اصلی انشا پردازی اس رستہ مین قاصر ہے۔

انگریزی تحریر کے عام اصول یہ ہین کہ جس شے کا حال یا دل کا خیال لکھئے تو اُسے اس طرح ادا کیجیے کہ خود وہ حالت گذرنے سے یا اُس کے مشاہدہ کرنے سے جو خوشی۔ یا غم۔ یا غصہ۔ یا رحم۔ یا خوف۔ یا جوش دل پر طاری ہوتا۔ یہ بیان وہی عالم اور وہی سما دل پر چھا دیوے۔ بے شک ہماری طرز بیان اپنی چست بندش اور قافیون کے مسلسل کھٹکون سے کانون کو اچھی طرح خبر کرتی ہے اپنے رنگین الفاظ اور نازک مضمون سے خیال مین شوخی کا لطف پیدا کرتی ہے ساتھہ اسکے مبالغہ کلام اور عبارت کی دہوم دھام سے زمین و آسمان کو تہ و بالا کر دیتی ہے۔ مگر اصل مقصود یعنی دلی اثر یا اظہار واقعیت ڈہونڈہو تو ذرا نہین۔ چند مضمون ہین کہ ہماری زبانون پر بہت روان ہین۔ مگر حقیقت مین ہم اُن مین بھی ناکام ہین۔ مثلاً ہم اگر کسی کے حسن کی تعریف کرتے ہین تو رشک حور غیرت پری پر قناعت نہ کرکے اُسے ایک پتلا ممکنات و محالات کا بنا دیتے ہین۔ مگر کسی حسین کا حُسن خداداد خود ایک عالم ہے کہ جو کچھ آنکھون سے دیکھ کر دلون پر گذر جاتی ہے دل ہی جانتے ہین۔ بس اُسی کو اس طرح کیون نہین ادا کرتے کہ سننے والے بھی کلیجہ پکڑ کے رہ جائین۔

ایک بلونت جوان کی تعریف کرین گے تو رستم تہمتن۔ اسفندیار روئین تن شیر بیشہ وغا۔ نہنگ قلزم ہیجا وغیرہ وغیرہ لکھ کر صفحے سیاہ کر دین گے لیکن اُس کی بلند گردن

پھرے ہوے ڈنٹر۔چوڑا سینہ۔بازون کی گلاوٹ پتلی کمر۔غرض خوشنما بدن اور موزون ڈیل ڈول بھی ایک انداز رکھتا ہے۔اُسکی اپنی دلاوری اور ذاتی بہادری بھی آخر کچھ نہ کچھ ہے جس کے کارنامون نے اُسے اپنے عہد مین ممتاز کر رکھا ہے اُسی کو ایک وضع سے کیون نہین اوا کر دیتے جسے سُن کر مُردار خیالون مین اکڑ۔تناؤ اور کمہلاے ہوے دلونمین اُمنگ پیدا ہو جاے۔

ایک چمن کی تعریف سے کبھی فلک کے سبز باغ اور گلشن انجم کے دل پر داغ دینگے کبھی اُسے فردوس برین اور جنّت روے زمین بنائین گے۔بلکہ ایک ایک پھول اور ایک ایک پتّے کی تعریف مین رنگ رنگ سے ورق سیاہ کر دین گے مگر اُس کی ہریاول کا لہلہانا۔پھولون کا چھپانا۔میٹھی میٹھی خوشبوؤن کا آنا۔آب روان کا لہرانا۔موزون درختون گلزار کے تختون کی بہار۔ہوا کی مہک اور طوطی کی چہک۔پپیہے کی کوک۔کویل کی ہوک۔جو کہ روحانی تفریح کے ساتھہ انسان کے دل پر اثر کرتی ہے اسکا بیان اسطرح نہین کرتے جسکے پڑہنے سے آنکھون مین سما چھا جاے میدان جنگ ہو تو زمین کے طبقون کو اُڑا کر آسمان مین تلپٹ کر دیتے ہین اور خون کے دریا ملکون سے ملکون مین بہا دیتے ہین۔مگر اپنے موقعہ پر وہ تاثیر جس سے ایک بہادر کی بہادری دیکھہ کر دلون مین قوم کی ہمدردی اور رفیق پر جان نثار کرنے کا ولولہ پیدا ہو۔وہ نہین۔

دوسرے کوچہ مین آکر علم کی تعریف پر اُترتے ہین تو اُسکی برکت سے پیر۔پیغمبر۔ملائک۔فرشتہ بنا دیتے ہین۔کاش اُس کے عوض مین چند ظاہر کھلے کھلے فائدے بیان کر دین جس سے ہر شخص کے دل مین اُس کا شوق پیدا ہو اور عالم جاہل سمجہ جاے کہ اگر بے علم رہون گا تو خواری و ذلت کی زندگی سے دین و دنیا دونون خراب ہون گے ہماری تصنیفات مین اس کا کچھہ ذکر ہی نہین اور افسوس کہ اب تک بھی ہم نے اُس پر توجہ نہین کی۔انگریزی مین بہت خیالات اور مضامین ایسے ہین کہ ہماری زبان نہین ادا

کر سکتی - یعنی جو لطف اُس کا انگریزی زبان میں ہے وہ اردو میں پورا ادا نہیں ہو سکتا - جو کہ حقیقت مین زبان کی ناطاقتی کا نتیجہ ہے اور یہ اہل زبان کے لئے نہایت شرم کا مقام ہے -

اگر شایستہ قومون کی انشاپردازی سوال کرے کہ اردو کی انشا کیون اس حالت مین مبتلا رہی ؟ تو حاضر جوابی فوراً بول اُٹھے گی کہ قوم کی انشاپردازی بموجب اس کے حالات کے ہوتی ہے اور خیالات اُسکے بموجب حالات ملک اور تربیت ملکی کے ہوتے ہین - جیسی ہندوستان کی تعلیم وشایستگی تھی اور بادشاہون اور امیرون کی قدردانی تھی - ویسی ہی انشاپردازی رہی - اور خاتمہ کلام اس فقرے پر ہوگا کہ کوئی پرندا اپنے بازؤن سے بڑھکر نہین مار سکتا - اُس کے بازو فارسی سنسکرت بھاشا وغیرہ تھے پھر اردو بیچاری انگلینڈ - یا روم - یا یونان کے محلون پر کیونکر جا بیٹھتی - مگر حقیقت مین عقدہ اس سوال کا ایک اور گرہ مین بند ہے - وہ یہ ہے کہ ہر ایک شے کی ترقی کسی ملک مین اُسی قدر زیادہ ہوتی ہے جس قدر شے مذکور کو سلطنت سے تعلق ہوتا ہے - یورپ کے ملکون مین قدیم سے دستور ہے کہ سلطنت کے اندرونی اور بیرونی زور قوم کی ذاتی اور علمی لیاقتون پر منحصر ہوتے تھے اور سلطنت کے کُل انتظام اور اُس کے سب قسم کے کاروبار انھین کے شمول اور انھین کی عرق ریزتدبیرون سے قرار پاتے تھے - یہ بھی ظاہر ہے کہ اُن کی تجویزون کی بنیاد علمی اور عقلی اور تاریخی تجربہ کے زورون پر قایم ہوتی تھی پھر لیاقت مذکور وہ بھی سیکڑون ہی مین منحصر نہین بلکہ ہزارون مین پھیلی ہوئی تھی - اس مین جہان اور مہمات سلطنت ہین وہان ایک یہ بھی تھا کہ ہر امر تنقیح طلب جلسہ عام کے اتفاق رائے سے تحریرون اور تقریرون مین فیصل ہوتا تھا موقع پر جب ایک شخص جلسہ عام مین استادہ ہو کر کوئی مطلب ادا کرتا تھا تو ادہر کی دنیا اُدہر ہو جاتی تھی پھر جب طرف ثانی اسکے مقابل مین جواب کی ترکی دیتا تھا تو مشرق کے آفتاب کو مغرب سے طلوع کر دیتا تھا اور آج تک بھی فقط تقریرون کے زور سے ہزارون لاکھون آدمیون کو متفق کر کے ایک رائے سے دوسری رائے پر پھیر لیتے ہین - خیال کرنا چاہئے کہ اُن کے بیان مین کیسی

طاقت اور زبان مین کیا کیا زور ہون گے برخلاف ہندوستان کے یہان کی زبان مین اگر ہوئے تو ایک بادشاہ کی خوش اقبالی مین چند شعرا کے دیوان ہوئے جو فقط تفریح طبع اور دلگی کا سامان ہے۔ کجا زمین کجا آسمان۔ نہ وہ جوہر پیدا ہوا نہ کسی نے اسکے پیدا کرنے کا ارادہ کیا۔

باوجود اس کے اُردو کی خوش اقبالی اور خوش رواجی قابل رشک ہے کیونکہ اسکی اصل تو برج بھاشا ہے جو اپنی بہار جوانی مین بھی فقط ایک ضلع مین لین دین کی زبان تھی۔ خود اُردو دلّی سے نکلی جس کا چراغ دلّی کی بادشاہت کے ساتھہ گل ہونا چاہیے تھا پھر بھی اگر بیچون بیچ ہندوستان مین کھڑے ہو کر آواز دین کہ اس ملک کی زبان کیا ہے تو جواب یہی سنین گے کہ اُردو اس کے ایک کنارے مثلاً پشاور سے چلو اوّل افغانی ہے اٹک اُترے تو پوٹھواری کچھ اور ہی کہتے ہین جہلم تک واہیے پر کشمیر پکار رہا ہے کہ یورولا یوروُلا یعنی ادہر آؤ بائین پر ملتان کہتا ہے کہ کتھے گہنیا یعنی کہان چلے آگے بڑھے تو وہ بولی ہے کہ پنجابی خاص اسیکو کہتے ہین۔ اسکے بائین پہاڑی ایسی زبان ہے کہ تحریر و تقریب سے الگ ہے ستلج اُترین تو پنجابیت کی کمی ہے لوگونکی وضع اور لباس مین بھی فرق شروع ہوتا ہے دلی پہونچے تو اور ہی سما بندھا ہوا ہے میرٹھ سے بڑھے تو علی گڈھ مین بھاشا سے ملا جلا پورب کا انداز شروع ہو گیا۔ کانپور۔ لکھنؤ سے الہ آباد تک یہی عالم ہے جنوب کو ہٹین تو مارواڑی ہو کر گجراتی اور دکھنی ہو جاتی ہے۔ پھر اوہر آئے تو آگے بنگالہ ہے۔ اور کلکتہ پہونچ کر تو عالم گوناگون خلق خدا اور ملک خدا ہے جس کا امتیاز حد اندازہ سے باہر ہے۔ میرے دوستو تم جانتے ہو کہ ہر شے کی اصلیت اور حسن و قبح کے واسطے ایک مقام ایسا ہوتا ہے جیسے سکّہ کے لئے ٹکسال کیا سبب ہے کہ ابتدا مین زبان کے لئے دلّی ٹکسال تھی؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ دار الخلافہ تھی۔ دربار مین خاندانی اُمرا اور امیرزادے خود صاحب علم ہوتے تھے۔ اُن کی مجلسین اہل علم اور اہل کمال کا مجمع ہوتی تھین جن کی برکت سے طبیعتین گویا ہر شے کے سلیقے اور شایستگی اور لطافت و ظرافت کا قالب ہو گئی تھین۔ اسیواسطے۔ گفتگو۔

لباس - ادب آداب نشست برخاست - بلکہ بات بات ایسی سنجیدہ او پسندیدہ ہوتی تھی کہ
خواہمخواہ سب کے دل قبول کرتے تھے - ہر شے کیلیے ہمیشہ نئی نئی تراش اور نئی نئی اصطلاحین اور ایجاد و اختراع
وہان سے ہوتے تھے اور چونکہ دارالخلافت مین شہر شہر کا آدمی موجود تھا - اس لئے وہ دلپذیر
ایجاد اور اصطلاحین ہر شہر مین جلد عام ہو جاتی تھین - چنانچہ بہادر شاہ سے پہلے تک دلّی ہر بات
کے لئے سند رہی اور انھین صفتون سے لکھنؤ نے بھی سند افتخار حاصل کی - لکھنؤ کو دیکھ کر سمجھ لو کہ
دل پسند ایجادون اور رنگین باتون کا ایجاد ہونا کسی شہر کے اینٹ پتھر کی تاثیر نہین ہے - ہان
شائستہ اور رنگین مزاج لوگ جہان جمع ہون گے اور دلپذیر باتون کے سامان موجود ہون گے
وہین سے وہ پھول کھلنے لگین گے چنانچہ وہی دلی کے لوگ اور اُنکی اولاد تھی کہ جب تباہی سلطنت
اور آبادی لکھنؤ کے سبب سے وہان پہونچے تو چند روز مین ویسی ہی نزاکتین وہان سے نکلنے
لگین - لکھنؤ دارالسلطنت ہو گیا اور اس کے ضمن مین زبان بھی دلی کی اطاعت سے آزاد ہو گئی
اس آزادی کی - ناسخ - آتش - ضمیر - خلیق وغیرہ اہل کمال نے بنیاد ڈالی اور انیس - دبیر - رند -
خواجہ وزیر اور سرور نے خاتمہ کر دیا - اُنھون نے زبان کو بڑی ترقی دی مگر اکثر اُن مین ایسے
ہوئے کہ جنگل کے صاف کرنے کو اُٹھے تھے مگر اُس مین دریا کا دہانہ لاڈالا یعنی صفائی زبان
کی جگہ لغات کی بوچھار کر دی - یہان تک کہ لکھنؤ کا ورق بھی زمانہ نے الٹ دیا - اب آفتاب
ہماری ملکہ آفاق کا نشان ہے - جسے حکم نہین کہ اُنکی قلمرو کے خط سے باہر حرکت کر سکے - ملکون اور
ریل گاڑیون نے پورب سے پچھم تک دوڑ کر بھانت بھانت کا جانور ایک پنجرے مین بند
کر دیا - دلی برباد - لکھنؤ ویران - دونون کے سندی اشخاص کچھ پیوند زمین ہو گئے کچھ دربدر
خاک بسر - اب جیسے اور شہر ویسے ہی لکھنؤ جیسے چھاؤنیون کے بازار ویسے ہی دلی بلکہ اُس سے
بھی بدتر - کوئی شہر ایسا نہین رہا جس کے لوگون کی زبان عموماً سند کے قابل ہو - کیونکہ شہر
مین ایسے چیدہ اور برگزیدہ اشخاص جتنے کہ وہ شہر قابل سند ہو صرف گنتی کے لوگ ہوتے
ہین اور وہ زمانہ کی صدہا سالہ محنتون کا نتیجہ ہوتے ہین - ان مین سے بہت مر گئے - کوئی بڈھا

جیسے خزان کا مارا پتا کسی درخت پر باقی ہے۔ اس بڈھے کی آواز کمیٹیون کے عل اور اخبارون کے نقارخانون مین سنائی بھی نہین دیتی۔ پس اب اگر دلّی کی زبان کو سند ہی سمجھین تو وہان کے ہر شخص کی زبان کیونکر سند ہی ہوسکتی ہے۔ ہوا کا رخ اور دریا کا بہاؤ کسی کے اختیار مین ہے نہ کسی کو معلوم ہے کہ کدہر پھیرے گا۔ اسلئے نہین کہہ سکتے کہ اب زبان کیا رنگ بدلے گی ہم بھی بیچارے ناخدا ہین۔ توکل بخدا کر بیٹھے ہین۔ زمانہ کے انقلابون کو رنگ چمن کی تبدیلی سمجھ کر دیکھتے ہین اور کہتے ہین آزاد۔ ع

قسمت مین جو لکھا تھا سو دیکھا ہے اب تلک
اور آگے دیکھیے ابھی کیا کیا ہین دیکھتے

انتخاب از نیرنگ خیال

شہرت عام اور بقاے دوام کا دربار

اے ملک فنا کے رہنے والو! دیکھو۔ اس دربار مین تمہارے مختلف فرقون کے عالی وقار جلوہ گر ہین۔ بہت سے حب الوطن کے شہید ہین جنہون نے اپنے ملک کے نام پر میدان جنگ مین جاکر جوانی خلعت پہنے۔ اکثر مصنف اور شاعر ہین جنہین اسی ہاتفِ غیبی کا خطاب زیبا ہے جس کے الہام سے وہ مطالبِ غیبی ادا کرتے رہے اور بے عیبی سے زندگی بسر کر گئے۔ ایسے زیرک اور دانا بھی ہین۔ جو بزم تحقیق کے صدر اور اپنے عہد کے باعث فخر ہے بہت سے نیک بخت نیکی کے رستے بتاتے رہے۔ جس سے ملکِ فنا مین بقا کی عمارت بناتے رہے +

بقاے دوام دو طرح کی ہے۔ ایک تو وہی جس طرح فی الحقیقت روح بعد مرنے کے رہ جائیگی۔ کہ اس کے لئے فنا نہین۔ دوسری وہ عالم یادگار کی بقا جس کی بدولت لوگ نام کی عمرسے جیتے ہین۔ اور شہرت دوام کی عمر پاتے ہین۔ حق یہ ہے۔ کہ اچھے سے اچھے اور بڑے سے بڑے کام جن جن سے ہوئے یا ثواب آخرت کے لئے یا دنیا کی ناموری اور شہرت کے لئے ہوئے۔ لیکن مین اس دربار مین انھین لوگون کو لاؤنگا۔ جنہون نے اپنی محنت ہاے

عرق فشانی کا صلہ اور عزم ہائے عظیمہ کا ثواب فقط دنیا کی شہرت اور ناموری کو سمجھا۔ اسواسطے جو لوگ دین کے بانی اور مذہب کے رہنما تھے۔ اُن کے نام شہرت کی فہرست سے نکال ڈالتا ہون۔ مگر بڑا فکر یہ ہے۔ کہ جن لوگون کا ذکر کرتا ہون۔ اُنکی حق تلفی نہ ہو جائے۔ کیونکہ جن بیچارون نے ساری جان فشانی اور عمر بھر کی محنتون کا اجر فقط نام کو سمجھا۔ اُنکے حصے مین کسی طرح کا نقص ڈالنا سخت ستم ہے۔ اسی لحاظ سے مجھے تمام مصنفین اور مورخین سے مدد مانگنی پڑی۔ چنانچہ اکثرون کا نہایت احسان مند ہون۔ کہ اُنھون نے ایسے ایسے لوگون کی ایک فہرست بنا کر عنایت کی۔ اور مجھے بھی کل دوپہر سے شام تک اسی کے مقابلے مین گزری۔ ناموران موصوف کے حالات ایسے دل پر چھائے ہوئے تھے۔ کہ انھون نے مجھے سوتے سوتے چونکا دیا مین اس عالم مین ایک خواب دیکھ رہا تھا۔ چونکہ بیان اس کا لطف سے خالی نہین۔ اس لئے عرض کرتا ہون۔

خواب مین دیکھتا ہون۔ کہ گویا مین ہوا کھانے چلا ہون۔ اور چلتے چلتے ایک میدان وسیع الفضا مین جا نکلا ہون جس کی وسعت اور دلفزائی میدان خیال سے بھی زیادہ ہے۔ دیکھتا ہون۔ کہ میدانِ مذکور مین اس قدر کثرت سے لوگ جمع ہین۔ کہ نہ انہین محاسبِ فکر شمار کر سکتا ہے۔ نہ قلم تحریر فہرست تیار کر سکتا ہے۔ اور جو لوگ اس مین جمع ہین۔ وہ غرض مند لوگ ہین۔ کہ اپنی اپنی کامیابی کی تدبیرون مین لگے ہوئے ہین۔ وہان ایک پہاڑ ہے جس کی چوٹی گوش سحاب سے سرگوشیان کر رہی ہے پہلو اس کے جس طرف سے دیکھو۔ ایسے سرپھوڑ اور سینہ توڑ ہین۔ کہ کسی مخلوق کے پاؤن نہین جمنے دیتے ہان حضرتِ انسان کے ناخن تدبیر کچھ کام کر جائین تو کر جائین۔ میرے دوستو! اس رستے کی دشواریون کو سرپھوڑ اور سینہ توڑ پہاڑون سے تشبیہ دے کر ہم خوش ہوتے ہین۔ مگر بڑی نامنصفی ہے۔ پتھر کی چھاتی اور لوہے کا کلیجہ کرلے۔ تو اُن بلاؤن کو جھیلے جن پر وہ مصیبتین گزرین۔ وہی جانین۔

یکایک قلۂ کوہ سے ایک شہنائی کی آواز آئی شروع ہوئی - یہ دلکش آواز سب کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی تھی - اس طرح کہ دل مین جان اور جان مین زندہ دلی پیدا ہوتی تھی - بلکہ خیال کو وسعت کے ساتھ ایسی رفعت دیتی تھی جس سے انسان مرتبۂ انسانیت سے بھی بڑھ کر قدم مارنے لگتا تھا - لیکن یہ عجب بات تھی - کہ اتنے انبوہ کثیر مین سے تھوڑے ہی اشخاص تھے جن کے کان اس کے سننے کی قابلیت یا اس کے نغمون کا مذاق رکھتے تھے -

ایک بات کے دیکھنے سے مجھے نہایت تعجب ہوا - اور وہ تعجب فوراً جاتا بھی رہا - یعنی دوسری طرف جو نظر جا پڑی - تو دیکھتا ہون - کہ کچھ خوبصورت خوبصورت عورتین ہین - اور بہت سے لوگ ان کے تماشائے جمال مین محو ہو رہے ہین - یہ عورتین پریون کا لباس پہنے ہین - مگر یہ بھی وہین چرچا سنا کہ درحقیقت نہ وہ پریان ہین نہ پری زاد عورتین ہین - کوئی ان مین غفلت کوئی عیاشی ہے - کوئی خود پسندی - کوئی بے پروائی ہے - جب کوئی ہمت والا ترقی کے رستے مین سفر کرتا ہے - تو یہ ضرور ملتی ہین - انھی مین پھنسکر اہل ترقی اپنے مقاصد سے محروم رہ جاتے ہین - ان پر درختون کے جھنڈ سایہ کئے تھے رنگ برنگ کے پھول کھلے تھے - گوناگون میوے جھوم رہے تھے طرح طرح کے جانور بول رہے تھے - نیچے قدرتی نہرین - اوپر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائین چل رہی تھین - وہین وہ دلکش فریب پریان پتھرون کی سلون پر پانی مین پاؤن لٹکائے بیٹھی تھین - اور آپس مین چھینٹے اڑا رہی تھین - مگر ایسے ایسے الجھاوے بلندئ کوہ کے ادھر ہی ادھر تھے یہ بھی صاف معلوم ہوتا تھا - کہ جو لوگ ان جعلی پریون کی طرف مائل ہین - وہ اگرچہ اقوام مختلفہ - عہدہائے متفرقہ - عمرہائے متفاوتہ رکھتے ہین - مگر وہی ہین جو حوصلے کے چھوٹے ہمت کے ہیٹے اور طبیعت کے پست ہین -

تفاوت

دوسری طرف دیکھا کہ جو بلند حوصلہ - صاحب ہمت - عالی طبیعت تھے - وہ ان سے

الگ ہوگئے۔ اور غول کے غول شہنائی کی آواز کی طرف بلندئے کوہ پر متوجہ ہوئے جس قدر یہ
لوگ آگے بڑھتے تھے۔ اُسی قدر وہ آواز کانون کو خوش آیندہ معلوم ہوتی تھی۔ مجھے ایسا معلوم
ہوا۔ کہ بہت سے چیدہ اور برگزیدہ اشخاص اس ارادے سے آگے بڑھے ہے کہ بلندئے کوہ پر
چڑھ جائین اور جس طرح ہو سکے۔ پاس جاکر اس نغمۂ آسمانی سے قوتِ روحانی حاصل کرین
چنانچہ سب لوگ کچھ کچھ چیزین اپنے اپنے ساتھ لینے لگے بمعلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا آگے
کے راستے کا سامان لے رہے ہین۔ سامان بھی ہر ایک کا الگ الگ تہا۔ کسی کے ہاتھ
مین شمشیر برہنہ علم تھی۔ ایک ہاتھ مین نشان تھا۔ کسی کے ہاتھ مین کاغذون کے اجزا
تھے۔ کسی کی بغل مین ایک کمپاس تھی۔ کوئی پنسلین لئے تھا۔ کوئی جہازی قطب نما
اور دوربین سنبھالے تھا۔ بعضون کے سر پر تاج شاہی دہرا تہا۔ بعضون کے تن پر
لباس جنگی آراستہ تھا۔ غرض کہ علم ریاضی اور جرِ ثقیل کا کوئی آلہ نہ تہا۔ جو اس وقت کام
مین نہ آرہا ہو۔ اسی عالم مین دیکھتا ہون۔ کہ ایک فرشتۂ رحمت میرے داہنے ہاتھ کی
طرف کھڑا ہے اور مجھے بھی اس بلندی کا شائق دیکھ کر کہتا ہے۔ کہ یہ سرگرمی اور گرم جوشی
تمھاری ہمین نہایت پسند ہے۔ اسنے یہ بھی صلاح دی۔ کہ ایک نقاب مُنہ پر ڈال لو۔ مین
نے بے تامل تعمیل کی۔ بعد اسکے گروہِ مذکور فرقے فرقے مین منقسم ہوگیا۔ کوہ مذکور پر
راستون کا شمار نہ تھا۔ سب نے ایک ایک راہ پکڑلی چنانچہ کچھ لوگون کو دیکھا کہ چھوٹی
چھوٹی گھاٹیون مین ہو لئے۔ وہ تھوڑی ہی دور چڑھے تھے۔ کہ اُن کا رستہ ختم ہوا۔ اور
وہ تھم گئے۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ ان پست ہمتون نے صنعتگری اور دستکاری کی راہ لی۔
تھی۔ کہ روپے کے بھوکے تھے۔ اور جلد محنت کا صلہ چاہتے تھے۔ مین اُن لوگون
کے پیچھے تھا۔ جنہون نے دلاورون اور جانبازون کے گروہ کو پیچھے چھوڑا تہا۔ اور خیال
کیا تھا۔ کہ چڑھائی کے رستے ہم نے پائے۔ مگر وہ رستے ایسے پیچ در پیچ اور درہم برہم
معلوم ہوئے کہ تھوڑا ہی آگے بڑھکر اسکے ہیر پھیر مین سرگردان ہوگئے ہر چند برابر قدم

مارے جاتے تھے - مگر جب دیکھا تو بہت کم آگے بڑھتے تھے - میرے فرشتۂ رحمت نے ہدایت
کی - کہ وہ وہی لوگ ہین جہان عقل صادق اور عزم کامل کام دیتا ہے - وہان چاہتے ہین
کہ فقط چالاکی سے کام کر جائین - بعضے ایسے بھی تھے - کہ بہت آگے بڑھ گئے تھے - مگر
ایک ہی قدم ایسا بے موقع پڑا - کہ جتنا گھنٹون مین بڑہے تھے - اُتنا دم بھر مین نیچے
آن پڑے - بلکہ بعضے ایسے ہو گئے کہ پھر چڑھنے کے قابل ہی نہ رہے - اُس سے وہ
لوگ مراد ہین جو مدد روزگار سے ترقیان حاصل کرتے چلے جاتے ہین - مگر کوئی ایسی حرکت
ناشائستہ کرتے ہین - کہ دفعتہً گر پڑتے ہین - اور آئندہ کے لئے بالکل اس سے
علاقہ ٹوٹ جاتا ہے -

ہم اتنے عرصے مین بہت اونچے چڑھ گئے اور معلوم ہوا - کہ جو چھوٹے بڑے رستے
پہاڑ کے نیچے سے چلتے ہین - اوپر آکر دو شاہ راہون سے ملتے ہین - چنانچہ وہان آکر
تمام صاحب ہمت دو گروہون مین منقسم ہو گئے - ان دونون شاہ راہون مین ذرا ذرا
آگے بڑھ کر ایک بھوت ڈراونی صورت ہیبت ناک مورت کھڑا تھا - کہ آگے جانے سے
روکتا تھا - ان مین سے ایک کے ہاتھ مین ایک درخت خاردار کا ٹہنا تھا - بھوت کا نام
دیو ہلاک تھا - اور کانٹے وہی ترقی کے مانع اور موت کے بھالے تھے - جو اُولو العزمون
کو راہ ترقی مین پیش آتے ہین - چنانچہ جو سامنے آتا تھا - ٹہنے کی مار منہ پر کھاتا تھا - دیو کی
شکل ایسی خونخوار تھی - گویا موت سامنے کھڑی ہے - ان کانٹون کی مار سے غول کے
غول اہل ہمت بھاگ کر پیچھے ہٹتے تھے - اور ڈر ڈر کر چلاتے تھے - کہ ہے ہے
موت! ہے ہے موت!!-

دوسرے رستے پر جو بھوت تھا - اس کا نام حسد تھا - پہلے بھوت کی طرح کچھ اسکے
ہاتھ مین نہین تھا - لیکن ڈراونی آواز اور بھونڈی صورت اور مکروہ و معیوب کلمے جو اس کی
زبان سے نکلتے تھے - اس لئے اس کا منہ ایسا برا معلوم ہوتا تھا - کہ اُسکی طرف دیکھا نہ جاتا تھا

اس کے سامنے ایک کیچڑ کا حوض بھرا تھا۔ کہ برابر چھینٹین اُڑا ئے جاتا تھا۔ اور ہر ایک سفید پوش کے کپڑے خراب کرتا تھا۔ جب یہ حال دیکھا۔ تو اکثر اشخاص ہم مین سے بیدل ہو کر رہ رہ گئے۔ اور بعضے اپنے یہان تک آنے پر کمال نادم ہوئے۔ میرا یہ حال تھا۔ کہ یہ خطرناک حالتین دیکھ دیکھ کر ہراسان ہوا جاتا تھا۔ اور قدم آگے نہ اُٹھتا تھا۔ اتنے مین اس شہنائی کی آواز اس تیزی کے ساتھ کان مین آئی۔ کہ بجھے ہوئے ارادے پھر چمک اُٹھے۔ جس قدر کہ دل زندہ ہوئے۔ اسی قدر خوف و ہراس خاک ہو ہو کر اڑتے گئے۔ چنانچہ بہت سے جانباز جو شمشیرین علم کئے ہوئے تھے۔ اس کڑک دمک سے قدم مارتے آگے بڑھے۔ گویا حریف میدان جنگ مانگتے ہین۔ یہان تک کہ جہان دیو کھڑا تھا۔ یہ اُس دہانے سے نکل گئے۔ اور وہ موت کے دانت نکالے دیکھتا رہ گیا۔ جو لوگ سنجیدہ مزاج اور طبیعت کے دھیمے تھے۔ وہ اس رستے پر پڑے۔ جدھر حسد کا بھوت کھڑا تھا۔ مگر اس آواز کے ذوق و شوق نے انہین بھی ایسا مست کیا۔ کہ گالیان کھاتے کیچڑ مین نہاتے مر پچ کر یہ بھی اسکی حد سے نکل گئے۔ جو کچھ رستے کی صعوبتین اور خرابیان تھین۔ وہ بھی ان بھوتون ہی تک تھین۔ آگے دیکھا۔ تو آفتون کی دسترس سے باہر ہین۔ اور راستہ بھی صاف اور ہموار۔ بلکہ ایسا خوشنما ہے۔ کہ مسافر جلد جلد آگے بڑھے اور ایک سپاٹے مین پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے اس میدان روح افزا مین پہنچتے ہی ایسی جان بخش اور روحانی ہوا چلنے لگی جس سے روح اور زندگی کی قوّت دوامی حاصل ہوتی تھی۔ تمام میدان جو نظر کے گرد و پیش دکھائی دیتا تھا اس کا رنگ کبھی نور سحر تھا اور کبھی شام و شفق جس سے قوس قزح کے رنگ مین کبھی شہرت عام اور کبھی بقاے دوام کے حروف عیان تھے۔ یہ نور و سرور کا عالم دلکو اسطرح تسلّی و تشفی دیتا تہا کہ خود بخود پچھلی محنتون کے غبار دل سے دہوئے جاتے تھے۔ اور اس مجمع عام مین امن و امان اور دلی آرام چھایا تھا۔ جس کا سرور لوگون کے چہرون سے پھولون کی شادابی ہو کر عیان تھا۔ ناگہان ایک ایوان عالیشان دکھائی دیا۔ کہ اُسکے

چارون طرف پھاٹک تھے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر دیکھا کہ پھولون کے تختے مین ایک پری حور شمائل چاندی کی کرسی پر بیٹھی ہے اور وہی شہنائی بجا رہی ہے جس کے میٹھے میٹھے سُرون نے اُن مشتاقون کے انبوہ کو یہان تک کھینچا تھا۔ پری اُن کی طرف دیکھ کر مسکراتی تھی۔ اور سُرون سے اب ایسی صدا آتی تھی۔ گویا آنے والون کو آفرین وشاباش دیتی ہے اور کہتی ہے کہ خیر مقدم! خیر مقدم! خوش آمدید! صفا آوردید! اس آواز سے یہ خدائی لشکر کئی فرقون مین منقسم ہو گیا۔ چنانچہ مؤرخون کا گروہ ایک دروازے پر استادہ ہوا۔ تاکہ صاحب مراتب اشخاص کو حسب مدارج ایوان جلوس مین داخل کرے۔ یکایک وہ شہنائی جس سے کبھی شوق انگیز وجوش خیز اور کبھی جنگی باجون کے سُر نکلتے تھے۔ اب اس سے ظفر یابی اور مبارکبادی کی صدا آنے لگی۔ تمام مکان گونج اٹھا۔ اور دروازے خود بخود کھل گئے۔

جو شخص سب سے پہلے آگے بڑھا معلوم ہوا کہ کوئی راجون کا راجہ مہاراجہ ہے۔ چاندکی روشنی چہرے کے گرد ہالہ کئے ہے۔ سر پر سورج کی کرن کا تاج ہے۔ اس کے استقلال کو دیکھ کر لنکا کا کوٹ پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ اس کی حق داری جنگل اور پہاڑون کے حیوانون کو جان نثاری مین حاضر کرتی ہے تمام دیوی دیوتا دامنون کے سائے مین لئے آتے ہین۔ فرقے فرقے کے علما اور مؤرخ اُسے دیکھتے ہی شاہانہ طور سے لینے کو بڑھے۔ اور وہ بھی متانت اور انکسار کے ساتھ سب سے پیش آیا۔ مگر ایک شخص کُہن سالہ رنگت کا کالا ایک پوتھی بغل مین لئے ہندوؤن کے غول سے نکلا اور بہ آواز بلند چلایا کہ آنکھون والو کچھ خبر ہے؟ دیکھو دیکھو ترتیب کے سلسلے کو برہم نہ کرو اور نرنکار کے نور کو اجسام خاک مین نہ ملاؤ۔ یہ کہہ کر آگے بڑھا اور اپنی پوتھی نذر گزرانی۔ اُسنے نذر قبول کی اور نہایت خوشی سے اسکے لینے کو ہاتھ بڑھایا۔ تو معلوم ہوا کہ اسکا ہاتھ بھی فقط سورج کی کرن تھا۔ سب ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ کوئی کچھ سمجھا

کوئی کچھ سمجھا۔ اس وقت ایک بمان یعنی تخت ہوادار آیا۔ وہ اُس پر سوار ہوکر آسمان کو اڑ گیا۔ معلوم ہوا کہ یہ رامچندر جی ہین۔ اور یہ **والمیک** ہے۔ جس نے راماین نذر دی۔

سب لوگ ابھی والمیک کی ہدایت کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ کہ اتنے مین ایک اور آمد آمد ہوئی۔ دیکھا کہ ایک تخت طلسمات کو بتیس پریان اڑائے لیئے آتی ہین۔ اُس پر ایک اور راجہ بیٹھا ہے۔ مگر نہایت دیرینہ سال اُسے فرقے فرقے کے علما اور مورخ لینے کو نکلے۔ مگر پنڈت اور مہاجن لوگ بہت بیقراری سے دوڑے۔ معلوم ہوا کہ راجہ تو مہاراجہ بکرماجیت تھے اور تخت سنگھاسن بتیسی۔ پریان اتنی بات کہ کر ہوا ہوگئین۔ کہ جب تک سورج کا سونا اور چاند کی چاندی چمکتی ہے۔ نہ آپ کا سنہ ہٹیگا نہ سکہ مٹیگا۔ برہمنون اور پنڈتون نے تصدیق کی اور انہین لے جا کر ایک مسند پر بٹھا دیا۔

ایک راجہ کے آنے پر لوگون مین کچھ قیل وقال ہوئی۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا۔ کہ اپنے دو مصاحبون کو بھی ساتھ لے جائے اور ارکین دربار کہتے تھے کہ یہان تمکنت اور غرور کا گزارا نہین۔ اتنے مین وہی بتیس پریان پھر آئین چنانچہ ان کی سفارش سے اُسے بھی لے گئے جس وقت راجہ نے مسند پر قدم رکھا۔ ایک پنڈت آیا۔ دونو ہاتھ اٹھا کر اشیرباد دی۔ اور بقاے دوام کا تاج سر پر رکھ دیا جس مین ہیرے اور پنے کے نودانے ستارون پر آنکھ مار رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ راجہ **بھوج** تھے۔ اور بتیس پریون کا جھرمٹ وہی کتاب سنگھاسن بتیسی تھی جو اُن کے عہد مین تصنیف ہوئی۔ اور جس نے تاج سر پر رکھا وہ کالیداس شاعر تھا جس نے اُن کے عہد مین نو کتابین لکھ کر فصاحت وبلاغت کو زندگے جاوید بخشی ہے۔ اس طرف تو برابر یہی کاروبار جاری تھے۔ اتنے مین معلوم ہوا کہ دوسرے دروازے سے بھی داخلہ شروع ہوا۔ مین اس طرف متوجہ ہوا۔ دیکھتا ہون۔ کہ وہ کمرہ بھی فرش وفروش جھاڑ وفانوس سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ ایک جوان

پہلے پکڑ ہاتھ مین گرز گاؤ سر۔ نشائے شجاعت مین مست جھومتا جھامتا چلا آتا ہے۔ جہان قدم رکھتا ہے۔ ٹخنون تک زمین مین ڈوب جاتا ہے۔ گرد اس کے شاہان کیانی اور پہلوانان ایرانی موجود ہین۔ کہ درفش کاویانی کے سایۂ بے زوال مین لئے آتے ہین۔ حب قوم اور حب وطن اس کے دائین بائین پھول برساتے تھے۔ اسکی نگاہون سے شجاعت کا خون ٹپکتا تہا۔ اور سر پر کلۂ شیر کا خود فولادی دہرا تھا مؤرخ اور شعرا اس کے انتظار مین دروازے پر کھڑے تھے سب نے اُسے بچشم تعظیم دیکھا۔ انہی مین سے ایک پیرمرد دیرینہ سال جس کے چہرے سے مایوسی اور ناکامی کے آثار آشکارا تھے۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ اور ایک کرسی پر بٹھایا جسے بجائے پایون کے چار شیر کندہون پر اٹھائے کھڑے تھے۔ پھر پیرمرد نے اہل مجلس کیطرف متوجہ ہوکر چند اشعار نہایت زور کے پڑہے نہین بلکہ اس کے کارنامون کی تصویر صفحۂ ہستی پر ایسے رنگ سے کھینچی جو قیامت تک رہے گی۔ بہادر پہلوان نے اُٹھ کر اسکا شکریہ ادا کیا۔ اور گل فردوس کا ایک طرّہ اس کے سر پر آویزان کر کے دعا کی کہ الٰہی یہ بھی قیامت تک شگفتہ و شاداب رہے تمام اہل محفل نے آمین کہی۔

معلوم ہوا کہ وہ بہادر ایران کا حامی شیر سیستانی۔ رستم پہلوان ہے۔ اور کہن سال مایوس **فردوسی** ہے۔ جو شاہنامہ لکھ کر اُس کے انعام سے محروم رہا۔

بعد اس کے ایک نوجوان آگے بڑھا جسکا حسن شباب نوخیز اور دل بہادری اور شجاعت سے لبریز تھا۔ سر پر تاج شاہی تہا۔ مگر اس سے ایرانی پہلوانی پہلو چرا تی تھی ساتھ اسکے حکمت یونانی سر پر چتر لگائے تھی۔ مین نے لوگون سے پوچھا۔ مگر سب اُسے دیکھ کر ایسے محو ہوئے۔ کہ کسی نے جواب نہ دیا۔ بہت سے مؤرخ اور محقق اس کے لینے کو بڑہے۔ مگر سب ناواقف تھے۔ وہ اس تخت کی طرف لے چلے۔ جو کہانیون اور افسانون کے نامورون کے لئے تیار ہوا تھا۔ چنانچہ ایک شخص جس کی وضع اور لباس سب سے

علیحدہ تھا ایک انبوہ کو چیر کر نکلا۔ وہ کوئی یونانی مورخ تھا۔ اس نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اندر لے جا کر سب سے پہلی کرسی پر بٹھا دیا۔ فرشتۂ رحمت نے میرے کان مین کہا۔ کہ تم اس گوشے کی طرف آجاؤ۔ کہ تمہاری نظر سب پر پڑے اور تمہین کوئی نہ دیکھے۔ یہ سکندر یونانی ہے۔ جس کے کارنامے لوگون نے کہانی اور افسانے بنا دیے ہین۔

اس کے پیچھے پیچھے ایک بادشاہ آیا کہ سر پر کلاہ کیانی اور اس پر درفش کاویانی جھومتا تھا۔ مگر پھریرا علم کا پارہ پارہ ہو رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس طرح آتا تھا۔ کہ گویا اپنے زخم کو بچائے ہوئے آتا ہے۔ رنگ زرد تھا۔ اور شرم سے سر جھکائے تھا جب وہ آیا۔ تو سکندر بڑی عظمت کے ساتھ استقبال کو اٹھا اور اپنے برابر بٹھایا۔ باوجود اسکے جس قدر سکندر زیادہ تعظیم کرتا تھا۔ اس کی شرمندگی زیادہ ہوتی تھی وہ دارا بادشاہ ایران تھا۔

دفعتہً سکندر نے آواز دی۔ انہین لاؤ۔ جو شخص داخل ہوا۔ وہ ایک پیر مرد بزرگ صورت تھا۔ کہ مقیشی داڑہی کے ساتھ بڑھاپے کے نور نے اس کے چہرے کو روشن کیا تھا۔ ہاتھ مین عصائے پیری تھا۔ جس وقت وہ آیا۔ سکندر خود اٹھا اسکا ہاتھ پکڑ کر لایا۔ اپنے برابر کرسی پر بٹھایا۔ اور پانچ لڑی کا سہرا اس کے سر پر باندہا معلوم ہوا۔ کہ یہ نظامی گنجوی ہین۔ اور اس سہرے مین خمسے کے مضامین سے پھول پروئے ہوئے ہین۔ سکندر پھر اٹھا اور تھوڑا سا پانی اس پر چھڑک کر کہا۔ اب یہ کبھی نہ کملائینگے۔

بعد اس کے جو شخص آیا۔ اگرچہ وہ سادہ وضع تھا۔ مگر قیافہ روشن اور چہرہ فرحت روحانی سے شگفتہ نظر آتا تھا۔ جو لوگ اب تک آ چکے تھے۔ ان سب سے زیادہ عالی رتبے کے لوگ اسکے ساتھ تھے۔ اس کے داہنے ہاتھ پر **افلاطون** تھا اور بائین پر **جالینوس**۔ اس کا نام **سقراط** تھا چنانچہ وہ بھی ایک مسند پر بیٹھ گیا۔ لوگ ایسا خیال کرتے تھے۔ کہ **ارسطو** اپنے استاد یعنی **افلاطون** سے دوسرے درجے پر بیٹھے گا۔ مگر اس مقدمے پر کچھ اشخاص تکرار کرتے نظر آئے۔ کہ ان کا سرگروہ

خود ارسطو تھا۔ اس منطقی زبردست نے کچھ شوخی اور کچھ سینہ زوری سے مگر دلائل زبردست اور براہین معقول کے ساتھ سب اہل محفل کو قائل کر لیا۔ کہ یہ مسند میرا ہی حق ہے۔ اور یہ کہ کر اوّل سکندر کو آئینہ دکھایا۔ پھر نظامی کو سلام کر کے بیٹھ ہی گیا۔

ایک گروہ کثیر بادشاہون کی ذیل مین آیا۔ سب جبّہ و عمامہ اور طبل و دمامہ رکھتے تھے۔ مگر باہر روکے گئے۔ کیونکہ ہر چند ان کے جبّے دامن قیامت سے دامن باندے تھے اور عمامے گنبد فلک کا نمونہ تھے۔ مگر اکثر اُن مین طبل تہی کی طرح اندر سے خالی تھے چنانچہ دو شخص اندر آنے کے لئے منتخب ہوئے۔ اُن کے ساتھ ایک انبوہ کثیر علما و فضلا کا ہو لیا تعجب یہ ہے کہ روم و یونان کے فلسفی ٹوپیان اُتارے ان کے ساتھ تھے۔ بلکہ چند ہندو بھی تقویم کے پترے لئے اشیرباد کہتے آتے تھے۔ پہلا بادشاہ اُن مین ہارون رشید اور دوسرا مامون رشید تھا۔

تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک اور تاجدار سامنے سے نمودار ہوا۔ ولایتی استخوان اور ولایتی لباس تھا اور جامہ خون سے قلمکار تھا۔ ہندوستان کے بہت سے گران بہا زیور اُس کے پاس تھے۔ مگر چونکہ ناواقف تھا۔ اس لئے کچھ زیور ہاتھ مین لئے تھا۔ کچھ کندھے پر پڑے تھے۔ ہر چند یہ جواہرات اپنی آبداری سے پانی ٹپکاتے تھے۔ مگر جہان قدم رکھتا تھا۔ بجائے غبار کے آہون کے ساتھ دھوئین اُٹھتے تھے۔ وہ محمود غزنوی تھا۔ بہت سے مصنف اُسکے استقبال کو بڑھے۔ مگر وہ کسی اور کا منتظر اور مشتاق معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک نوجوان حور شمائل آیا۔ اور فردوسی کا ہاتھ پکڑ کر محمود کے سامنے لے گیا۔ محمود نے نہایت اشتیاق اور شکر گذاری سے اُس کا ہاتھ پکڑا۔ اگرچہ برابر بیٹھ گئے۔ مگر دونو کی آنکھین شرم سے جھک گئین۔ نوجوان ایک عجیب ناز و انداز سے مسکرایا اور چلا گیا۔ وہ ایاز تھا۔

اسی عرصے مین ایک اور شخص آیا۔ کہ لباس اہل اسلام کا رکھتا تھا۔ مگر چال ڈھال

یونانیون سے ملاتا تھا - اسکے داخل ہونے پر شعرا تو الگ ہو گئے - مگر تمام علما اور فضلا مین
تکرار اور قیل وقال کا غل ہوا - اس سینہ زور نے سب کو پیچھے چھوڑا اور ارسطو کے مقابل
مین ایک کرسی بچھی تھی - اس پر آکر بیٹھ گیا - وہ بو علی سینا تھا -

ایک انبوہ کثیر ایرانی تورانی لوگون کا دیکھا - کہ سب معقول اور خوش وضع لوگ
تھے - مگر انداز ہر ایک کے جدا جدا تھے - بعض کے ہاتھون مین اجزا اور بعض کی بغل
مین کتاب تھی - کہ اوراق ان کے نقش و نگار سے گلزار تھے - وہ دعوی کرتے تھے
کہ ہم معانی و مضامین کے مصور ہین - ان کے باب مین بڑی تکرارین ہوئین - آخر یہ
جواب ملا کہ تم مصور بے شک اچھے ہو - مگر بے اصل اور غیر حقیقی اشیا کے مصور ہو تمھاری
تصویرون مین اصلیت اور واقعیت کا رنگ نہین - البتہ انتخاب ہو سکتا ہے - یہ لوگ
فارسی زبان کے شاعر تھے - چنانچہ **انوری** - **خاقانی** - **ظہیر فاریابی** وغیرہ چند
اشخاص منتخب ہو کر اندر آئے - باقی سب نکالے گئے - ایک شاعر کے کان پر قلم دھرا
تھا - اس مین سے آب حیات کی بوندین ٹپکتی تھین - مگر کبھی کبھی اس مین سے سانپ
کی زبانین لہراتی نظر آتی تھین - اس لئے اس پر پھر تکرار ہوئی - اسنے کہا بادشاہون
کو خدا نے اعدا کے لئے تلوار دی ہے - مگر ملک مضامین کے حاکم سوائے قلم کے کوئی حربہ
نہین رکھتے - اگر چند بوندین زہر آب کی بھی نہ رکھین - تو اعدائے بد نہاد ہمارے خون
عزت کے بہانے سے کب چوکین چنانچہ یہ عذر اس کا قبول ہوا - یہ **انوری** تھا جو باوجود
کمال غشائی فصاحت کے بعض موقع پر اس قدر ہجو کرتا تھا کہ کان اس کے سننے کی تاب
نہین رکھتے -

خاقانی پر اس معاملے مین اسکے استاد کی طرف سے دعوی پیش ہوئے -
چونکہ اس کی بنیاد خانگی نزاع پر تھی - اس لئے وہ بھی اس کی کرسی نشینی مین خلل انداز
نہ ہو سکا -

اسی عرصے مین چنگیز خان آیا۔ اس کے لئے گو علما اور شعرا مین سے کوئی آگے نہ بڑھا۔ بلکہ جب اندر لائے۔ تو خاندانی بادشاہون نے اُسے چشم حقارت سے دیکھ کر تبسم کیا۔ البتہ مورخون کے گروہ نے بڑی دہوم دھام کی جب کسی کی زبان سے نسب نامہ کا لفظ نکلا۔ تو اس نے فوراً شمشیر جوہردار سند کے طور پر پیش کی جس پر خونی حرفون سے رقم تھا سلطنت مین میراث نہین چلتی۔ علما نے غل مچایا کہ جس کے کپڑون سے لہو کی بو آئے وہ قصاب ہے۔ بادشاہون مین اس کا کام نہین۔ شعرا نے کہا کہ جس تصویر کے رنگ مین ہمارے قلم یا مصوران تصانیف کی تحریر نے رنگِ بقانہ ڈالا ہو۔ اُسے اس دربار مین نہ آنے دینگے۔ اس بات پر اُس نے بھی تامل کیا اور متاسف معلوم ہوتا تھا۔ اسوقت ہاتف نے آواز دی۔ کہ اے چنگیز جس طرح ملک و شمشیر کے جوش کو قوم کے خون مین حرکت دی۔ اگر علوم و فنون کا بھی خیال کرتا۔ تو آج قومی ہمدردی کی بدولت ایسی ناکامی نہ اُٹھاتا۔ اتنے مین چند مورخ آگے بڑھے۔ اُنہون نے کچھ ورق دکھائے۔ کہ ان مین طورہ چنگیز خانی یعنی اسکے ملکی انتظام کے قواعد لکھے تھے۔ آخر قرار پایا۔ کہ اُسے دربار مین جگہ دو۔ مگر ان کاغذون پر کچھ لہو کے چھینٹے دو۔ اور ایک سیاہی کا داغ لگا دو۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی۔ کہ ایک جوان اسی شکوہ و شان کا اور آیا۔ اسکا نام ہلاکو خان تھا۔ اس کے لئے چند علما نے بھی مورخون کا ساتھ دیا۔ جس وقت اندر لائے تو اُس کے لئے بھی تکرارون کا غل ہوا چاہتا تھا۔ مگر ایک مرد بزرگ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھایا جس کی وضع متشرع عالمون کی تھی۔ لیکن کمر مین ایک طرف اصطرلاب۔ دوسری طرف کچھ اقلیدس کی شکلین لٹکتی تھین۔ بغل مین فلسفہ اور حکمت کے چند اجزا تھے۔ اُن کا نام محقق طوسی تھا۔ چنانچہ انہین دیکھ کر کوئی بول نہ سکا۔ اُسے تو بادشاہون کی صف مین جگہ مل گئی۔ محقق کو شیخ بو علی سینا نے یہ کہ کر پاس بٹھا لیا کہ آپ نے میری کلاہ شہرت مین بقاے دوام کے آبدار موتی ٹانکے شکریہ ادا کرتا ہون۔

تھوڑی دیر نہ گذری تھی - کہ **امیر تیمور** کی نوبت آئی - بہت سے مؤرّخوں نے اسکے لانے کی التجا کی - مگر وہ سب کو دروازے پر چھوڑ گیا اور اپنا آپ رہبر ہوا - کیونکہ وہ خود مورّخ تھا - رستہ جانتا تھا - اور اپنا مقام پہچانتا تھا - لنگڑاتا ہوا گیا - اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا - **تیمور** کرسی پر بیٹھتے ہی تلوار ٹیک کر اٹھ کھڑا ہوا - اور کہا - اے اہل تصنیف مین تم سے سوال کرتا ہون کہ ہماری شمشیر کے عوض جو خدا نے تمھین قلم تحریر دیا ہے - اُسے اظہار واقعیت اور خلائق کی عبرت اور نصیحت کے لئے کام مین لانا چاہئے - یا اغراض نفسانی اور بدزبانی مین؟ تمام مؤرّخ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے - کہ یہ کس پر اشارہ ہے - **تیمور** نے **ابن عرب شاہ** کے بلانے کو ایما فرمایا - معلوم ہوا کہ وہ کہین پیچھے رہ گیا - چنانچہ اس کا نام مصنفون کی فہرست سے نکالا گیا -

اسی حال مین دیکھتے ہین - کہ ایک بزرگ آزاد وضع - قطع تعلق کا لباس بر مین خاکساری کا عمامہ سر پر آہستہ آہستہ چلے آتے ہین - تمام علما و صلحا - مورّخ اور شاعر سر جھکائے اُنکے ساتھ ہین - وہ دروازے پر آکر ٹھیرے سب نے آگے بڑھنے کی التجا کی - تو کہا - معذور رکھو - میرا ایسے مقدمون مین کیا کام ہے - اور فی الحقیقت وہ معذور رکھے جاتے - اگر تمام اہل دربار کا شوق طلب اُن کے انکار پر غالب نہ آتا - وہ اندر آئے - ایک طلسمات کا شیشۂ مینائی اُن کے ہاتھ مین تھا - کہ اُس مین کسی کو دود - کسی کو شربت کسی کو شراب شیرازی نظر آتی تھی - ہر ایک کرسی نشین انھین اپنے پاس بٹھانا چاہتا تھا - مگر وہ اپنی وضع کے خلاف سمجھ کر کہین نہ بیٹھے - فقط اس سرے سے اُس سرے تک ایک گردش کی اور چلے گئے - وہ حافظ شیراز تھے - اور شیشۂ مینائی اُن کا دیوان تھا جو فلک مینائی کے دامن سے دامن باندھے ہے - لوگ اور کرسی نشین کے مشتاق تھے - کہ دور سے دیکھا بےشمار لڑکون کا غول غل مچاتا چلا آتا ہے - بیچ مین اسکے ایک پیر مرد نورانی صورت جس کی سفید ڈاڑھی مین شگفتہ مزاجی نے کنگھی کی تھی - اور خندہ

جبینی نے ایک طرہ سر پر آویزان کیا تہا۔ اُسکے ایک ہاتھہ مین گلدستہ۔ دوسرے مین ایک میوہ دار ٹہنی پہلون پہولون سے ہری بھری تھی۔ اگرچہ مختلف فرقون کے لوگ تہے۔ جو باہر استقبال کو کھڑے تھے۔ مگر انہین دیکھ کر سب نے قدم آگے بڑھائے کیونکہ ایسا کون تہا جو شیخ سعدی اور اُن کی گلستان بوستان کو نہ جانتا تہا۔ انہون نے کمرے کے اندر قدم رکھتے ہی سعدؔ زنگی کو پوچھا۔ اس بچارے کو ایسے دربارون مین بار بھی نہ تھی۔ لیکن اور کرسی نشین کہ اکثر اُن سے واقف تہے۔ اور اکثر اشتیاق غائبانہ رکھتے تھے۔ وہ اُن کے مشتاق معلوم ہوئے باوجود اس کے یہ ہنسے اور اتنا کہ کر اپنے لڑکون سے کے لشکر مین چلے گئے۔ دنیا دیکھنے کے لئے ہے۔ برتنے کیلئے نہین۔ بعد اسکے دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک **الو العزم** شخص آیا جس کے چہرے سے خودسری کا رنگ چمکتا تہا۔ اور سینہ زوری کا جوش بازوؤن مین بل مار رہا تھا۔ اس کے آنے پر تکرار ہوئی۔ اور مقدمہ یہ تہا کہ اگر علما کی نہین۔ تو مورخون کی کوئی خاص سند ضرور چاہیے۔ بلکہ چغتائی خاندان کے مورّخ صاف اسکی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اسنے باوجود اس کے ایک کرسی جس پر تیموری تمغا بھی لگا تہا۔ گھسیٹ لی۔ اور بیٹہہ گیا **ہمایون** اُسے دیکھ کر شرمایا اور سر جھکا لیا مگر تاج شاہی بر انداز کج کلاہی کو بڑھا کر بیٹہا اور کہا۔ کہ بے حق بے استقلال ہے۔ اسنے ڈاڑہی پر ہاتہہ پہیر کر کہا کہ مجھے اتنا فخر کافی ہے کہ میرے دشمن کی اولاد میرے رستے پر قدم بقدم چلے گی اور فخر کریگی ۔ یہ شیر شاہ سوری تھا

تہوڑی دیر کے بعد ایک خورشید کلاہ آیا۔ جس کو انبوہ کثیر۔ ایرانی۔ تورانی۔ ہندوستانیون کے فرقہاے مختلفہ کا بیچ مین لئے آتا تہا۔ وہ جب وقت آیا تمام اہل دربار کی نگاہین اسکی طرف اُٹھین اور رضامندیٔ عام کی ہوا چلی۔ تعجب یہ ہے۔ کہ اکثر مسلمان اس کو مسلمان سمجھتے تہے۔ ہندو اُسے ہندو جانتے تہے۔ آتش پرستون

کو آتش پرست دکھائی دے رہا تھا۔ نصارے اُس کو نصارے سمجھتے تھے۔ مگر اُسکے تاج پر تمام سنسکرت کے حروف لکھے تھے۔ اُسنے اپنے بعض ہم قوموں اور ہم مذہبوں کی شکایت کرکے بداونی پر خون کا دعویٰ کیا۔ کہ اُس نے میری حیات جاودانی کو خاک مین ملانا چاہا تہا۔ اور وہ فتحیاب ہوتا۔ اگرچہ مصحف مصنفون کے ساتھہ ابوالفضل اور فیضی کی تصنیف میری مسیحائی نہ کرتی۔ سب نے کہا نیت کا پھل ہے۔

اسکے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تہا۔ وہ خود مخمور نشے مین چور تھا۔ ایک عورت صاحبِ جمال اس کا ہاتھ پکڑے آتی تہی۔ اور جدہر چاہتی تھی۔ پھراتی تھی۔ وہ جو کچھ دیکھتا تہا اُس کے نورجمال سے دیکھتا تہا۔ اور جو کچھ کہتا تہا۔ اُسی کی زبان سے کہتا تہا۔ اُس پر بھی ہاتھہ مین ایک جزو کاغذون کا تہا۔ اور کان پر قلم دہرا تہا۔ یہ سانگ دیکھ کر سب مُسکرائے۔ مگر چونکہ دولت اسکے ساتھہ ساتھہ تھی۔ اور اقبال آگے آگے اہتمام کرتا آتا تھا۔ اس لئے بدست بھی نہ ہوتا تھا۔ جب نشے سے آنکھ کھُلتی تھی۔ تو کچھ لکھ بھی لیتا تھا۔ وہ جہانگیر تہا۔ اور بیگم نورجہان تھی۔ شاہ جہان بڑے جاہ وجلال سے آیا۔ بہت سے مورخ اس کے ساتھہ کتابین بغل مین لئے تھے اور شاعر اسکے آگے آگے قصیدے پڑہتے آتے تھے۔ میر عمارت اُن عمارتون کے فوٹوگراف ہاتھہ مین لئے تھے۔ جو اسکے نام کے کتابے دکھاتی تھین۔ اور سیکڑون برس کی راہ تک اُسکا نام روشن دکھاتی تھین۔ اس کے آنے پر رضامندئے عام کا غلغلہ بلند ہوا چاہتا تہا۔ مگر ایک نوجوان آنکھون سے اندھا چند بچون کو ساتھہ لئے آیا کہ اپنی آنکھون کا اور بچّون کے خون کا دعویٰ کرتا تہا۔ یہ شہریار شاہجہان کا چھوٹا بھائی تھا۔ اور بچّے اُس کے بھتیجے تھے۔ اُس وقت وزیر اس کا آگے بڑھا اور کہا۔ کہ جو کیا گیا بدنیتی اور خودغرضی سے نہین کیا۔ بلکہ خلقِ خدا کی امنیت اور ملک کا انتظام قایم رکھنے کو کیا۔ بہرحال اُسے دربار مین جگہ ملی۔ اور سلاطین چغتائیہ کے سلسلے مین معزز درجے

پر ممتاز ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد دور سے گانے بجانے کی آواز آئی۔ اور بعد اُس کے ایک بادشاہ آیا۔ اس کی وضع ہندوستانی تھی مصنّفوں اور مورّخوں میں سے کوئی اُس کے ساتھ نہ تھا البتہ چند اشخاص تھے۔ کہ کوئی ان میں گویّا اور کوئی بھانڈ۔ کوئی مسخرا نظر آتا تھا۔ یہ سب گھبرائے ہوئے آتے تھے۔ کیونکہ ایک ولایتی دلاور اُن کے پیچھے پیچھے شمشیر برہنہ علم کئے تھا۔ اس کی صفھانی تلوار سے لہو کی بوندیں ٹپکتی تھیں۔ مخمل رومی کی کلاہ تھی۔ جس پر ہندوستان کا تاج شاہی نصب تھا۔ اور اسب بخارائی زیر ران تھا۔ وہ ہندوستانی وضع بادشاہ **محمد شاہ** تھا۔ اُسے دیکھتے ہی سب نے کہا کہ نکالو۔ نکالو۔ ان کا یہاں کچھ کام نہیں۔ چنانچہ وہ فوراً دوسرے دروازے سے نکالے گئے ولایتی مذکور **نادر شاہ** تھا جس نے سرحدّ روم سے بخارا تک فتح کر کے تاج ہندوستان سر پر رکھا تھا۔ اُسے **چنگیز خان** کے پاس جگہ مل گئی۔

تھوڑی دیر ہوئی تھی جو ایک غول ہندوستانیوں کا پیدا ہوا۔ ان لوگوں میں کوئی مرقع بغل میں دبائے تھا۔ کوئی گلدستہ ہاتھ میں لئے تھا۔ انہیں دیکھ دیکھ کر آپ ہی آپ خوش ہوتے تھے۔ اور وجد کر کے اپنے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ ہندوستانی شاعر تھے۔ چنانچہ چند اشخاص انتخاب ہوئے۔ ان میں ایک شخص دیکھا۔ کہ جب بات کرتا تھا۔ اُسکے منہ سے رنگا رنگ کے پھول جھڑتے تھے۔ لوگ ساتھ ساتھ دامن پھیلائے تھے مگر بعض پھولوں میں کانٹے ایسے ہوتے تھے۔ کہ لوگوں کے کپڑے پھٹے جاتے تھے۔ پھر بھی مشتاق زمین پر گرنے نہ دیتے تھے۔ کوئی نہ کوئی اٹھا ہی لیتا تھا۔ وہ **میرزا رفیع سودا** تھے۔

میر بدماغی اور بے پروائی سے آنکھ اوٹھا کر نہ دیکھتے تھے۔ شعر پڑھتے تھے۔ اور منہ پھیر لیتے تھے **درد** کی آواز دردناک دنیا کی بے بقائی سے جی بیزار کئے دیتی تھی

میر حسن اپنی سحر بیانی سے پرستان کی تصویر کھینچتے تھے میر انشاء اللہ خان قدم قدم پر نیا بہروپ دکھاتے تھے دم مین عالم ذی وقار۔ متقی پرہیز گار۔ دم مین ڈاڑھی چٹ بھنگ کا سونٹا لندھے پر۔

جرأت کو اگرچہ کوئی خاطر مین نہ لاتا تھا۔ مگر جب وہ میٹھی آواز سے ایک تان اڑاتا تھا۔ تو سب کے سر ہل ہی جاتے تھے ناسخ کی گلکاری چشم آشنا معلوم ہوتی تھی۔ اور اکثر جگہ قلمکاری اس کی عینک کی محتاج تھی۔ مگر آتش کی آتش زبانی اسے جلائے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ مومن کم سخن تھے۔ مگر جب کچھہ کہتے تھے جرأت کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔

ایک پیر مرد دیرینہ سال محمد شاہی دربار کا لباس۔ جامہ پہنے کھڑکی دار پگڑی باندھے جریب ٹیکتے آتے تھے۔ مگر ایک لکھنؤ کے بانکے پیچھے پیچھے گالیان دیتے تھے۔ بانکے صاحب ضرور ان کے دست گریبان ہو جاتے لیکن چار خاکسار اور پانچوان تاجدار انکے ساتھہ تھا۔ یہ بچا لیتے تھے۔ بڈھے میر امن دہلوی چار درویش کے مصنف تھے۔ اور بانکے صاحب میرزا سرور فسانۂ عجائب والے تھے۔ ذوق کے آنے پر پسند عام کے عطر سے دربار مہک گیا۔ انھون نے اندر آکر شاگردانہ طور پر سب کو سلام کیا۔ سودا نے اٹھ کر ملک الشعرائی کا تاج اُن کے سر پر رکھہ دیا۔ غالب اگرچہ سب سے پیچھے تھے۔ پر کسی سے نیچے نہ تھے۔ بڑی دھوم دھام سے آئے۔ اور ایک نقارہ اس زور سے بجایا۔ کہ سب کے کان گنگ کر دیئے۔ کوئی سمجھا اور کوئی نہ سمجھا۔ مگر سب واہ وا اور سبحان اللہ کرتے رہ گئے۔

اب مین نے دیکھا کہ فقط ایک کرسی خالی ہے۔ اور بس اتنے مین آواز آئی کہ آزاد کو بلاؤ۔ ساتھہ ہی آواز آئی۔ کہ شاید وہ اس جرگے مین بیٹھنا قبول نہ کرے۔ مگر وہین سے پھر کوئی بولا۔ کہ اُسے جن لوگون مین بٹھا دوگے بیٹھ جائیگا۔ اتنے مین چند اشخاص نے غل مچایا۔ کہ اس کی قلم نے ایک جہان سے لڑائی باندھہ رکھی ہے۔ ایسے دربار شہرت

مین جگہ نہ دینی چاہیئے۔ اِس مقدمے پر قیل وقال شروع ہوئی۔ مین چاہتا تھا۔ کہ نقاب چہرے سے اُلٹ کر آگے بڑھون اور کچھہ بولون۔ کہ میرے ہادی ہمدم یعنی فرشتہ رحمت نے ہاتھہ پکڑ لیا۔ اور چپکے سے کہا۔ کہ ابھی مصلحت نہین۔ اتنے مین آنکھ کھل گئی۔ مین اس جھگڑے کو بھی بھول گیا۔ اور خدا کا شکر کیا۔ کہ بلاسے دربار مین کرسی ملی یا نہ ملی مُردون سے زندون مین تو آیا۔

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر

پیدائش دہلی ۱۸۱۷ء   وفات علی گدھ ۱۸۹۸ء

سر سید ۱۷۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی مین پیدا ہوئے۔ علوم رسمیہ کے تحصیل کے بعد ۲۲ سال کی عمر مین ابتداً دہلی کی صدر امینی کی کچہری مین سرشتہ دار مقرر ہوئے۔ اُسکے بعد کمشنری آگرہ مین نائب منشی ہوئے۔ ۲۴۔ دسمبر ۱۸۴۱ء مین مین پوری کے منصف ہوئے وہان سے فتحپور سیکری پھر دہلی آئے۔ ۱۸۵۵ء مین بجنور کے مستقل صدر امین ہوئے۔ ۱۸۵۸ء مین مراد آباد کے صدر الصدور (سب جج) مقرر ہوئے وہان سے غازیپور، علی گدھہ۔ بنارس مین سب ججی کے عہدہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے ولایت روانہ ہوئے۔ ۲۔ اکتوبر ۱۸۷۰ء کو ہندوستان واپس آکر ۲۴۔ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گدھ مین مدرستہ العلوم کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۴۲ء مین بہادر شاہ کے دربار سے آپکو جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب عطا ہوا۔ ۶۔ اگست ۱۸۶۹ء کو سرکار انگلشیہ سے سی۔ ایس۔ آئی۔ کا خطاب اور تمغا ملا۔ ۱۸۷۶ء مین پنشن لیکر اپنی زندگی کو اپنی قوم کے لئے وقف کردیا۔ ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء بمقام علی گدھ ۸۱ برس کی عمر مین آپنے انتقال فرمایا۔ اور اپنے قائم کئے ہوئے کالج کی مسجد کے بیرونی حصے مین دفن ہوئے۔

سر سید نے ۱۷۔ ۱۸۔ برس کے سن سے مضامین لکھنے شروع کئے۔ لیکن ۱۸۵۷ء تک اُنکا طرز تحریر زمانہ کے قدیم روشن کے موافق تھا۔ مگر اُسوقت مین بھی سادگی اور بے ساختگی اُنکی تحریر مین پائی جاتی تھی۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سے آپنے اپنا طرز تحریر بالکل بدلدیا۔

سر سید کے کلام مین تشبیہین۔ استعارے۔ کنائے۔ مثلین۔ تلمیحین۔ نہایت لطیف ہین۔ لطیفے حد سے زیادہ دلفریب ہین۔ کہاوتین اور اشعار برمحل جابجا نظر آتے ہین۔ قدرت بیان حد سے زاید ہے۔

۱۔ سر سید کے قلم مین ہر مطلب کو اُسکے مناسب پیرایہ مین بیان کرنے کی بیحد قابلیت تہی۔

۲۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مطلب کو اسطرح سلجھا کر ادا کرجاتے کہ جو مضمون لفظون مین سماتا نظر نہ آتا ہو وہ ایسی خوبی سے ادا ہوجاے جیسے انگوٹھی پر نگین جڑ دیا۔

۳۔ واقعات اور حالات کے حسن و قبح کی تصویر اسطرح کہینچتے کہ جو برائیان بسبب الفت و عادت کے دلون مین کہپ گئی ہون اُنکی برائی اور جو خوبیان سوسائٹی کے اثر سے نظرون سے چہپ گئی ہون اُنکی خوبی فوراً دلون پر نقش ہوجاے۔

مولانا حالی اپنی کتاب حیات جاوید مین لکہتے ہین کہ سر سید نے اُردو زبان اور اردو لٹریچر کو طرح طرح کی مدد پہنچائی ہے۔ مگر جو بے بہا مدد خاصکر اُنکے لٹریری ورکس سے اُردو لٹریچر کو پہونچی ہے اُسکے لحاظ سے اُنکو فادر آف اُردو کہنا کچہ مبالغہ نہین سید کے طرز تحریر مین یہ خصوصیت تہی کہ اُسکی لطافت اور خوبی کے سبب لوگ عموماً اُسکو شوق اور توجہ سے پڑہتے تہے۔ اور اُسکی سادگی اور بے تکلفی دیکہکر ہر ایک کے دل مین ویسا ہی لکہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا تہا۔ اسلیے جو صفائی اور سلاست اور تہذیب اور شایستگی اور گہلاوٹ عام تحریرون مین دیکہی جاتی ہے اور مضمون نگاری کا جو سلیقہ اخبار ہی دنیا مین پہیلا ہے۔ یہ سب اسی ایک قلم کی آواز بازگشت ہے۔ سب سے زیادہ زوردار اور باأثر آپ کی اسپیچین ہوتی تہین مگر وہ اکثر پولیٹکل یا مذہبی معاملات پر ہین اسلیے اس انتخاب مین لانے کے لائق نہین۔

آپکی علمی تصانیف سے سلسلۃ الملوک۔ آثار الصنادید۔ اسباب بغاوت ہند وغیرہ اور لکچرون کا مجموعہ اور صدہا مفید مضامین یادگار ہین جو تہذیب الاخلاق اور علیگڈہ انسٹیٹیوٹ گزٹ مین چہپے ہین۔

تعلیم و تربیت

تعلیم و تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے بلکہ وہ جدا جدا دو چیزین ہین جو کچھ کہ انسان مین ہے اُسکو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے۔ اور اُسکو کسی کام کے لائق کرنا اُسکا تربیت کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتین کہ خداے تعالے نے انسان مین رکھی ہین انکو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے۔ اور اُسکو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اُسکی تربیت ہے۔

انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اُسمین ڈالنا ہے بلکہ اُسکے دل کے سوتون کا کھولنا اور اندر کے سرچشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قوی کو حرکت مین لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو تربیت کرنا اُسکے لئے سامان کا مہیا کرنا اور اس سے کام کا لینا ہے۔ جیسے جہاز تیار ہونے کے بعد اُسپر بوجھ لادنا اور حوض بنانے کے بعد اُسمین پانی کا بھرنا۔ پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانا ضرور نہین ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرو اور اُسکے دلکو تربیت کرتے کرتے مُنہ تک بھردو مگر اُس سے دل کی سرچی سوتین نہین کھُلتین بلکہ بند ہوجاتی ہین اندرونی قوی کو حرکت دئے بغیر تربیت تو ہوجاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہین ہوتی۔ اسلئے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بُری۔

اس تقریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیان جو ہم پر نازل ہوتی ہین اُسکی جڑ یہی ہے کہ ہمنے اپنے دل کو اپنے اندرونی قوی کو بالکل خراب کردیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہین وہ بھی بعوض اِسکے کہ روحانی قوی کو شگفتہ و شاداب کرے اُنکو پژمردہ بلکہ مردہ کردیتا ہے۔ اور ہمارے قوی کو جو درحقیقت سرچی سرچشمے تمام نیکیون کے ہین بالکل کمزور اور ناکارہ کردیتا ہے۔ اور ہماری حالت تمام معاملات مین کیا دین کے اور کیا دنیا کے

خراب ہوتے چلے جاتے ہین پس ہمکو اپنے پر رحم کرنا چاہیے۔ اور ایسی تعلیم اختیار کرنی چاہیے جو اندرونی قوی کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کے سوتون کو کھول کر سرچشمہ سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو۔

تعلیم

تعلیم سے ہماری مراد موافق عرف عام کے لکھنا پڑہنا سیکھنے سے ہے۔ ہر زمانے مین لاکھون کرورون آدمی مختلف مقاصد سے لکھنا پڑہنا سیکھتے رہے ہین۔ عام مقصد جس کے سبب سے تعلیم پر توجہ ہوتی ہے خواہ تعلیم پانے والے خود اسپر متوجہ ہون یا اطفال کے مربیون نے اطفال کی تعلیم پر توجہ کی ہو یہ ہے کہ اُنکے ذہن مین یہ بات سمائی ہوئی ہوتی ہے کہ ایک جاہل کندہ ناتراش سے لکھا پڑہا آدمی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اور وہ تعلیم جس درجہ کی ہوئی ہو زندگی کے کاروبار مین اُس کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہوتی ہے

اُن تعلیم پانے والون مین لاکھون آدمی تو ایسے ہوتے ہین کہ ادنی درجہ تعلیم تک پہونچکر اور کچھہ متوسط درجے کی تعلیم تک پہونچکر رہ جاتے ہین۔ اور چند ایسے ہوتے ہین کہ متوسط درجہ کی تعلیم سے آگے بڑہتے ہین اور اپنے مذاق کے موافق علم کی شاخون مین سے کسی شاخ کی تکمیل پر مائل ہوتے ہین۔ کوئی شاعر بننا چاہتا ہے۔ کوئی ادیب۔ کوئی فلسفے مین ترقی کرتا ہے۔ اور کوئی ریاضیات مین۔ اور کوئی دینیات مین۔ علی ہذا القیاس۔ مگر ہر ایک کے ساتھہ حصول معاش کا خیال لگا رہتا ہے۔ اور جو کچھہ وہ حاصل کرتا ہے یا کرنا چاہتا ہے اسکو ذریعہ حصول معاش ضرور سمجھتا ہے۔

تعلیم بغیر اسکے کہ اُسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی زبان اختیار کی جاے غیر ممکن ہے۔ جس زمانے مین جس زبان کا عروج ہوتا ہے وہی زبان اُسکے لئے اختیار کی جاتی ہے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ جس ملک مین جو زبان حکومت کرتی ہے اسی زبان کا عروج ہوتا ہے

خلفاے بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے مین عربی زبان کا عروج تھا ہر شخص اسی زبان
مین علوم کو سیکھنا چاہتا تھا۔ ہندوؤن کے زمانے مین ہندوستان مین سنسکرت زبان
کا عروج تھا اُسی کو لوگ اختیار کرتے تھے۔ جب مسلمانون کی عملداری ہندوستان مین ہوئی
تو فارسی زبان کا عروج ہوا اور سب نے فارسی زبان مین تعلیم پانا اختیار کیا۔ اب ہندوستان
مین انگریزی حکومت ہے جس کی زبان انگریزی ہے اور اُسی زبان کو عروج ہے۔ اسلیے
ہر شخص اسی زبان کے اختیار کرنے پر مائل ہے۔

اکثر حکام کا اور نیز بہت سے لوگون کا یہ خیال ہے کہ لوگ صرف سرکاری نوکری
حاصل کرنے کو انگریزی پڑھتے ہین۔ مگر غور کرنے کی بات ہے کہ ہر سال ہندوستان کی
یونیورسٹیون سے سیکڑون۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ ڈگری پاتے ہین اور انکو یقین
کامل ہوتا ہے کہ گورنمنٹ کے پاس اسقدر نوکریان نہین ہین کہ وہ اس جم غفیر۔ بی۔ اے
اور ایم۔ اے۔ ڈگری یافتون کو دے سکے۔ پس یقینی ڈگری یافتہ طالبعلمون کو اسکا یقین ہے
کہ سب کو سرکاری نوکری نہین مل سکتی سا وصف اس یقین کے جو وہ انگریزی پڑھنے پر
مشغول ہین تو ضرور ہے کہ سوائے ملازمت سرکاری کے اور کسی ذریعہ سے بھی انکو معاش
حاصل کرنے کا خیال ہے۔ یا اس بات کا یقین ہے کہ انگریزی پڑھا ہوا بن انگریزی پڑھے ہوے سے دنیوی
کاروبار کے لئے زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔ بہرحال یہ بات غلط ہے کہ ہر ایک۔ بی۔ اے
اور ایم۔ اے سرکاری ملازمت حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہے۔ اور نہ ملنے کے سبب
سرکار سے ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ اسکو پہلے سے یقین ہے کہ سرکار سب کو نوکری
نہین دے سکتی۔ ہان جب موقع ہوتا ہے تو ہر ایک سرکاری ملازمت ملنے کی کوشش
کرتا ہے جو اسکو ضرور کرنی چاہیے۔

اس زمانے کی تعلیم مین جو بذریعہ انگریزی زبان کے ہوتی ہے اور اگلے زمانے کی تعلیم
مین جو بذریعہ عربی کے ہوتی تھی یہ فرق ہے کہ اگلے زمانے مین تعلیم کا سامان ایسا

موجود اور مہیا نہ تھا کہ ہر شخص جو علم کی کسی شاخ مین یا شاخون مین اس زمانے کے موافق اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانا اور اس فن کا ماسٹر ہونا چاہے تو ہو سکتا تھا۔ اور سوسائٹی جو اُس زمانے مین موجود تھی اس تعلیم کی مدد کرتی تھی۔ اور اسپر عمدہ اخلاقی اثر ڈال کر اُس کو اس سوسائٹی کے لایق کر لیتی تھی۔ اگلے زمانے کی سوسائٹی بلحاظ اخلاق اور حسن معاشرت کے ایسی عمدہ تھی کہ اُس مین کوئی نقص اس زمانے مین بھی نہین نکالا جا سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ زمانے کے انقلاب کے ساتھہ وہ خود قائم نہ رہی۔

اس زمانے کی تعلیم جو انگریزی زبان کے ذریعہ سے ہندوستان مین ہوتی ہے اُسکے لئے کوئی ایسا سامان نہین ہے کہ جو شخص کسی علم کی کسی شاخ مین اعلیٰ درجہ کی تعلیم پانا چاہے تو اعلیٰ درجے کی تعلیم پاکر اس فن کا ماسٹر ہو سکے۔ ہندوستان مین اعلیٰ تعلیم دینے والی وہ یونیورسٹیان ہین جو ہندوستان مین موجود ہین وہ بلاشبہہ۔ بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ کی ڈگریان دیتی ہین۔ مگر اُس تعلیم کو اعلیٰ تعلیم کہنا ہمارے نزدیک محض ناواجب ہے۔ بلکہ وہ علم کی بعض شاخون مین اوسط درجے کی تعلیم ہے اور بعض شاخون مین ادنیٰ درجے کی تعلیم کا رتبہ رکھتی ہے۔

بالفعل جو باتباع احکام یونیورسٹیون کے اسکے ماتحت کالجون مین تعلیم دیجاتی ہے وہ زیادہ تر کتابی اور دماغی تعلیم سے متعلق ہے اس قسم کی تعلیم کا نتیجہ ضرور وہی ہونا چاہیئے جو مسٹر کردل نے اپنے لکچر مین بیان کیا ہے اور جسکو اودھ اخبار نے اُردو زبان مین لکھا ہے۔ اُنھون نے فرمایا کہ تعلیم کا منشا یہ نہین ہے کہ چند آدمیون کی دولت بڑھ جاے یا آنکہ غربا کی بمقابلہ باقی ماندہ اشخاص کے زیادہ رعایت کی جاے۔ اور نہ تعلیم کا منشا یہ ہے کہ اسکے ذریعے سے لوگ صرف اپنی باہمی محافظت کرین یا سوداگری اور تجارت ہی کو ترقی دین۔ بلکہ تعلیم کی خاص غایت اور اصل منشا یہ ہے کہ لوگ نیک محضر اور عمدہ قسم کے باشندے ہو جائین اور وہ خاموشی حاصل کرین جو زندگی کے بے داغ

رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے - اور لوگون کے سوشل اور اخلاقی خصائل کی تکمیل کرین اور اُن ہماری اور عمدہ کامون کا حوصلہ دلائین جن سے ملک کی عزت اور زینت ہوتی ہے -

سر ولیم میکورتھ ینگ نے جو ڈگری یافتہ طالب علمون کو مخاطب کر کے فرمایا اُسکا اصل بھی وہی ہے جو مسٹر کرول نے اپنے لکچر مین کہا تھا - سر ولیم میکورتھ ینگ نے ڈگری یافتہ طالب علمون کو مخاطب ہو کر - فرمایا کہ اُن کی ڈگریان اس بات کے لئے ہین کہ وہ اپنے یومیہ معاملات اور گفتگو مین معزز برتاو اختیار کرین - اخلاق اور عمدہ تعلیم کی ترقی مین مدد دین - سوشیل انتظام اور اپنے ہمجنسون کی بہبودی کے قایم رکھنے مین کوشان رہین المختصر اب ہماری سلطنت کے سربرآوردہ شہریون کے فرائض ادا کرتے رہین -

مگر ہماری راے مین اخلاقی تعلیم صرف کتابون کی تعلیم سے حاصل نہین ہوتی - بلکہ عمدہ سوسائٹی اس کی تعلیم دیتی ہے - ہندوستان مین جو قدیم سوسائٹی علما اور نیک خدا پرست رحم دل نیک خصلت لوگون سے مرکب تھی - وہ مدت ہوگئی کہ مردہ ہوگئی ہے اور نئی سوسائٹی جو زمانہ حال کے موافق ہو اب تک قائم نہین ہوئی یا مکمل نہین ہوئی - اسلیئے وہ نتایج جس کا ذکر مسٹر کرول نے اپنے لکچر مین کیا - یا سر ولیم میکورتھ ینگ نے ڈگری یافتہ طالب علمون سے خواہش کی حاصل نہین ہوتی -

ہم اس بات کو جیسا کہ اودھ اخبار نے لکھا ہے نہایت مفید اور ضروری سمجھتے ہین کہ اسکول ماسٹرون کو چاہیئے کہ اپنے شاگردون کے نقش ذہن کرتے رہین کہ وہ اعلیٰ درجہ کا چلن اور شریفانہ اُولوالعزمیان اختیار کرین - اور اسی طرح ہمارے کالجون کے پروفیسرون کو بھی منجملہ ایسے لوگون کے ہونا چاہیئے جن مین خیالات عالیہ پائے جاتے ہون" مگر ہماری راے مین جب تک کہ خود ایسی قوم کے چند لوگ اس قوم کی سوسائٹی کے مہذب کرنے پر آمادہ نہ ہون اور دلی سعی اور کوشش نہ کرین سوسائٹی کی حالت درست نہین ہو سکتی

اور یہی سبب ہے کہ باوجودیکہ کئی قرن گورنمنٹ کو ہندوستانیون کو تعلیم دیتے ہوے گزرے مگر اُنکی سوسائٹی کی حالت اب تک درست نہین ہوئی۔

نہایت مشکل یہ ہے کہ دنیا مین کسی قوم کی سوسائٹی اور سوشل حالت ایسی نہین ہے کہ جس مین ایسے امور بھی شامل ہون جنکی بنا رغلط یا صحیح طور پر مذہبی امور پر بنی ہوئی نہ کہی جاتی ہو۔ پس اگر وہ امور ترقی سوسائٹی کے مانع ہین اور غلطی سے اُنکی بنا مذہبی امور پر کہی جاتی ہے تو جب تک اُسی قوم کا کوئی شخص غلطی کو ظاہر نہ کرے اور اس مانع کے رفع کرنے مین کوشش نہ کرے تو وہ رفع نہین ہو سکتی۔ غیر قوم کے شخص کا اس امر مانع پر متنبہ کرنا گو وہ کیسا ہی سچ کہتا ہو مخالف اثر پیدا کرتا ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ وہ شخص بہ سبب اختلاف قومی یا مخالفت مذہب کے ایسا کہتا ہے۔ اگرچہ ہم قوم اور ہم مذہب والے پر بھی ہزارون شخص طرح طرح کے اتہام لگاتے ہین اور اسکی بات کی سماعت نہ ہونے پر کوشش کرتے ہین۔ اور گورنمنٹ تو ایسی کوئی بات جس سے مذہب مین مداخلت کرنے کا شبہہ بھی ہو اختیار نہین کر سکتی۔ غرض کہ اخلاقی اور شریف النفسی کی تعلیم عمدہ سوسائٹی پر منحصر ہے۔ اور انگریزی گورنمنٹ سوائے تعلیم دینے کے اور کوئی طریقہ اختیار نہین کر سکتی جس سے ہندوستانیون مین سوسائٹی کی حالت اچھی ہو اور عمدہ سوسائٹی اُن کی بن جاے۔ فقط

گذرا ہوا زمانہ

برس کی اخیر رات کو ایک بڈھا اپنے اندھیرے گھر مین اکیلا بیٹھا ہے۔ رات بھی ڈراونی اور اندھیری ہے۔ گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے۔ آندھی بڑے زور سے چلتی ہے۔ دل کانپتا ہے اور دم گھبراتا ہے۔ بڈھا نہایت غمگین ہے مگر اُسکا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات

اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اوس برس کی اندھیری رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانہ کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے۔ اتنا ہی غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے مونھہ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہین۔

پچھلا زمانہ اُسکی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے۔ اپنا لڑکپن اُسکو یاد آتا ہے جبکہ اُسکو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل مین نہ تھی۔ روپیہ اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھی لگتی تھی سارا گھر ماں باپ بھائی بہن اُسکو پیار کرتے تھے پڑھنے کے لئے چھٹی کا وقت جلد آنے کی خوشی مین کتابین بغل مین لے مکتب مین چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اُسکو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے وہ اور زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چلا اُٹھتا تھا "ہائے وقت ہائے وقت ہائے گذرے ہوئے زمانے۔ افسوس کہ مین نے تجھے بہت دیر مین یاد کیا"

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سرخ سفید چہرہ۔ سڈول ڈیل بھرا بھرا بدن رسیلی آنکھین موتی کی لڑی سے دانت۔ اُمنگ مین بھرا ہوا دل۔ جذبات انسانی کے جوشوں کی خوشی۔ اُسے یاد آتی تھی اُس آنکھوں مین اندھیرا چھائے ہوئے زمانہ مین ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے اور نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے۔ اور یہ کہتا تھا کہ "آہ ابھی بہت وقت ہے" اور بڑھاپے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اُسکو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھا ہوتا اگر جب ہی مین اس وقت کا خیال کرتا اور خدا پرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لئے طیار رہتا۔ آہ وقت گذر گیا۔ آہ وقت گذر گیا۔ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس مین اپنے تئین ہمیشہ یہ کہکر برباد کیا کہ "ابھی وقت بہت ہے"

یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی۔ دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراونی ہے۔ اندھیری گھٹا چھا رہی ہے۔ بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے۔ ہولناک آندھی چل رہی ہے۔ درختوں کے پتے اڑتے ہین اور ٹہنے ٹوٹتے ہین۔ تب وہ چلا کر بولا۔ "ہائے ہائے میری گذری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراونی ہے جیسی یہ رات۔ یہ کہکر

پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے مین اُسکو اپنے مان باپ بھائی بہن - دوست آشنا یاد آئے جنکی ہڈیان قبرون مین گل کر خاک ہو چکی تھین - مان گویا محبت سے اُسکو چھاتی سے لگائے آنکھون مین آنسو بھرے کھڑی ہے - یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا وقت گذر گیا - باپ کا نورانی چہرہ اُسکے سامنے ہے اور اُس مین یہ آواز آتی ہے کہ کیون بیٹا ہم تمہارے ہی بھلے کے لیئے نہ کہتے تھے - بھائی بہن دانتون مین انگلی دیئے ہوئے خاموش ہین اور اُن کی آنکھون سے آنسوؤن کی لڑی جاری ہے - دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہین اور کہتے ہین کہ اب ہم کیا کر سکتے ہین -

ایسی حالت مین اُسکو اپنی وہ باتین یاد آتی تھین جو اُسنے نہایت بے پروائی اور بیمروتی اور کج خلقی سے اپنے مان باپ - بھائی بہن - دوست آشنا کے ساتھہ برتی تھین - مان کو رنجیدہ رکھنا باپ کو ناراض کرنا بھائی بہن سے بے مروت رہنا - دوست آشنا کے ساتھہ ہمدردی کرنا یاد آتا تھا - اور اُسپر اُن گلی ہڈیون مین سے ایسی محبت کا دیکھنا اُس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا - اُس کا دم چھاتی مین گھٹ جاتا تھا اور یہ کہکر چلا اُٹھتا تھا کہ ہائے وقت نکل گیا - ہائے وقت نکل گیا - اب کیونکر اسکا بدلہ ہو"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا - اور ٹکراتا لڑتا کھڑکی تک پہونچا - اُسکو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھہ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھہ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندہیری ہے - اُسکی گھبراہٹ کچھہ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہہ آ بیٹھا -

اتنے مین اُسکو اپنا ادھیڑپن یاد آیا جس مین نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوبن نہ وہ دل رہا تھا نہ دل کے ولولون کا جوش اُسنے اپنی اس نیکی کے زمانہ کو یاد کیا جس مین وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا - وہ اپنا روزہ رکھنا - نمازین پڑھنی حج کرنا - زکوٰۃ دینی - بھوکونکو کھلانا مسجدین اور کوئین بنوانا یاد کر کر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا فقیرون اور درویشون کو جس کی خدمت کی تھی اپنے پیرون کو جن سے بیعت کی تھی - اپنی مدد کو

پکارتا تھا۔ مگر دل کی بیقراری نہین جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اُسکی ذاتی اعمال کا ابھی تک خاتمہ ہے بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہین۔ مسجدین ٹوٹ کریا تو کھنڈر ہین اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہین۔ کوئین اندھے پڑے ہین۔ نہ پیر اور نہ فقیر۔ کوئی اُسکی آواز نہین سنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اُس کا دل بہت گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ مین نے کیا کیا جو تمام فانی چیزون پر دل لگایا یہ پہلی سمجھ پہلے ہی کیون نہ سوجھی۔ اب کچھ بس نہین چلتا اور پھر یہ کہکر چلا اٹھا ہائے وقت۔ ہائے وقت۔ مین نے تجھکو کیون کھو دیا۔"

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اُسکے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے آندھی تھم گئی ہے۔ گھٹا کھل گئی ہے۔ تارے نکل آئے ہین۔ اُنکی چمک سے اندھیرا ابھی کچھ کم ہو گیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لئے تارون بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکایک اُسکو آسمان کے بیچ مین ایک روشنی دکھائی دی اور اُس مین ایک خوبصورت دُلہن نظر آئی اُسنے ٹکٹکی باندھکر اُسے دیکھنا شروع کیا۔ جون جون وہ اُسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی۔ یہان تک کہ وہ اُسکے بہت پاس آگئی۔ وہ اُسکے حسن وجمال کو دیکھکر حیران ہو گیا اور نہایت پاک دل اور محبت کے لہجہ سے اُس سے پوچھا کہ تم کون ہو وہ بولی کہ مین ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہون۔ اُسنے پوچھا کہ تمہاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہان ہے نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا کا فرض ادا کرکے انسان کی بھلائی اور اُسکی بہتری مین سعی کرے اُسکی مین مسخر ہوتی ہون۔ دنیا مین کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہین ہے۔ انسان ہی ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہے گا۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لئے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اُس کی موت ان سب چیزون کو ختم کر دیتی ہے۔ بلاوی چیزین بہی چند روز مین فنا ہو جاتی ہین۔ مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ مین تمام انسانون

کی روح ہون - جو مجکو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بہلائی مین کوشش کرے - یہ کہکر وہ دلہن غائب ہوگئی اور بڈہا پہر اپنی جگہ آبیٹہا -

اب پہر اُسنے اپنا پچہلا زمانہ یاد کیا اور دیکہا کہ اُسنے اپنی پچپن برس کی عمر مین کوئی کام بہی انسان کی بہلائی کا نہین کیا تہا - اُسکے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تہے - نیک کام جو کئے تہے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کئے تہے - خاص انسانی بہلائی کی خالص نیت سے کچہہ بہی نہین کیا تہا -

اپنا حال سونچکر وہ اُس دلفریب دُلہن کے ملنے سے مایوس ہوا - اپنا اخیر زمانہ دیکہکر آیندہ کرنے کی بہی کچہہ امید نہ پائی - تب تو نہایت مایوسی کی حالت مین بیقرار ہوکر چلا اٹہا - ہائے وقت - ہائے وقت - کیا پہر تجہے مین بلا سکتا ہون - ہائے مین دس ہزار دینارین دیتا اگر وقت پہر آتا اور مین جوان ہوسکتا - یہ کہکر اُسنے ایک آہ سرد بہری اور بیہوش ہوگیا -

تہوڑی دیر نہ گذری تہی کہ اُسکے کانون مین میٹہی میٹہی باتون کی آواز آنے لگی - اُسکی پیاری مان اُسکے پاس آکھڑی ہوئی - اُسکو گلے لگا کر اُسکی بلائین لین - اسکا باپ اسکو دکھائی دیا - چہوٹے چہوٹے بہائی بہن اُسکے گرد آکھڑے ہوے - مان نے کہا کہ بیٹا کیون برس کے برس دن روتا ہے - کیون تو بیقرار ہے - کس لئے تیری ہچکی بندھ گئی ہے - اٹھہ مونھہ ہاتہہ دہو - کپڑے پہن - نوروز کی خوشی منا - تیرے بہائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہین -

تب وہ لڑکا جاگا اور سمجہا کہ مین نے خواب دیکہا اور خواب مین بڈہا ہوگیا تہا - اُسنے اپنا سارا خواب اپنی مان سے کہا - اُس نے سُنکر اسکو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا اُس پشیمان بڈہے نے کیا - بلکہ ایسا کر جیسا تیری دُلہن نے تجہہ سے کہا -

یہ سُنکر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ آج ہی میری زندگی کا پہلا دن ہے - مین کبہی اُس بڈہے کی طرح نہ پچہتاؤنگا اور ضرور اُس دُلہن کو بیاہونگا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجکو دکھلایا - اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتایا -

او خدا او خدا تو میری مدد کر۔

پس اے میرے پیارے نوجوان ہموطنو۔ اور اے میرے بچو۔ انسانی بھلائی پر کوشش کرو تاکہ اخیر وقت مین اُس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے۔ اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اُٹھے اور انسانی ہمدردی اور اپنی قوم کی بھلائی مین کوشش کرے۔

نجم الدولہ۔ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان غالب

انکا خاندانی سلسلہ افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے۔ انکے دادا شاہ عالم کے زمانے مین دہلی آئے۔ یہان فوج کے ایک معزز عہدے پر سرفراز ہوے۔ شاہ عالم کے بعد انکے والد عبد اللہ بیگ خان لکھنؤ جاکر نواب آصف الدولہ مرحوم کے دربار مین پہونچے۔ چند روز بعد حیدر آباد مین جاکر نواب نظام علی خان بہادر کے سرکار مین تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہے۔ کئی برس کے بعد ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے مین یہ صورت بھی بگڑی وہان سے گھر آئے۔ اور الور مین راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی یہان کسی لڑائی مین مارے گئے۔ اُسوقت مرزا کی ۵ برس کی عمر تھی۔ نصر اللہ بیگ خان حقیقی چچا مرہٹون کی طرف سے اکبر آباد مین صوبہ دار تھے۔ اُنھون نے اس دُر یتیم کو دامن مین لیا۔

مرزا چچا کے سایہ مین پرورش پاتے تھے۔ مگر اتفاق یہ ہے کہ مرگ ناگہانی مین وہ بھی مر گئے۔ بزرگون نے لاکھون روپیہ کی جائداد چھوڑی تھی۔ قسمت سے کسی کا زور چل سکتا ہے۔ وہ امیرزادہ جو شاہانہ دل و دماغ لیکر آیا تھا اُسکو اسی ملک سخن کی حکومت اور مضامین کی دولت پر قناعت کر کے غریبانہ حال سے زندگی بسر کرنی پڑی۔ بہت تدبیرین اور وسیلے درمیان آئے مگر سب کھیل بنکر بگڑ گئے۔

دلی کی تباہی کے بعد زیادہ مصیبت پڑی اُسوقت رامپور تشریف لے گئے نواب صاحب رامپور نے سو روپیہ مہینا مقرر کر دیا۔ مگر مرزا وہان زیادہ نہ رہ سکے پھر دلی واپس آئے۔

مرزا اہل ہند مین فارسی کے باکمال شاعر تھے۔ اُردو انکی مادری زبان نہ تھی مگر اسمین بھی وہ کمال پیدا کیا کہ اس زبان کے مسلم الثبوت استاد ہوگئے۔ تصنیفات اُردو مین تقریباً ۱۰۰۰ شعر کا ایک انتخابی دیوان ہے کہ ۱۸۴۹ء مین مرتب ہوکر چھپا۔ انکے کلام مین دو باتین خصوصیت کی پائی جاتی ہین۔ اول یہ کہ معنی آفرینی اور نازک خیالی اُنکا شیوہ خاص تھا۔ دوسرے چونکہ فارسی مشق زیادہ تھی اور اس سے انہین طبعی تعلق تھا اسلئے اکثر الفاظ اسطرح ترکیب دیئے جاتے تھے کہ بول چال مین اسطرح ہوتے نہین لیکن جو شعر صاف صاف نکل گئے ہین وہ ایسے ہین کہ جواب نہین رکھتے۔

اُردو زبان مین رقعات کے دو مجموعے انکے مرتب ہوکر شایع ہوئے۔ ایک عود ہندی۔ دوسرا اُردوے معلے۔ ان خطوط کی عبارت ایسی ہے گویا آپ سامنے بیٹھے گل افشانی کر رہے ہین اسمین بھی فارسی کی ترکیب اور محاورون کا استعمال کر گئے ہین۔

ان خطوط کی طرز عبارت بھی ایک خاص قسم کی ہے کہ ظرافت کے چٹکلے اور لطافت کی شوخیان اس مین خوب ادا ہوسکتی ہین۔ یہ انہین کا ایجاد تھا کہ آپ مزا لے لیا۔ اور اورون کو لطف دیئے گئے۔ دوسرے کا کام نہین۔

مرزا نے ۷۳ برس کی عمر ۱۸۶۹ء مین اس جہان فانی سے انتقال کیا۔

رقعات

بنام مرزا حاتم علی مہر

مرزا صاحب۔ مین نے وہ انداز تحریر ایجاد کیا ہے۔ کہ مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہزار کوس سے بزبانِ قلم باتین کیا کرو۔ ہجر مین وصال کے مزے لیا کرو۔ کیا تم نے مجھسے بات کرنے کی قسم کھائی ہے۔ اتنا تو کہو کہ یہ کیا بات تمہارے جی مین آئی ہے۔ برسون ہوگئے کہ تمہارا خط نہین آیا۔ نہ اپنی خیر و عافیت لکھی نہ کتابون کا بیورا بھجوایا۔ ہان مرزا تفتہ نے ہاترس سے یہ خبر دی ہے کہ پانچ ورق پانچ کتابون کے آغاز کے اُنکو دے آیا ہون اور انہون نے سیاہ قلم کی لوحون کی تیاری کی ہے۔ یہ تو بہت دن ہوے جو تمنے خبر دی

ہے کہ دو کتابون کی طلائی لوح مرتب ہوگئی ہے۔ پھر اب اُن دو کتابون کی جلدین بنجانے کی کیا خبر ہے۔ اور ان پانچ کتابون کے تیار ہونے مین درنگ کس قدر ہے۔ مہتمم مطبع کا خط پرسون آیا تھا وہ لکھتے ہین کہ تمہاری چالیس کتابین بعد منہائی لینے سات جلدون کے اسی ہفتہ مین تمہارے پاس پہونچ جائینگی۔ اب حضرت ارشاد کرین کہ یہ سات جلدین کب آئینگی۔ ہر چند کاریگرون کے دیر لگانے سے تم بھی مجبور ہو۔ مگر ایسا کچھ لکھو کہ آنکھون کی نگرانی اور دل کی پریشانی دور ہو۔ خدا کرے اُن تینتیس ۳۳ جلدون کے ساتھ یا دو تین روز آگے پیچھے یہ سات جلدین آپ کی عنایتی بھی آئین۔ تا خاص وعام جابجا بھیجی جائین۔

میرا کلام میرے پاس کبھی کچھ نہین رہا۔ ضیاءالدین خان اور حسین مرزا جمع کر لیتے تھے۔ جو مینے کہا انہون نے لکھ لیا۔ اُن دونون کے گھر لُٹ گئے۔ ہزارون روپئے کے کتاب خانے برباد ہوئے۔ اب مین اپنے کلام کے دیکھنے کو ترستا ہون۔ کئی دن ہوئے کہ ایک فقیر کہ وہ خوش آواز بھی ہے اور زمزمہ پرداز بھی ہے ایک غزل میری کہین سے لکھوا لایا۔ اُسنے وہ کاغذ جو مجکو دکھایا یقین سمجھنا کہ مجکو رونا آیا۔ غزل تمکو بھیجتا ہون۔ اور صلہ مین اسکے اس خط کا جواب چاہتا ہون۔

غزل

درد منت کش دوا نہ ہوا	۱	مین نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیون رقیبون کو	۲	اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
ہم کہان قسمت آزمانے جائین	۳	تو ہی جب خنجر آزما نہ ہوا
ہے خبر گرم اُنکے آنے کی	۴	آج ہی گھر مین بوریا نہ ہوا
کیا وہ نمرود کی خدائی تھی	۵	بندگی مین مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی	۶	حق تو یون ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گر دب گیا لہو نہ تھما	۷	کام گر رُک گیا روا نہ ہوا

رہزنی ہے کہ دلستانی ہے　　لیکے دل دلستان روانہ ہوا
کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہین　　آج غالب غزل سرا نہ ہوا

جواب کا طالب۔ غالب

۲

بندہ پرور۔ آپکا خط کل پہونچا۔ آج جواب لکھتا ہون۔ واد دیناکتنا شتاب لکھتا ہون۔ مطالب مندرجہ کے جواب کا بھی وقت آتا ہے۔ پہلے تم سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ برابر کئی خطون مین تمکو غم واندوہ کا شکوہ گزار پایا ہے۔ پس اگر کسی بے درد پر دل آیا ہے تو شکایت کی کیا گنجائش ہے۔ بلکہ یہ غم تو نصیب دوستان درخور افزایش ہے بقولِ غالب علیہ الرحمۃ۔ **بیت**

کسیکو دے کے دل کوئی نواسنجِ فغان کیون ہو ✦ نہو جب دل ہی پہلو مین تو پھر منہ مین زبان کیون ہو

ہے ہے حسن مطلع یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے۔ **مصرعہ**۔ ہوا تو دوست جس کا دشمن اُسکا آسمان کیون ہو۔ افسوس ہے کہ اس غزل کے اور اشعار یاد نہ آئے۔ اور اگر خدانخواستہ باشد غمِ دنیا ہے تو بھائی ہمارے ہمدرد ہو۔ ہم اس بوجھ کو مردانہ اٹھا رہے ہین۔ تم بھی اُٹھاؤ اگر مرد ہو۔ بقولِ غالبِ مرحوم۔ **شعر**

دلا یہ دردو الم بھی تو مغتنم ہے کہ آخر　　نہ گریۂ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

سحر ہوگی۔ خبر ہوگی۔ اس زمین مین وہ شعر یعنی **شعر**

تمہارے واسطے دل سے مکان کوئی نہین بہتر　　جو آنکھون مین تمھین رکھون تو ڈرتا ہون نظر ہوگی

کتنا خوب ہے۔ اردو کا کیا اچھا اسلوب ہے۔ قصیدہ کا مشتاق ہون خدا کرے جلد چھپا جاے تو ہمارے دیکھنے مین بھی آئے۔

کیا کہیے۔ بھلا کہیے۔ یہ زمین ایک بار یہان طرح ہوئی تھی۔ مگر بحر اور ہی تھی وہ غزل یہ ہے

غزل

کہوں جو حال تو کہتے ہو مدعا کہیے ۔۔۔ تمہیں کہو کہ جو تم یون کہو تو کیا کہیے

نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم ستمگر ہین ۔۔۔ مجھے تو خو ہے کہ جو کچھہ کہو بجا کہیے

ہمین ذریعۂ راحت جراحتِ پیکان ۔۔۔ وہ زخم تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہیے

جو مدعی بنے اُسکے نہ مدعی بنیے ۔۔۔ جو ناسزا کہے اُسکو نہ ناسزا کہیے

کہین حقیقت جانکاہیِ مرض لکھیے ۔۔۔ کہین مصیبتِ ناسازیِ دوا کہیے

کبھی شکایتِ رنجِ گران نشین کیجیے ۔۔۔ کبھی حکایتِ صبرِ گریز پا کہیے

رہے نہ جان تو قاتل کو خونبہا دیجیے ۔۔۔ کٹے زبان تو خنجر کو مرحبا کہیے

نہین بہار کو فرصت نہو بہار تو ہے ۔۔۔ طراوتِ چمن و خوبی ہوا کہیے

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالب ۔۔۔ خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

اور وہ جو فعلاتن فعلاتن فعلن یہ بحر ہے اسمین ایک قطعہ ہے کہ وہ مینے کلکتہ مین لکھا تھا۔ تقریب یہ ہے کہ مولوی کرم حسین صاحب ایک میرے دوست تھے اونھون نے ایک مجلس مین چکنی ڈلی بہت پاکیزہ اور بے ریشہ اپنے کفِ دست پر رکھ کر مجھسے کہا کہ اسکی کچھہ تشبیہات نظم کیجیے۔ مینے وہان بیٹھے بیٹھے نو دس شعر کا قطعہ لکھکر اُنکو دیا اور صلہ مین وہ ڈلی اُنسے لی۔ وہ قطعہ لکھتا ہون۔

قطعہ

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی ۔۔۔ زیب دیتا ہے اسے جسقدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدندان کہ اسے کیا لکھیے ۔۔۔ ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہیے

مُہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے ۔۔۔ حرزِ بازوے شگرفان خودآرا کہیے

مسی مالیدہ سرِ انگشتِ حسینان لکھیے ۔۔۔ داغِ طرفِ جگرِ عاشقِ شیدا کہیے

خاتمِ دستِ سلیمان کے مشابہ لکھیے ۔۔۔ سرِ پستانِ پریزاد سے مانا کہیے

اخترِ سوختۂ قیس سے نسبت دیجیے ۔۔۔ خالِ مشکینِ رُخِ دلکشِ لیلا کہیے

حجر الاسود دیوارِ حرم کیجیے فرض — نافۂ آہوے بیابانِ ختن کا کہیے
وضع مین اُسکو اگر سمجھیے قافِ تریاق — رنگ مین سبزۂ نوخیزِ مسیحا کہیے
کیون اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھیے — کیون اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کہیے
کیون اسے تکمۂ پیراہنِ لیلا لکھیے — کیون اسے نقشِ پےِ ناقۂ سلما کہیے
بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجیے فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہیے

آپکے خط کے جواب نے انجام پایا۔ اب میرا درد دل سنو۔ برخوردار منشی شیو نراین نے میرے دو خطون کا جواب نہین لکھا اور وہ خطوط جواب طلب تھے۔ تم اُنکو میری دعا کہو اور کہو کہ میان میرا کلام بند ہے۔ اس مطلبِ خاص کا جواب جلد لکھو۔ یعنی اگر وہ کتاب بن چکی ہے تو جلد بھیجو۔ اور اگر اُسکے بھیجنے مین دیر ہے تو یہ لکھ بھیجو کہ وہ سیاہ قلم کی لوح کی ہے یا طلائی۔ فقط

جواب کا طالب۔ غالب

۳

بہت سہی غمِ گیتی شراب کم کیا ہے — غلامِ ساقیِ کوثر ہون مجکو غم کیا ہے
سخن مین خامۂ غالب کی آتش افشانی — یقین ہے ہمکو بھی لیکن اب اُسمین دم کیا ہے

علاقۂ محبتِ ازلی کو حق مان کر اور حقوقِ غلامیِ جناب مرتضیٰ علی کو سچ جان کر ایک بات اور کہتا ہون۔ کہ بینائی اگرچہ سب کو عزیز ہے مگر شنوائی بھی تو آخر ایک چیز ہے۔ مانا کہ روشناسی اُسکے اجارے مین آئی ہے۔ یہ بھی دلیل آشنائی ہے۔ کیا فرض ہے کہ جب تک دید وادید نہولے اپنے کو بیگانہ بکد کر سمجھین۔ سلام کے جواب مین خط بہت بڑا احسان ہے۔ خدا کرے وہ خط جس مین مین نے آپکو سلام لکھا تھا آپکی نظر سے گذر گیا ہو۔ احیاناً اگر نہ دیکھا ہو تو اب مرزا تفتہ سے لیکر پڑھ لیجیے گا۔ اور خط کے لکھنے کے احسان کو اُس خط کے پڑھ لینے سے دوبالا کیجیے گا۔ ہاے میجر جان جاکوب کیا جوان مارا گیا ہے۔ سچ اُسکا یہ شیوہ تھا کہ اردو کی

فکر کو مانع آتا - اور فارسی زبان مین شعر کہنے کی رغبت دلواتا - بندہ یہ بھی انھین مین سے ہے کہ جن کا مین ماتمی ہون - ہزارہا دوست مر گئے - کس کو یاد کرون اور کس سے فریاد کرون جیون تو کوئی غمخوار نہین اور مرون تو کوئی عزادار نہین -

غزلین آپکی دیکھین - سبحان اللہ چشم بد دُور - اردو کی راہ کے تو سالک ہو - گویا اس زبان کے مالک ہو - فارسی سے بھی یہ خوبی مین کم نہین - مشق شرط ہے - اگر کیے جاؤگے لطف پاؤگے - میرا تو بقولِ طالب آملی اب یہ حال ہے **بیت**

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی　　دہن بر چہرہ زخمی بود و بہ شد

جب آپنے بغیر خط کے بھیجے مجکو لکھا ہو تو کیونکر مجکو اپنے خط کے جواب کی نہ تمنا ہو - پہلے تو اپنا حال لکھیئے کہ مینے سُنا تہا آپ کہین کے صدالصدور ہین - پہر آپ اکبرآباد مین کیون خانہ نشین ہین - اس ہنگامہ مین آپکی صحبت حکام سے کیسی رہی فقط

جواب کا طالب غالب

مولوی عبدالرزاق صاحب شاکر کے نام

قبلہ - پہلے معنی ابیاتِ بے معنی سنئے - **شعر**

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا　　کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

ایران مین رسم ہے کہ داد خواہ کاغذ کے کپڑے پہنکر حاکم کے سامنے جاتا ہے - جیسے مشعل دن کو جلانا - یا خون آلودہ کپڑا بانس پر لٹکا کر لیجانا - پس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخیِ تحریر کا فریادی ہے - کہ جو صورتِ تصویر ہے اُس کا پیرہن کاغذی ہے - یعنی ہستی اگرچہ مثل تقدیرا اعتبارِ محض ہو موجب رنج و ملال و آزار ہے - دوسرا شعر

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و سامان نکلا　　قیس تصویر کے پردے مین بھی عریان نکلا

رقیب بمعنی مخالف - یعنی شوق سر و سامان کا دشمن ہے - دلیل یہ ہے کہ قیس

جو زندگی مین ننگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردے مین بھی ننگا ہی رہا۔ لطف یہ ہے کہ مجنون کی تصویر یا تن عریان ہی کھچتی ہے جہان کھچتی ہے۔

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب — تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشان نکلا

یہ ایک بات مین نے اپنے طبیعت سے نئی نکالی ہے۔ جیساکہ اس شعر مین شعر

نہین ذریعۂ راحت جراحت پیکان — وہ زخم تیغ ہے جسکو کہ دلکشا کہئے

یعنی زخم تیر کے تو ہین بسبب ایک رخنہ ہونے کے۔ اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب ایک طاق ساکھل جانے کے زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی کیا داد دیتا۔ وہ تو خود ضیق مقام سے گھبرا کر پرفشان اور سراسیمہ نکل گیا۔

نامۂ غالب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ دس برس سے اندہا ہوگیا ہے۔ کتاب پڑہ نہین سکتا۔ سن لیتا ہے۔ عبارت لکھہ نہین سکتا۔ لکھوا دیتا ہے۔ ایک اسکے ہموطن ایسا کہتے ہین کہ وہ قوتِ علمی ہی نہین رکھتا۔ اورون سے مدد لیتا ہے۔ اہل دہلی کہتے ہین کہ مولوی امام بخش صہبائی سے اسکو تلمذ نہین ہے۔ اپنا اعتبار بڑہانے کو اپنے کو انکا شاگرد بتاتا ہے۔ مین کہتا ہون کہ واے اس ہیچ و پوچ پر جسکو صہبائی کا تلمذ موجب عز و وقار ہو۔ رسالہ اسکا قاطع برہان دہلی پہونچکر ڈہونڈ ونگا۔ اگر مل گیا تو خدمت مین پہونچیگا۔ جناب مستطاب میر قاسم علی خان صاحب صادق القول ہین۔ میرے گھر آئے ہونگے دروازہ بند پایا ہوگا۔ مگر ایک خدشہ ہے کہ حضرت مین اور میرے بہائی مرزا علی بخش خان مین بہت ربط و اتحاد تہا۔ اور وہ مرحوم خدا لیش بیا مرزا و کذب و گزاف مین ضرب المثل تہا۔ اس تصور سے اگر اس جملے کے سچ جاننے مین تامل کرون تو میرا تامل بیجا نہوگا بہرحال میرا سلام کہئے گا۔ والسلام

منشی ہرگوپال تفتہ کے نام

رکھیو غالب مجھے اس درد نوائی مین معاف — آج کچھہ درد مرے دل مین سوا اٹھتا ہے

بندہ پرور تمکو پہلے یہ لکھا جاتا ہے کہ میرے دوستِ قدیم میر کرم حسین صاحب کی خدمت مین میرا سلام کہنا۔ اور یہ کہنا کہ ابتک جیتا ہون۔ اور اس سے زیادہ میرا حال مجکو بھی معلوم نہین۔ مرزا حاتم علی مہر کی جناب میں میرا سلام کہنا۔ اور یہ میرا شعر میری زبان سے پڑھ دینا۔

شعر

شرطِ اسلام بَوَد ورزش ایمان بالغیب ‎ اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمانِ من است

تمہارے پہلے خط کا جواب بھیج چکا تھا کہ اسکے دو دن یا تین دن کے بعد دوسرا خط پہونچا۔ صاحب جس شخص کو جس شغل کا ذوق ہو اور وہ اُسمین بے تکلف عمر بسر کرے۔ اُسکا نام عیش ہے تمہاری توجہ مفرط بطرف شعر وسخن کے تمہاری شرافتِ نفس اور حسنِ طبع کی دلیل ہے۔ اور بھائی یہ جو تمہاری سخن گستری ہے اسکی شہرت مین میری بھی تو نام آوری ہے۔ میرا حال اس فن مین اب یہ ہے کہ شعر کہنے کی روش اور اگلے کہے ہوے اشعار سب بھول گیا۔ مگر ہان اپنے ہندی کلام مین سے ڈیڑھ شعر یعنی ایک مقطع اور ایک مصرع یاد رہ گیا ہے۔ سو گاہ گاہ جب دل الٹنے لگتا ہے تب دس پانچ بار یہ مقطع زبان پر آجاتا ہے **شعر**

زندگی اپنی اسی ڈھب سے جو گذری غالبؔ ‎ ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

پھر جب سخت گھبراتا ہون اور تنگ آتا ہون تو یہ مصرع پڑھ کر چپ ہو جاتا ہون۔

مصرعہ - اے مرگِ ناگہان تجھے کیا انتظار ہے ۔ یہ کوئی نہ سمجھے کہ مین اپنی بے رونقی اور تباہی کے غم مین مرتا ہون۔ جو دکھ مجکو ہے اُسکا بیان تو معلوم مگر اُس بیان کی طرف اشارہ کرتا ہون۔ انگریزون کی قوم مین سے جو ان سیاہ رو کالون کے ہاتھ سے قتل ہوے اُس مین کوئی میرا امید گاہ تھا۔ اور کوئی میرا شفیق تھا اور کوئی میرا دوست اور کوئی میرا یار اور کوئی میرا شاگرد۔ ہندوستانیون مین کچھ عزیز کچھ دوست کچھ شاگرد کچھ معشوق۔ سو وہ سب کے سب خاک مین مل گئے۔ ایک عزیز کا ماتم کتنا سخت ہوتا ہے جو اتنے عزیزون کا ماتم دار ہو اسکو زیست کیونکر نہ دشوار ہو۔ ہاے اتنے یار مرے

کہ جواب میں مرونگا تو میرا کوئی رونے والا بھی نہ ہوگا۔ فقط۔

میر مہدی کے بھائی میر سرفراز حسین کے نام

نورچشم راحت جان میر سرفراز حسین جیتے رہو اور خوش رہو۔ تمہارے دستخطی خط نے میرے ساتھ وہ کیا جو بوے پیرہن یوسف نے یعقوب کے ساتھ کیا تھا۔ میاں یہ ہم تم بوڑھے ہیں یا جوان ہیں۔ توانا ہیں یا ناتوان ہیں بڑے بیش قیمت ہیں یعنی بہرحال غنیمت ہیں۔ کوئی جلا بھنا کہتا ہے۔ **شعر**

یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ — یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ

وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں۔ سیڑھیوں پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے۔ وہ یوسف مرزا آئے۔ وہ میرن آئے۔ وہ یوسف علی خان آئے۔ مرے ہُوؤں کا نام نہیں لیتا۔ بچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گنے ہیں۔ اللہ اللہ ہزاروں کا میں ماتم دار ہوں۔ میں مرونگا تو مجکو کون روئے گا۔ سنو غالب رونا پیٹنا کیا کچھ اختلاط کی باتیں کرو۔ کہو میر سرفراز حسین سے کہ یہ خط میر احمدی کو پڑھوا دو۔ اور میرن صاحب کو بلاؤ۔ کل شام کو یا پرسوں شام کو میر اشرف علی صاحب میرے پاس آئے تھے۔ کہتے تھے کہ کل یا پرسوں پانی پت کو جاؤنگا۔ میں نے اُنکی زبانی کچھ پیام میرن صاحب کو بھیجا ہے اگر بھول نہ جائینگے پہونچائینگے۔ خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ صاحب اپن نہیں ہے نہ ہو۔ غلام اشرف نہیں ہے نہ ہو۔ اگر منظور کیجئے تو میں صوفی ہوں ہمہ اوست کا دم بھرتا ہوں بموجب مصرع کے **مصرعہ**۔ دل بدست آور کہ حج اکبر است ٭ تم سے کب انکار کرتا ہوں۔ اگر مرزا کو ہر کی جگہ مانو تو خوش اگر غلام اشرف جانو تو راضی۔ رات کو اپنے گھر میں باتیں بناؤ دن کو مجھسے جی بہلاؤ۔ قصہ مختصر کرو اور جلد کرو۔ سید انور کا جو حال لکھتے ہو وہ سچ ہے۔ راجپوت ایسا ہی کچھ کرتے ہیں۔ مگر مہاراجہ مسلمانوں کا دم بھرتے ہیں فقط

خواجہ غلام غوث بیخبر کے نام

قبلہ۔ کبھی آپکو یہ بھی خیال آتا ہے کہ کوئی ہمارا دوست جو غالب کہلاتا ہے وہ کیا کھاتا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے پنشن قدیم اکیس مہینہ سے بند اور مین سادہ دل فتوح جدید کا آرزومند۔ اُس پنشن کا احاطہ پنجاب کے حکام پر مدار ہے تو انکا یہ شیوہ اور یہ شعار ہے کہ نہ روپیے دیتے ہین نہ جواب۔ نہ مہربانی کرتے ہین نہ عتاب۔ خیر اُس سے قطع نظر کی اب سنئے اودہر کی سنہ ۱۸۵۹ء سے بموجب تحریر وزیر عطیہ شاہی کا امیدوار ہون تقاضا کرتے ہوے شرماؤن اگر گنہگار ہون گنہگار ٹھہرتا تو گولی یا پھانسی سے مرتا۔ اس بات پر کہ مین بے گناہ ہون مقید اور مقتول نہونے سے آپ اپنا گواہ ہون۔ پیشگاہ گورنمنٹ کلکتہ مین جب کوئی کاغذ بھیجا یا بقلم چیف سکتر بہادر اُسکا جواب پایا ہے۔ اگلی بار دو کتابین بھیجین ایک پیشکش گورنمنٹ اور ایک نذر شاہی ہے۔ نہ اُسکے قبول کی اطلاع نہ اُسکے ارسال سے آگاہی ہے۔ جناب سر ولیم میور صاحب بہادر نے بھی عنایت نہ فرمائی۔ اُنکی بھی کوئی تحریر مجکو نہ آئی۔ یہ سب ایک طرف اب خبرین ہین مختلف۔ کہتے ہین کہ چیف سکتر بہادر لفٹننٹ گورنر ہوے یہ کوئی نہین کہتا کہ اونکی جگہ کون سے صاحب عالی شان چیف سکتر ہوے۔ مشہور ہے کہ جناب ولیم میور صاحب صدر بورڈ مین تشریف لے گئے۔ یہ کوئی نہین بتاتا کہ لفٹننٹ گورنری کی سکریٹری کا کام کس کو دے گئے۔ آپکا حال کوئی نہین کہتا کہ آپ کہان ہین۔ ہان از روے قیاس جانتا ہون کہ آپ اُسی منصب اور اُسی دفتر مین شاد و شادمان ہین جواب لفٹننٹ کے سکریٹری ہوے ہونگے اُنسے علاقہ رہتا ہوگا۔ میور صاحب بہادر سے کا ہے کو ملنا ہوتا ہوگا۔ لفٹننٹ گورنری اور صدر بورڈ یہ دونون محکمے الہ آباد آگئے یا آئینگے۔ بہرحال آپ اب کیون آگرہ کو جائینگے۔ نواب گورنر جنرل بہادر کی روانگی کی بھی خبر مین اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ۲۰ جنوری کو گئے۔ کوئی کہتا ہے فروری مین

کوچ فرمائینگے ۔ مین تو ادہر سے بھی ہاتھہ دہو بیٹھا ۔ ہرطرح اپنی قسمت کو رو بیٹھا ۔ مگر یہ چاہتا ہون کہ حقیقت واقعی پر کماحقہٗ اطلاع حاصل ہو تاکہ تسلی خاطر اور تسکین دل ہو ۔ اگر ان مطالب کا جواب نہ مجمل بلکہ مفصل ۔ نہ دیر بلکہ جلد مرحمت کیجیئے گا تو گویا مجکو مول لے لیجیگا ۔ زیادہ اس سے کیا لکھون ۔ فقط

۲

پایان شب سیہ سپید است　　در نومیدی بسے امید است

قبلہ ۔ آج آپکی خوشی و خوشنودی کے واسطے اپنی روداد لکھتا ہون ۔ سنہ ۱۸۶۰ع مین لارڈ صاحب بہادر نے میرٹھہ مین دربار کیا ۔ صاحب کمشنر بہادر دہلی اہالی دہلی کو ساتھہ لے گئے ۔ مین نے کہا کہ مین بھی چلون فرمایا کہ نہین جب لشکر میرٹھہ سے دلی آیا ۔ مین موافق اپنے دستور کے روز ورود لشکر مخیم مین گیا ۔ میرمنشی صاحب سے ملا ۔ اُنکے خیمہ مین سے اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکتر بہادر کے پاس بھیجا جواب آیا کہ تم غدر کے دنون مین بادشاہ باغی کی خوشامد کیا کرتے تھے اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہین ۔ مین گدائے مبرم اس حکم پر ممنوع نہ ہوا ۔ جب لارڈ صاحب بہادر کلکتہ پہونچے مین نے قصیدہ حسب معمول قدیم بھیجدیا ۔ مع اس حکم کے واپس آیا کہ اب یہ چیزین ہمارے پاس نہ بھیجا کرو ۔ مین مایوس مطلق ہوکر بیٹھہ رہا ۔ اور حکام شہر سے ملنا ترک کیا ۔ اواخر ماہ گذشتہ یعنی فروری سنہ ۱۸۶۳ع مین نواب لفٹننٹ گورنر پنجاب دلی آئے ۔ اہالی شہر صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر و صاحب کمشنر بہادر کے پاس دوڑے اور اپنے نام لکھوائے ۔ مین تو بیگانہ محض اور مطرود حکام تھا جگہ سے نہ ہلا کسی سے نہ ملا ۔ دربار ہوا ۔ ہر ایک کا م گار ہوا شنبہ ۲۸ فروری کو آزادانہ منشی من پہول سنگھ صاحب کے خیمہ مین چلا گیا ۔ اپنے نام کا ٹکٹ صاحب سکرٹیری بہادر پاس بھیجا ۔ بلا لیا ۔ مہربان پاکر نواب صاحب کی ملازمت کی استدعا کی وہ بھی حاصل

ہوئی - دو حاکم جلیل القدر کی وہ عنایتین دیکھین جو میرے تصور مین بھی نہ تہین - جملہ معترضہ - میر منشی لفٹنٹ گورنری سے سابقہ معرفت نہ تہا - وہ بطریق حسن طلب میرے خواہان ہوئے تو مین گیا - جب حکام بمجرد استدعا مجھسے بے تکلف ملے تو مین قیاس کرسکتا ہون کہ میر منشی کی طرف سے حسن خلق بایماے حکام ہوگا - بقیہ روداد یہ ہے کہ دو شنبہ مارچ کو سواد شہر مخیم خیام گورنری ہوا آخر روز مین اپنے شفیق قدیم جناب مولوی اظہار حسین خان صاحب بہادر کے پاس گیا - اثناے گفتگو مین فرمایا کہ تمہارا دربار اور خلعت بدستور بحال ویر قرار ہے - متحیرانہ مین نے پوچھا کہ حضرت کیونکر - حضرت نے کہا کہ حاکم حال نے ولایت سے آکر تمہارے علاقہ کے سب کاغذ انگریزی و فارسی دیکھے اور با جلاس کونسل حکم لکھوایا کہ اسد اللہ خان کا دربار اور نمبر اور خلعت بدستور بحال و برقرار ہے مینے پوچھا کہ حضرت یہ امر کس اصل پر متفرع ہوا - فرمایا کہ ہمکو کچھ معلوم نہین - بس اتنا جانتے ہین کہ یہ حکم دفتر مین لکھواکر ۴ دن یا ۵ دن ادہر کو روانہ ہوے ہین - مین نے کہا سبحان اللہ -

شعر

کارساز مابفکر کار ما فکر ما درکار ما آزار ما

سہ شنبہ ۳ - مارچ کو ۱۲ بجے نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجکو بلایا خلعت عطا کیا اور فرمایا کہ لارڈ صاحب بہادر کے یہان کا دربار اور خلعت بھی بحال ہے - انبالے جاؤگے تو دربار اور خلعت پاؤگے - عرض کیا گیا - کہ حضور کے قدم دیکھے خلعت پایا لارڈ صاحب بہادر کا حکم سن لیا مین نہال ہوگیا - اب یہان سے کہان جاؤن - جیتا رہا تو اور دربار مین کامیاب ہو رہونگا -

شعر

کار دنیا کسے تمام نہ کرد ہرچہ گیرید مختصر گیرید

بنام یوسف مرزا

کوئی ہے ذرا یوسف مرزا کو بلائیو - لو صاحب وہ آئے۔ میان مین نے خط کل تمکو بھیجا ہے مگر تمہارے ایک سوال کا جواب رہ گیا ہے اب سُن لو تفضل حسین خان اپنے مامون موئید الدین خان پاس میرٹھ ہے شاید دلی آیا ہو مگر میرے پاس نہین آیا والد اون کے غلام علی خان اکبر آباد مین ہین مکتب داری کرتے ہین لڑکے پڑہاتے ہین روٹی کھاتے ہین تم لکھتے ہو کہ پچاس محل واجد علی شاہ کے کلکتے گئے تمہارے مامون محمد قلی خان کے خط مین لکھتے ہین کہ شاہ اودہ بنارس گئے اس خبر کو اوس خبر کے ساتھہ منافات نہین ہے ادہر سے آپ بنارس کو چلے ہون اُدہر سے بیگمات کو وہان بلا یا ہو مگر میری جان ہمکو کیا ؎ - عالم ہمہ مرگ ماچہ دریاچہ سراب ٭

یوسف مرزا کیونکر تجکو لکھون کہ تیرا باپ مرگیا اور اگر لکھون تو پھر آگے کیا لکھون کہ اب کیا کرو مگر صبر یہ ایک شیوۂ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے تعزیت یون ہی کیا کرتے ہین اور یہی کہا کرتے ہین کہ صبر کرو ہاے ایک کا کلیجہ کٹ گیا ہے اور لوگ اسے کہتے ہین کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا صلاح اس امر مین نہین بتائی جاتی دعا کو دخل نہین دوا کا لگاؤ نہین پہلے بیٹا مرا پھر باپ مرا مجھسے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروپا کس کو کہتے ہین تو مین کھونگا کہ یوسف مرزا کو تمہاری دادی لکھتی ہین کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا یہ بات سچ ہے اگر سچ ہے تو جوان مرد ایک بار دونون قیدون سے چھوٹ گیا نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ -

نواب میر غلام بابا خان

جناب نواب صاحب - مین آپکے اخلاق کا شاکر اور آپکے یاد آوری کا ممنون

اور آپ کے دوام دولت کا دعاگو ہون اگر بوڑھا اور اپاہج نہ ہوتا تو ریل کی سواری مین بقرر آپ تک پہونچتا اور آپکے دیدار سے مسرت اندوز ہوتا آپ میرے شفیق اور میرے محسن ہین خدا آپکو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے خط کے دیر دیر لکھنے کا سبب ضعف و نقاہت ہے اگر میرے اوقات شبا روزی اور میرے حالات آپ دیکھین تو تعجب کرینگے کہ یہ شخص جیتا کیون ہے صبح سے شام تک پلنگ پر پڑا رہنا اور پہر دم بدم پیشاب کو اوٹھنا اون مجموع مصائب مین سے ایک ادنی مصیبت یہ ہے ۔ ۱۲۸۴ھ ہجری شروع ہوئی ۱۲۱۲ھ کی ولادت ہے اب کی رجب کے مہینہ سے ستروان سال شروع ہوگا ستر ابہترا بہرا بوڑھا اپاہج آدمی ہون جو عنایت تم میرے حال پر فرماتے ہو صرف تمہاری خوبی ہے مین کسی لائق نہین نجات کا طالب ۔ غالب ۔ چہارشنبہ ۱۳ ۔ مئی ۱۸۶۷ء

بنام منشی حبیب اللہ خان ذکا

صبح جمعہ دہم شوال ۱۲۸۳ھ ۱۵ ۔ فروری ۱۸۶۷ء بہائی مین نہین جانتا کہ تمکو مجہسے اتنی ارادت اور مجکو تم سے اتنی محبت کیون ہے ظاہراً معاملہ عالم ارواح ہے اسباب ظاہری کو اسمین دخل نہین تمہارے خط کا جواب مع اوراق مسودہ روانہ ہوچکا ہے وقت پر پہونچے گا ستر ابہترا اردو مین ترجمہ بپیر غرف ہے میری تہتر برس کی عمر ہے پس مین اخرف ہون حافظہ گویا کبہی تہا ہی نہین سامعہ باطل بہت دن سے تہا وہ بھی رفتہ رفتہ حافظہ کی مانند معدوم ہوگیا اب مہینہ بہر سے یہ حال ہے کہ جو دوست آتے ہین رسمی پرسش مزاج سے بڑھکر جو بات ہوتی ہے کاغذ پر لکھہ دیتے ہین غذا مفقود ہے صبحکو قند اور بادام مقشر دوپہر کو گوشت کا پانی سر شام تلے ہوے چار کباب سوتے وقت پانچ روپیہ بہر شراب اور اسی قدر گلاب ۔ خرف ہون پوچ ہون ۔ عاصی ہون ۔ فاسق ہون ۔ روسیاہ ہون یہ شعر میر تقی کا حسب حال ہے ۔ **شعر**

مشہور ہین عالم مین مگر ہون بہی کہین ہم   القصہ نہ درپے ہون ہمارے کہ نہین ہم

آج اسوقت کچہ افاقت سی تہی ایک اور خط ضروری لکہنا تہا بکس کہولا تو تمہارا خط نظر پڑا مکرر پڑہنے سے معلوم ہوا کہ بعض مطالب کے جواب لکہے نہین گئے ناچار اب کتابت جداگانہ مین لکہتا ہون تاکہ خلعت کا حال اور میرے اور حالات تمکو معلوم ہو جائین کہ مین قوم کا ترک سلجوقی ہون دادا میرا ماوراءالنہر سے شاہ عالم کے وقت مین ہندوستان مین آیا سلطنت ضعیف ہو گئی تہی صرف پچاس گہوڑے نقارہ نشان سے شاہ عالم کا نوکر ہوا ایک پرگنہ سیرحاصل ذات کی تنخواہ اور رسالے کی تنخواہ مین پایا بعد انتقال اوسکے جو طوائف الملوک کا ہنگامہ گرم تہا وہ علاقہ نہ رہا باپ میرا عبداللہ خان بہادر لکہنو جا کر نواب آصف الدولہ کا نوکر رہا بعد چندے حیدرآباد جا کر نواب نظام علی خان کا نوکر ہوا تین سو سوار کی جمعیت سے ملازم رہا کئی برس وہان رہا وہ نوکری ایک خانہ جنگی کے بکہیڑے مین جاتی رہی والد نے گہبرا کر الور کا قصد کیا اور راجہ بختاور سنگہ کا نوکر ہوا وہان کسی لڑائی مین مارا گیا نصراللہ خان بیگ بہادر میرا چچا حقیقی مرہٹون کی طرف سے اکبرآباد کا صوبہ دار تہا اسنے مجہے پالا سنہ ۱۸۰۳ء مین جب جنرل لیک صاحب کا عمل ہوا صوبہ داری کمشنری ہو گئی اور صاحب کمشنر ایک انگریز مقرر ہوا میرے چچا کو جنرل لیک صاحب نے سوارونکی بہرتی کا حکم دیا چار سو سوارون کا برگیڈیر ہوا ایک ہزار سات سو روپیہ ذات کا اور لاکہہ ڈیڑہ لاکہہ روپیہ سال کی جاگیر حین حیات علاوہ سالہ رسالہ مرزبانی کے تہی کہ بمرگ ناگہانی مرگیا رسالہ برطرف ہو گیا ملک کی عوض نقدی مقرر ہو گئی وہ اب تک پاتا ہون پانچ برس کا تہا جو باپ مرگیا آٹہ برس کا تہا جو چچا مر گیا۔ سنہ ۱۸۳۰ء مین کلکتے گیا نواب گورنر جنرل سے ملنے کی درخواست کی دفتر دیکہا گیا میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا ملازمت ہوئی سات پارچے اور جیغہ سرپیچ مالاے مروارید یہ تین رقم خلعت ملا ازان بعد جب دلی مین دربار ہوا مجکو بہی خلعت ملتا رہا بعد غدر بجرم مصاحبت بہادر شاہ دربار و مصاحبت دونون بند ہو گئے میری بریت کی درخواست گزری تحقیقات

ہوتی رہی تین برس کے بعد پنڈ چہٹا اب خلعت معمولی ملا غرض کہ خلعت ریاست کا ہے عوض خدمت نہیں انعامی نہیں معوج الذہن نہیں ہوں غلط فہم نہیں ہوں بدگمان نہیں ہوں جو سمجھو سمجھ لیا تمہیں فرق نہیں آتا دوست سے راز نہیں چھپاتا کسی صاحب نے حیدرآباد سے گمنام خط ڈاک میں بہیجا بند پرچہ کیا تہا کہولنے میں سطر کٹ گئی بارے مطلب ہاتھہ سے نہیں جاتا رہا بہیجنے والے کی غرض یہ تہی کہ مجکو تم سے رنج و ملال ہو قدرت خدا کی کہ میری محبت اور بڑھ گئی اور میں نے جانا کہ تم مجھے دل سے چاہتے ہو وہ خط بجنسہ تمہارے پاس اس خط میں ملفوف کرکے بہیجتا ہوں تمہارے دستخط کو پہچان کر کاتب سے جھگڑا نہ کرنا مدعا اس خط کے بہیجنے سے یہ ہی کہ تمہاری ترقی منصب اور افزونی مشاہرہ اس خط سے مجھے معلوم ہوئی تہی فقط

نواب انوار الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق کے نام

کیونکر کہوں میں دیوانہ نہیں ہوں۔ ہاں اتنے ہوش باقی ہیں کہ اپنے کو دیوانہ سمجھتا ہوں۔ یہ کیا ہوشمندی ہے کہ قبلہ ارباب ہوش کو خط لکھتا ہوں نہ القاب نہ آداب نہ بندگی نہ تسلیم۔ سن غالب ہم تجھسے کہتے ہیں۔ بہت مصاحب نہ بن۔ ایاز قدر خود بشناس۔ مانا کہ تو نے کئی برس کے بعد سلطان کو دو نوبت بیت کی غزل لکھی ہے اور آپ اپنے کلام پر وجد کرتا ہے مگر یہ تحریر کی کیا روش ہے۔ پہلے القاب لکھ پہر بندگی عرض کر پہر ہاتھہ جوڑ کر مزاج کی خبر پوچھ پہر عنایت نامے کے آنے کا شکر ادا کر۔ یہ کہہ کر جو میں تصور کر رہا تہا وہ ہوا۔ یعنی جس دن مجکو میں نے خط بہیجا اسی دن آخر روز حضور کا فرمان پہونچا معلوم ہوا کہ حرارت ہنوز باقی ہے انشاء اللہ تعالےٰ رفع ہو جائیگی۔ موسم اچہا آگیا ہے۔ اگر صرف تبرید تعدیل سے کام نکل جاسے تو کیا کہنا۔ ورنہ بحسب راے طبیب تنقیہ کر لیجئے۔ مجکو بھی آج دسواں منضج ہے۔ پانچ سات دن کے بعد مسہل ہوگا۔ شب کو ناگاہ ایک زمین نئی خیال میں آئی

طبیعت نے راہ دی غزل تمام کی - اُسی وقت سے یہ خیال مین تہا کہ کب صبح ہو اور کب یہ غزل نواب صاحب کو بھیجون - خدا کرے آپ پسند کرین - اور میرے قبلہ جناب میر امجد علیصاحب کو سناوین اور میرے شفیق منشی نادر حسین خانصاحب اور اُنکے بھائی صاحب اسکو پڑہین پروردگار اس مجمع کو سلامت رکھے فقط

پیر و مرشد - شب رفتہ کو مینہ خوب برسا - ہوا مین فرط برودت سے گزند پیدا ہو گیا - اب صبح کا وقت ہے - ہوا ٹھنڈی بے گزند چل رہی ہے - ابر تنک محیط ہے - آفتاب نکلا ہے - پر نظر نہین آتا ہے -

شمس العلما مولنا خواجہ الطاف حسین حالی

پیدایش پانی پت ۱۸۳۷ء　　　　وفات پانی پت ۱۹۱۴ء

آپ پانی پت ضلع کرنال کے ایک معزز خاندان سے ہین - آپ کے بزرگ ہرات سے آئے اور پانی پت اور اُسکے ملحقات مددمعاش کے طور پر شاہی انعام مین اُنکو ملے ۱۸۳۷ء کے قریب آپ وہین پیدا ہوے - میر ممنون دہلوی کے بھتیجے سید جعفر علی سے آپنے فارسی پڑہی جو اُس زمانہ کے اعلیٰ فارسی دانون مین تھے - اور حاجی محمد ابراہیم حسین انصاری سے عربی کی تعلیم پائی - ۱۷ سال کی عمر سے آپ اکثر دہلی مین رہے - منطق - فلسفہ وغیرہ کی وہین تکمیل کی عنفوان شباب ہی مین نواب مصطفیٰ خان شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے صاحبزادہ ان کی تعلیم آپ کے سپرد ہوی - اُس زمانے مین جو کچھ کہا نواب صاحب سے اُنھین صلاح لی - اس تعلق سے آپکو آزردہ - نیر رخشان - غالب کے خدمات مین باریابی کے اکثر موقعے ملتے رہے - کچھ عرصے کے بعد آپ غالب مرحوم کے حلقہ تلمذ مین داخل ہوے - غالب نے آپکی طبیعت کا اندازہ کرکے کہا کہ اگر تم شعر نہ کہوگے تو ظلم کروگے - مرزا غالب کی وفات پر آپنے اور مرزا قربان علی بیگ سالک - اور میر مہدی حسین مجروح نے مرثیے لکھے - مگر جو مقبولیت آپ کے مرثیے کو حاصل ہوی وہ کسی کو نصیب نہین ہوی -

ابتدا مین آپکی شاعری کا بہی وہی ایشیائی شاعری کا رنگ تہا۔ ۱۸۵۵ء کے بعد جب آپکو پنجاب بُک ڈپو لاہور مین کتابون کی عبارت زمانہ حال کے مطابق درست کرنے کی خدمت ملی اُسوقت مغربی لٹریچر پر غور کرنے کا آپکو بہت اچہا موقع ملا۔ اُسیوقت اس راستہ کو یکقلم ترک کرکے طرز جدید اختیار کیا۔ کرنل ہالرائڈ صاحب نے لاہور مین ایک مجلس مشاعرہ قائم کی تہی اسمین بجائے مصرع طرح کے خاص عنوان پر شعرا کو طبع آزمائی کا موقع دیا جاتا تہا۔ مولنا نے بہی اس گلشن مین جدت طرازی کے نغمے سُنائے چنانچہ نشاط امید۔ مناظرہ رحم وانصاف حب وطن۔ برکہا رت وغیرہ اسی بزم کی یادگار ہین۔

بُک ڈپو سے تعلق کے ۴ سال بعد آپ اینگلو عربک اسکول دہلی کے مدرس ہوے۔ اُسی زمانہ مین سر آسمان جاہ کالج دیکہنے کے لئے علی گڈہ آئے۔ مولنا بہی موجود تہے اُنکی باریابی ہوئی۔ اور ۷۵ روپیہ ماہوار علمی وظیفہ مقرر ہوگیا ۱۸۸۹ء مین جب آپ علی گڈہ ڈپوٹیشن کے ساتہہ حیدرآباد گئے اُسوقت نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام تہے۔ وہان آپنے کئی نظمین پڑہین اُسوقت وظیفہ مین اضافہ ہوکر سو روپیہ ماہوار ملنے لگے۔ اسکے بعد ہی آپ بار ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

مولنا اپنے طرز کے موجد اور نیچرل اور قومی شاعری کے مجدد۔ اور ہندستان کے معجز بیان سعدی ہین۔ آپکا کلام صاف۔ دل آویز۔ قومی اصلاح سے بہرا ہوا ہوتا ہے۔ آپکی نثر کی خصوصیات یہ ہین کہ الفاظ اور معنی کے خوبیون کا برابر لحاظ رکہا ہے۔ کلام مین کہین اجمال یا اشکال نہین۔ فقط البتہ بعض جگہ مشکل ہین سلاست سرسید کے کلام مین بہت زیادہ ہے۔ بامحاورہ اور دلچسپ عبارت لکہتے ہین پر تفسیر آزار الیقین بالا ہین۔ مگر فلسفیانہ اور مورخانہ نظر اور لٹریچر کے رموز پر جسقدر واقفیت مولنا حالی کو تہی سرسید مرحوم وہان تک نہین پہونچے۔

نثر مین حیات سعدی۔ یادگار غالب۔ حیات جاوید۔ مقدمہ شعر و شاعری اور نظم مین مسدس مد وجزر اسلام۔ دیوان حالی۔ شکوہ ہند اور بہت سی مثنویان آپ کی یادگار ہین۔

۱۹۰۴ء مین گورنمنٹ عالیہ نے مولنا کو شمس العلما کے خطاب سے سرفراز

کیا - جو اُنکی علمی خدمات کے اعتبار سے ہر طرح زیادہ مناسب تھا - ۳۱ - دسمبر ۱۹۱۴ء
کو داعی اجل کو لبیک کہکر اس دار فانی سے چل بسے - قومی اور نیچرل شاعری کا
آفتاب غروب ہوگیا -

محاورہ اور روزمرہ

محاورہ لغت میں مطلقاً بات چیت کرنے کو کہتے ہیں - خواہ وہ بات چیت اہل زبان کے روزمرہ کے موافق ہو خواہ مخالف - لیکن اصطلاح میں خاص اہل زبان کے روزمرہ یا بول چال یا اسلوب بیان کا نام محاورہ ہے - پس ضرور ہے کہ محاورہ تقریباً دو یا دو سے زیادہ الفاظ میں پایا جاے - کیونکہ مفرد الفاظ کو روزمرہ بول چال یا اسلوب بیان نہیں کہا جاتا - بخلاف لغت کے کہ اُسکا اطلاق ہمیشہ مفرد الفاظ پر یا ایسے الفاظ پر جو بمنزلہ مفرد کے ہیں کیا جاتا ہے - مثلاً پانچ اور سات دو لفظ ہیں جن پر الگ الگ لغت کا اطلاق ہو سکتا ہے - مگر ان میں سے ہر ایک کو محاورہ نہیں کہا جائیگا - بلکہ دونوں کو ملا کر جب پانسات بولیں گے تب محاورہ کہا جائیگا - یہ بھی ضرور ہے کہ وہ ترکیب جس پر محاورہ کا اطلاق کیا جاے قیاسی نہو - بلکہ معلوم ہو کہ اہل زبان اسکو اسطرح استعمال کرتے ہیں - مثلاً اگر پانسات یا سات آٹھ یا آٹھ سات پر قیاس کرکے چھ آٹھ یا آٹھ چھ یا سات نو بولا جائیگا تو اُسکو محاورہ نہیں کہنے کے - کیونکہ اہل زبان کبھی اسطرح نہیں بولتے - یا مثلاً بلاناغہ پر قیاس کرکے اُسکی جگہ بے ناغہ - ہر روز کی جگہ ہر دن - روز روز کی جگہ دن دن - یا کئے دن کی جمع آے روز بولنا - ان میں سے کسی کو محاورہ نہیں کہا جائیگا کیونکہ یہ الفاظ اس طرح اہل زبان کی بول چال میں کبھی نہیں آتے -

کبھی محاورہ کا اطلاق خاص کر اُن افعال پر کیا جاتا ہے جو کسی اسم کے ساتھ ملکر اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں - جیسے اُتارنا -

اسکے حقیقی معنی کسی جسم کو اوپر سے نیچے لانے کے ہین مثلاً گھوڑے سے سوار کو اُتارنا۔ کھونٹی سے کپڑا اُتارنا۔ کوٹھے پر سے پلنگ اُتارنا۔ لیکن انھین سے کسی پر محاورہ کے یہ دوسرے معنی صادق نہین آتے۔ کیونکہ ان سب مثالون مین اُتارنا اپنے حقیقی معنون مین مستعمل ہوا ہے۔ ہان نقشہ اُتارنا۔ نقل اُتارنا۔ دل سے اُتارنا۔ ہاتھ اوتارنا۔ پہنچا اُتارنا۔ یہ سب محاورے کہلائین گے۔ کیونکہ ان سب مثالون مین اُتارنے کا اطلاق مجازی معنون پر کیا گیا ہے۔ یا مثلاً کھانا۔ اسکے حقیقی معنی کسی چیز کو دانتون سے چباکر یا بغیر چبائے حلق سے اُتارنے کے ہین۔ مثلاً روٹی کھانا۔ دوا کھانا۔ افیم کھانا وغیرہ۔ لیکن انھین سے کسی کو دوسرے معنی کے لحاظ سے محاورہ نہین کہا جائیگا۔ کیونکہ سب مثالون مین کھانا اپنے حقیقی معنون مین مستعمل ہوا ہے۔ ہان غم کھانا۔ قسم کھانا۔ دھوکا کھانا۔ پچھاڑین کھانا۔ ٹھوکر کھانا۔ یہ سب محاورہ کہلائین گے۔

محاورہ کے جو معنی ہمنے اوّل بیان کئے ہین وہ عام یعنی دوسرے معنون کو بھی شامل ہین۔ لیکن دوسرے معنی پہلے معنی سے خاص ہین۔ پس جس ترکیب کو پہلے معنون کے لحاظ سے محاورہ کہا جائیگا اسکو دوسرے معنون کے لحاظ سے بھی محاورہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ ضرور نہین کہ جس ترکیب کو پہلے معنون کے لحاظ سے محاورہ کہا جاے اُس کو دوسرے معنون کے لحاظ سے بھی محاورہ کہا جاے۔ مثلاً تین پانچ کرنا (یعنی جھگڑا کرنا) اسکو دونون معنون کے لحاظ سے محاورہ کہہ سکتے ہین۔ کیونکہ یہ ترکیب اہل زبان کے بول چال کے بھی موافق ہے۔ اور نیز اسمین تین پانچ کا لفظ اپنے حقیقی معنون مین بولا گیا ہے۔ لیکن روٹی کھانا۔ یا میوہ کھانا۔ یا پان سات۔ یا دس بارہ وغیرہ صرف پہلے معنون کے لحاظ سے محاورہ قرار پا سکتے ہین۔ نہ دوسرے معنون کے لحاظ سے۔ کیونکہ یہ تمام ترکیبین اہل زبان کی بول چال کے موافق تو ضرور ہین مگر انمین کوئی لفظ مجازی معنون مین مستعمل نہین ہوا۔ آیندہ ہم ان دونون معنون مین تمیز کے لئے پہلی قسم کے محاورہ پر روزمرہ کا اور دوسری قسم پر

محاورہ کا اطلاق کرینگے۔

روزہ مرہ اور محاورہ مین من حیث الاستعمال ایک اور بہی فرق ہے۔ روزمرہ کی پابندی جہانتک ممکن ہو تقریر و تحریر اور نظم و نثر مین ضروری سمجھی گئی ہے۔ یہانتک کہ کلام مین جسقدر روزمرہ کی پابندی کم ہوگی اُسیقدر فصاحت کے درجہ سے ساقط سمجھا جائیگا۔ مثلاً کلکتہ سے پشاور تک سات آٹھہ کوس پر ایک پختہ سرا اور ایک کوس پر مینار بنا ہوا تہا۔ یہ جملہ روزمرہ کے موافق نہین ہے۔ بلکہ اسکی جگہہ یون ہونا چاہیے۔ کلکتہ سے پشاور تک سات سات آٹھہ آٹھہ کوس پر ایک ایک پختہ سرا اور کوس کوس بہر پر ایک ایک مینار بنا ہوا تہا۔ یا مثلاً آج تک اُنسے ملنے کا موقع نہ ملا۔ یہان نہ ملا کی جگہہ نہین ملا چاہیے۔ یا وہ خاوند کے مرنے سے درگور ہوئی۔ یہان زندہ درگور ہوگئی چاہیے۔ یا ؎ سوگئے جب بخت تب بیدار آنکہین ہوگئین۔ یہان ہوگئین کے جگہہ ہوئین چاہیے۔ یا ؎ دیکہتے ہی دیکہتے یہ کیا ہوا۔ یہان کیا ہوگیا چاہیے۔

الغرض نظم ہو یا نثر دونون مین روزمرہ کی پابندی جہانتک ممکن ہو نہایت ضروری ہے۔ مگر محاورہ کا ایسا حال نہین ہے۔ محاورہ اگر عمدہ طور سے باندہا جاے تو بلاشبہ پست شعر کو بلند اور بلند کو بلندتر کردیتا ہے لیکن ہر شعر مین محاورہ کا باندہنا ضرور نہین۔ بلکہ ممکن ہے کہ شعر بغیر محاورہ کے بہی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر واقع ہو۔ اور ممکن ہے کہ ایک پست اور ادنیٰ درجہ کے شعر مین بے تمیزی سے کوئی لطیف و پاکیزہ محاورہ رکھدیا گیا ہو۔ ایک مشہور شاعر کا شعر ہے۔

آجکل دامن دولت ہے ہمارا دامن	گوہر اشک سے لبریز ہے سارا دامن

اس شعر مین کوئی محاورہ نہین باندہا گیا۔ باوجود اسکے شعر تعریف کے قابل ہے۔ دوسری جگہہ بہی شاعر کہتا ہے۔

طوطے ہاتہون کے اُڑا کرتے ہین	اُسکا خط دیکہتے ہین جب صیاد

اس شعر مین نہ کوئی خوبی ہے نہ مضمون ہے صرف ایک محاورہ بندھا ہوا ہے - اور وہ بھی روزمرہ کے خلاف - یعنی اُڑ جاتے ہین کی جگہ اڑا کرتے ہین - محاورہ کو شعر مین ایسا سمجھنا چاہیے جیسے کوئی خوبصورت عضو بدن انسان ہین - اور روزمرہ کو ایسا جاننا چاہیے جیسے تناسب اعضا بدن انسان مین جس طرح بغیر تناسب اعضا کے کسی خاص عضو کی خوبصورتی سے حسن بشری کامل نہین سمجھا جا سکتا اسی طرح بغیر روزمرہ کی پابندی کے محض محاورات کے جا و بے جا رکھدینے سے شعر مین کچھہ خوبی پیدا نہین ہو سکتی -

شعر کی معنوی خوبی کا اندازہ اہل زبان اور غیر اہل زبان دونون کر سکتے ہین - لیکن لفظی خوبیون کا اندازہ کرنا صرف اہل زبان کا حصہ ہے - اہل زبان عموماً اُس شعر کو زیادہ پسند کرتے ہین جس مین روزمرہ کا لحاظ کیا گیا ہو - اور اگر روزمرہ کے ساتھہ محاورہ کی چاشنی بھی ہو تو وہ اُنکو اور بھی زیادہ مزا دیتی ہے - مگر عوام اور خواص کی پسند مین بہت بڑا فرق ہے - عوام محاورہ یا روزمرہ کے ہر شعر کو سنکر سر دہنے لگتے ہین - اگرچہ شعر کا مضمون کیسا ہی مبتذل یا رکیک اور سبک ہو - اور اگرچہ محاورہ کیسا ہی بے سلیقگی سے باندھا گیا ہو - اسکی وجہ یہ ہے کہ جن اسلوبون مین وہ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہین جب وہ نہین اسلوبون مین وزن کی گھلاوٹ اور قافیون کا تناسب دیکھتے ہین اور معمولی بات چیت کو شعر کے سانچے مین ڈھلا ہوا پاتے ہین تو اُنکو ایک نوع کا تعجب اور تعجب کے ساتھہ خوشی پیدا ہوتی ہے - مگر خواص کی پسند اور تعجب کے لئے صرف روزمرہ کا وزن کے سانچے مین ڈھال دینا کافی نہین ہے - اُنکے نزدیک محض تک بندی اور معمولی بات چیت کو موزون کر دینا کوئی تعجب خیز بات نہین ہے - ہان اگر وہ دیکھتے ہین کہ ایک سنجیدہ مضمون معمولی روزمرہ مین کمال خوبی اور صفائی اور بے تکلفی سے ادا کیا گیا ہے تو بلا شبہہ اُنکو بے انتہا تعجب اور حیرت ہوتی ہے - کیونکہ فن شعر مین اور خاصکر اُردو زبان مین کوئی بات اس سے زیادہ مشکل نہین ہے کہ عمدہ مضمون معمولی

بول چال اور روزمرہ مین پورا پورا ادا ہو جاے۔ جن لوگون نے روزمرہ کی پابندی کو سب چیزون سے مقدم سمجھا ہے اُنکے کلام کو بھی جب نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو جابجا فروگذاشتین اور کسرین نظر آتی ہین۔ پس جب کوئی شعر باوجود مضمون کی متانت اور سنجیدگی کے روزمرہ اور محاورہ مین بھی پورا اُتر جاے تو لامحالہ اُس سے ہر صاحب ذوق کو تعجب ہوتا ہے۔ مثلاً میر انشا اللہ خان اس بات کو کہ افسردگی کے عالم مین خوشی اور عیش وعشرت کی چھیڑ چھاڑ سخت ناگوار گذرتی ہے۔ اسطرح بیان کرتے ہین۔ **شعر**

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی۔ تجھے اٹھکھیلیان سوجھی ہین ہم بیزار بیٹھے ہین

یا مثلاً مرزا غالب اتنے بڑے مضمون کو کہ (مین معشوق کے مکان پر پہنچا تو اوّل خاموش کھڑا رہا۔ پاسبان نے سائل سمجھکر کچھہ نہ کہا۔ جب معشوق کے دیکھنے کا حد سے زیادہ شوق ہوا اور صبر کی طاقت نہ رہی تو پاسبان کے قدمون پر گر پڑا۔ اب اُسنے جانا کہ اسکا مطلب کچھہ اور ہے۔ اُسنے میرے ساتھہ وہ سلوک کیا کہ ناگفتہ بہ ہے) دو مصرعون مین اس طرح بیان کرتے ہین۔

گدا سمجھ کے وہ چپ تھا۔ مری جو شامت آئے اٹھا اور اٹھ کے قدم مین نے پاسبان کیلئے

یا مثلاً مرزا غالب کہتے ہین۔

رونے سے اور عشق مین بیباک ہوگئے دھوئے گئے ہم ایسے کہ بس پاک ہوگئے

قاعدہ ہے کہ جب تک انسان عشق ومحبت کو چھپاتا ہے اُسکو ہر ایک بات کا پاس ولحاظ رہتا ہے۔ لیکن جب راز فاش ہو جاتا ہے تو پھر اُسکو کسی سے شرم اور حجاب نہین رہتا اس شعر مین یہی مضمون ادا کیا گیا ہے۔ دھویا جانا بیحیا اور بے لحاظ ہو جانیکو کہتے اور پاک آزاد اور شہدے کو کہتے ہین۔ رونے کے لئے دھویا جانا اور دھوئے جانے کے لئے پاک ہونا۔ باوجود اتنی لفظی مناسبتون اور محاورہ کی نشست اور روزمرہ کی صفائی کے مضمون پورا پورا ادا ہو گیا ہے۔ اور کوئی بات ان نیچرل نہین ہے۔ یا مثلاً مومن خان کہتے ہین۔

کل تم جو بزم غیر مین آنکھین چرا گئے　　کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

آنکھین چرانا۔ اغماض و بے توجہی کرنا ہے۔ کھویا جانا شرمندہ اور کھسیانا ہونا۔ پاجانا۔ سمجھ جانا یا تاڑ جانا معنی ظاہر ہین۔ اس شعر کا مضمون بھی بالکل نیچرل ہے اور محاورات کی نشست اور روزمرہ کی صفائی قابل تعریف ہے۔ اگرچہ اسکا ماخذ مرزا غالب کا یہ شعر ہے۔

ہا گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق　　پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہین کہ وہ پا جائے

مگر مومن کا بیان زیادہ صفائی سے بندھا ہے۔

الغرض روزمرہ کی پابندی تمام اصناف سخن مین عموماً اور غزل مین خصوصاً جہانتک ہوسکے نہایت ضروری چیز ہے۔ اور محاورہ بھی بشرطیکہ سلیقہ سے باندھا جائے شعر کا زیور ہے۔

(حالی)

نیچرل شاعری

نیچرل شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً و معنیً دونوں حیثیتون سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو۔ لفظاً نیچر کے موافق ہونے سے یہ غرض ہے کہ شعر کے الفاظ اور اُنکی ترکیب و بندش تابمقدور اُس زبان کی معمولی بول چال کے موافق ہو جسمین وہ شعر کہا گیا ہے۔ کیونکہ ہر زبان کی معمولی بول چال اور روزمرہ اُس ملک والون کے حق مین جہان وہ زبان بولی جاتی ہے نیچر یا سکنڈ نیچر کا حکم رکھتے ہین۔ پس شعر کا بیان جسقدر کہ بے ضرورت معمولی بول چال اور روزمرہ سے بعید ہوگا اُسیقدر اَن نیچرل سمجھا جائیگا۔ معنیً نیچر کے موافق ہونے سے یہ مطلب ہے کہ شعر مین ایسی باتین بیان کیجائین جیسی کہ ہمیشہ دنیا مین ہوا کرتی ہین یا ہونی چاہیئن۔ پس جب شعر کا مضمون اُسکے

خلاف ہوگا وہ ان نیچرل سمجھا جائیگا۔ مثلاً۔ میر حسن دہلوی کے یہ اشعار۔

کوئی رکھ کے زیرِ زنخدان چھڑی رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی

رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

ان دونوں شعروں کو نیچرل کہا جاسے گا۔ کیونکہ بیان بھی بول چال کے موافق ہے اور مضمون بھی ایسا ہے کہ جس موقع پر وہ لایا گیا ہے وہاں ہمیشہ ایسا ہی واقع ہوا کرتا ہے۔ یا مثلاً ذوق کا یہ شعر ہے۔

رہتا ہے اپنا عشق میں یوں دل سے مشورہ جس طرح آشنا سے کرے آشنا صلاح

اس شعر کو بھی نیچرل کہا جائیگا کیونکہ عشق میں اور ہر ایک مشکل کے وقت انسان اپنے دل سے اسی طرح مشورہ کیا کرتا ہے۔ یا مثلاً ظفر کا یہ شعر ہے۔

تیرے رخسار و گیسو کو بتا تشبیہ دوں کیونکر نہ ہے لالہ میں رنگ ایسا نہ ہے سنبل میں بو ایسی

اس شعر کو بھی نیچرل کہا جائیگا کیونکہ عاشق کو فی الواقع کوئی رنگ اور کوئی بو معشوق کے رنگ و بو سے بہتر یا اُسکے برابر نہیں معلوم ہوتی۔ یا مثلاً مومن خان کا یہ شعر ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

یہ بھی نیچرل شعر سمجھا جائیگا۔ کیونکہ جس سے تعلق خاطر بڑھ جاتا ہے اُسکا تصور تنہائی میں ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے۔ یا مثلاً داغ کے یہ اشعار ہیں۔

طبیعت کوئی دن میں بھر جائیگی چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائیگی

رہیں گی دمِ مرگ تک خواہشیں یہ منت کوئی آج بھر جائیگی

ان دونوں شعروں کا مضمون گو ایک دوسرے کے ضد معلوم ہوتا ہے مگر دونوں اپنی اپنی جگہ نیچر کے مطابق ہیں فی الواقع ہوا و ہوس کا بھوت بڑی زور شور کے ساتھ سر پر چڑھتا ہے مگر بہت جلد اُتر جاتا ہے اور فی الواقع دنیا کی خواہشوں سے کبھی نیت سیر

نہین ہوتی۔ یا مثلاً غالب کا یہ شعر ہے۔

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلین اتنی پڑین مجھپر کہ آسان ہوگئین

یہ شعر بھی نیچرل ہے اور فطرتِ انسان کے کسی قدر گہری اور پوشیدہ خاصیت کا پتا دیتا ہے جسکے بیان کرنے کے بعد کوئی شخص اُس سے انکار نہین کر سکتا۔

اوپر کے تمام اشعار جیسا کہ ظاہر ہے ایسے ہین جنکو لفظاً او معنیً دونون حیثیتون سے نیچرل کہنا چاہیے۔ اب ہم چند مثالین ایسی دیتے ہین جنکو لفظاً یا معنیً یا دونون حیثیتون سے نیچرل نہین کہا جا سکتا۔ مثلاً ناسخ کا یہ شعر ہے۔

کبھی ہے دھیان عارض کا کبھی یادِ مژہ دلکو
کبھی ہین خار پہلو مین کبھی گلزار پہلو مین

اس شعر کو صرف لفظاً نیچرل کہا جا سکتا ہے لیکن معنیً نہین کہا جا سکتا۔ معشوق کے تصور سے بلاشبہہ عاشق کو فرحت ہو سکتی ہے اور رنج بھی۔ لیکن جب فرحت ہو تو عارض اور مژگان دونون کی تصویر سے فرحت ہونی چاہیے۔ اور جب رنج ہو تو دونون کے تصور سے رنج ہونا چاہیے۔ یہ نہین ہو سکتا کہ پلکین جو خار سے مشابہ ہین اُنکے تصور سے پہلو مین خار ہون اور عارض جو گل سے مشابہ ہے اُسکے تصور سے پہلو مین گلزار ہو۔ یا مثلاً غالب کا یہ شعر ہے۔

عرض کیجیے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہان
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

جوہر اندیشہ مین کیسی ہی گرمی ہو یہ کسی طرح ممکن نہین کہ اُسمین صحرا نوردی کا خیال آنے سے خود صحرا جل اُٹھے۔ یا مثلاً امیر مینائی کا یہ شعر ہے

کیا نزاکت ہے جو توڑے شاخِ گل سے کوئی پھول
آتشِ گل سے پڑے چھالے تمہارے ہاتھ مین

نزاکت کسی درجہ کی کیون نہ ہو یہ ممکن نہین کہ آتشِ گل یعنی خود گل کے چھونے سے ہاتھ مین چھالے پڑ جائین۔ یا مثلاً ذوق کا یہ شعر ہے۔

دفن ہے جس جا یہ کشتہ سرد مہری کا ترے
بیشتر ہوتا ہے پیدا واں شجر کافور کا

سرد مہری مین اتنی ٹھنڈک ہو سکتی ہے جتنی کہ لفظ سرد مین۔ پھر اسکے کشتہ کی خاک مین اتنا اثر ہونا کہ اُس سے شجر کا فو پیدا ہو۔ محض الفاظ ہی الفاظ ہین جنمین معنی کا بالکل نشان نہین۔

ہر زبان مین نیچرل شاعری ہمیشہ قدما کے حصہ مین رہی ہے۔ مگر قدما کے اول طبقہ مین شاعری کو قبولیت کا درجہ حاصل نہین ہوتا۔ انہین کا دوسرا طبقہ اسکو سڈول بناتا ہے اور سانچے مین ڈھال کر اسکو خوشنما اور دلربا صورت مین ظاہر کرتا ہے۔ مگر اسکی نیچرل حالت کو اُس خوشنمائی اور دلربائی مین بھی بدستور قایم رکھتا ہے۔ انکے بعد متاخرین کا دورہ شروع ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ قدما کی تقلید سے قدم باہر نہین رکھتے اور خیالات کے اسی دائرہ مین محدود رہتے ہین جو قدمانے ظاہر کیے تھے اور نیچر کے اُس منظر سے جو قدما کے پیش نظر تھا آنکھ اٹھا کر دوسرے طرف نہین دیکھتے تو اُنکی شاعری رفتہ رفتہ نیچرل حالت سے تنزل کرتی ہے۔ یہان تک کہ وہ نیچر کی راہ راست سے بہت دور جا پڑتے ہین۔ اسکی مثال ایسی سمجھنی چاہیے کہ ایک باورچی نے ایسے مقام پر جہان لوگ سالم۔ کچے اور آلونے ماش یا مونگ پانی مین بھیگے ہوے کھاتے تھے اُنھین پانی مین اُبال کر اور نمک ڈال کر لوگون کو کھلایا اُنھون نے اپنی معمولی غذا سے اسی کو بہت غنیمت سمجھا۔ دوسرے باورچی نے ماش یا مونگ دلوا کر اور دال کو دھو کر مناسب مصالح اور گھی ڈال کر کھانا تیار کیا۔ اب تیسرے باورچی کو اگر وہ دال ہی کے پکانے مین اپنی اُستادی ظاہر کرنی چاہتا ہے اسکے سوا اور کوئی موقع تنوع پیدا کرنے کا باقی نہین رہا کہ وہ مقدار مناسب سے زیادہ مرچین اور کھٹائی اور گھی ڈالکر لوگون کو اپنی چٹ پٹی ہانڈی پر فریفتہ کرے۔

اسی مطلب کو ہم دوسری طرح پر دلنشین کرنے مین کوشش کرتے ہین۔ فرض کرو کہ فارسی زبان مین جسپر اُردو شاعری کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ جن لوگون نے اوّل غزل لکھی ہوگی ضرور ہے کہ اُنھون نے عشق و محبت کے اسباب اور دواعی محض نیچرل اور سیدھے سادے طور پر معشوق کی صورت۔ حسن و جمال نگاہ اور ناز و انداز وغیرہ کو قرار دیا ہوگا

انکے بعد لوگون نے انھین باتون کو مجاز اور استعارہ کے پیرایہ مین بیان کیا مثلاً نگاہ و ابرو و غمزہ و ناز و ادا کو مجازاً تیغ و شمشیر کے ساتھ تعبیر کیا۔ اور اس جدت و تازگی سے وہ مضمون زیادہ لطیف و بامزہ ہو گیا متاخرین جب اسی مضمون پر پل پڑے اور انکو قدما کے استعارے سے بہتر کوئی اور استعارہ ہاتھ نہ آیا اور جدت پیدا کرنے کا خیال دامنگیر ہوا۔ انھون نے تیغ و شمشیر کے مجازی معنون سے قطع نظر کی اور اُس سے خاص سروہی یا اصیل تلوار مراد لینے لگے جو قبضہ یا باڑھ۔ پھیلا۔ آب اور تاب اور ڈاب سب کچھہ رکھتی ہے۔ میان مین رہتی ہے۔ گلے مین حمائل کیجاتی ہے۔ زخمی کرتی ہے۔ ٹکڑے اڑاتی ہے۔ سر اتارتی ہے خون بہاتی ہے۔ چورنگ کاٹتی ہے۔ اُسکی دھار تیز بھی ہوسکتی ہے اور کند بھی۔ قاتل کا ہاتھ اُسکے مارنے سے تھک سکتا ہے۔ وہ قاتل کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر سکتی ہے اسکے مقتول کا مقدمہ عدالت مین دائر ہوسکتا ہے اُسکا قصاص لیا جاسکتا ہے اسکے وارثون کو خون بہا دیا جاسکتا ہے۔ غرض کہ جو خواص ایک لوہے کی اصلی تلوار مین ہوسکتے ہین وہ سب اُسکے لئے ثابت کرنے لگے۔

یا مثلاً اگلون نے کسی پر عاشق ہو جانے کو مجازاً دل دادن یا دل باختن یا دل فروختن سے تعبیر کیا تھا رفتہ رفتہ متاخرین نے دل کو ایک ایسی چیز قرار دے لیا جو کہ مثل ایک جواہر یا ایک پھل کے ہاتھ سے چھینا جاسکتا ہے۔ واپس لیا جاسکتا ہے۔ کھویا اور پایا جاسکتا ہے۔ کبھی اسکی قیمت پر تکرار ہوتی ہے۔ سودا بنتا ہے تو دیا جاتا ہے ورنہ نہین دیا جاتا کبھی اُسکو معشوق عاشق سے لیکر کسی طاق مین ڈالکر بھول جاتا ہے۔ اتفاقاً وہ عاشق کے ہاتھ لگ جاتا ہے اور وہ آنکھ بچا کر وہان سے اڑا لاتا ہے۔ پھر معشوق کے ہان اُسکی ڈھنڈیا پڑتی ہے اور عاشق اُسکی رسید نہین دیتا۔ کبھی وہ یارون کے جلسہ مین آنکھون ہی آنکھون مین غائب ہو جاتا ہے۔ سارا گھر چھان مارتے مین کہین پتہ نہین لگتا اتفاقاً معشوق جو بالون مین کنگھی کرتا ہے تو وہ جون کی طرح جھڑ پڑتا ہے۔ کبھی وہ ایسا تلپٹ

ہوجاتا ہے کہ زلف یار کی ایک ایک شکن اور ایک ایک لٹ مین اُسکی تلاش کی جاتی ہے۔ مگر کہین کچھہ سراغ نہین ملتا۔ کبھی وہ بیع بالخیار کے قاعدے سے یار کے ہاتھہ اس شرط پر فروخت کیا جاتا ہے کہ پسند آئے تو رکھنا ورنہ پھیر دینا۔ اور کبھی اُسکا نیلام بول دیا جاتا ہے کہ جو زیادہ دام لگائے وہی لیجائے۔

یا مثلاً اگلون نے معشوق کو اسلیئے کہ وہ گویا لوگون کے دل شکار کرتا ہے مجازاً صیاد باندھا تھا۔ پچھلون نے رفتہ رفتہ اُسپر تمام احکام حقیقی صیاد کے مترتب کر دیئے۔ اب وہ کہین جال لگا کر چڑیان پکڑتا ہے۔ کہین اُنکو تیر مار کر گراتا ہے۔ کہین اُنکو زندہ پنجرے مین بند کرتا ہے۔ کہین اُنکے پر نوچتا ہے کہین اُنکو ذبح کر کے زمین پر تڑپاتا ہے۔ جب کبھی وہ تیر کمان لگا کر جنگل کی طرف جا نکلتا ہے۔ تمام جنگل کے پنچھی اور پکھیرو اُس سے پناہ مانگتے ہین سیکڑون پرندون کے کباب لگا کر کھا گیا۔ بیسیون پنجرے قمریون اور کبوترون اور لوون اور بٹیرون کے اُسکے دروازے پر ٹنگے رہتے ہین۔ سارے چڑی مار اُسکے آگے کان پکڑتے ہین۔

یا مثلاً اگلون نے عشق الٰہی یا محبت روحانی کو جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھہ ہوسکتی ہے مجازاً شراب کے نشہ سے تعبیر کیا تھا۔ اور اس مناسبت سے جام و صراحی۔ خم و پیمانہ۔ ساقی و مے فروش وغیرہ کے الفاظ بطور استعارہ کے استعمال کئے تھے۔ یا بعض شعرائے متصوفین نے شراب کو اس وجہ سے کہ وہ اس دار الغرور کے تعلقات سے تھوڑی دیر کو فارغ البال کرنے والی ہے بطور تفاول کے موصل الی المطلوب قرار دیا تھا رفتہ رفتہ وہ اور اوسکے تمام لوازمات اپنے حقیقی معنون مین استعمال ہونے لگے۔ یہان تک کہ مشاعرہ بلا مبالغہ کلال کی دوکان بنگئی۔ ایک کہتا ہے لا۔ دوسرا کہتا ہے اور لا۔ تیسرا کہتا ہے پیالہ نہین تو دُک ہی سے پلا۔ کچھہ بہک رہے ہین۔ کچھہ للکار رہے ہین۔ کوئی واعظ پر پھبتی کہتا ہے۔ کوئی زاہد کی ڈاڑھی پر ہاتھہ لپکاتا ہے۔ کوئی شیخ کی پگڑی اچھالتا ہے۔

جوان اور بوڑھے - جاہل اور عالم - رند اور پارسا سب ایک رنگ مین رنگے ہوئے ہین - جو ہے نشہ کے خمار مین انگڑائیان لے رہا ہے - جا بجا دیکھو العطش العطش کی پکار ہے -

اسی طرح متاخرین نے ہر مضمون کو جو قدما نیچرل طور پر باندھ گئے تھے نیچر کی سرحد سے ایک دوسرے عالم مین پہنچا دیا معشوق کے دہانہ کو تنگ کرتے کرتے صفحۂ روزگار سے یک قلم مٹا دیا - کمر کو پتلی کرتے کرتے بالکل معدوم کر دیا - زلف کو دراز کرتے کرتے عمر خضر سے بڑھا دیا - رشک کو بڑھاتے بڑھاتے خدا سے بھی بدگمان بن گئے - جدائی کی رات کو طول دیتے دیتے ابد سے جا بھڑایا - الغرض جب پچھلے انہین مضامین کو جو اگلے باندھ گئے ہین اوڑھنا اور بچھونا بنا لیتے ہین تو انکو مجبوراً نیچرل شاعری سے دست بردار ہونا پڑتا ہے -

اس سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ متاخرین کی شاعری ہمیشہ اَن نیچرل ہوتی ہے - نہین بلکہ ممکن ہے کہ متاخرین مین کچھ ایسے لوگ بھی ہون جو قدما کی جولانگاہ کے علاوہ ایک دوسرے میدان مین طبع آزمائی کرین - یا اُسی جولانگاہ کو کسی قدر وسعت دین - یا زبان مین بہ نسبت متقدمین کے زیادہ گھلاوٹ اور لوچ اور وسعت اور صفائی پیدا کرین چنانچہ ہم دیکھتے ہین کہ لکھنؤ مین میر انیس نے مرثیہ کو بے انتہا ترقی دی ہے اور نواب مرزا شوق نے مثنوی کو زبان اور بیان کے لحاظ سے بہت صاف کیا ہے - اسی طرح دلی مین ذوق - ظفر - اور خاصکر داغ نے غزل کی زبان مین نہایت وسعت و صفائی اور بانکپن پیدا کر دیا ہے

(حالی)

مرزا اسد اللہ خان غالب کی اُردو نثر پر ریویو

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا ۱۸۵۰ء تک ہمیشہ فارسی مین خط و کتابت کرتے تھے مگر سنہ مذکور مین جبکہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیے گئے اور ہمہ تن مہر نیم روز کے لکھنے مین مصروف ہو گئے اُسوقت بضرورت اُنکو اردو مین خط کتابت کرنی پڑی ہو گی - وہ فارسی نثر مین اور

اکثر فارسی خطوط جنمین قوت متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بہی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے نہایت کاوش سے لکہتے تہے۔ پس جب اُنکی ہمت مہرنیمروز کی ترتیب و انشامین مصروف تہی ضرور ہے کہ اسوقت اُنکو فارسی زبان مین خط وکتابت کرنی اور وہ بہی اپنی طرز خاص مین شاق معلوم ہوئی ہوگی۔ اسلئے قیاس چاہتا ہے کہ انہون نے غالبًا ۱۸۵۰ء کے بعد سے اُردو زبان مین خط لکہنے شروع کئے ہین۔ چنانچہ وہ ایک خط مین لکہتے ہین کہ فارسی زبان مین خطون کا لکہنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدمون سے محنت پژوہی اور جگرکاوی کی قوت مجھ مین نہین رہی۔ حرارت غریزی کو زوال ہے اور حال ہے

مضمحل ہوگئے قویٰ غالب — اب عناصر مین اعتدال کہان

غالبًا اُردو زبان مین تحریر اختیار کرنے کو مرزا نے اوّل اوّل اپنی شان کے خلاف سمجہا ہوگا مگر بعض اوقات انسان اپنے جس کام کو حقیر اور کم وزن خیال کرتا ہے وہی اُسکے شہرت اور قبولیت کا باعث ہوجاتا ہے۔ جہان تک دیکہا جاتا ہے مرزا کی عام شہرت ہندوستان مین جسقدر اُنکی اُردو نثر کی اشاعت سے ہوئی ہے ویسی نظم اُردو اور نظم فارسی اور نثر فارسی سے نہین ہوئی۔ اگرچہ لوگ عمومًا مرزا کو فارسی کا بہت بڑا شاعر جانتے تہے اور اُنکے اُردو دیوان کو بہی ایک عالی رتبہ کلام عام افہام سے بالاتر سمجہتے تہے۔ مگر لوگون کا ایسا خیال کرنا محض تقلیدًا تہا نہ تحقیقًا وہ خود اپنے ایک مرتبہ دان اور پایہ شناس دوست کو خط مین لکہتے ہین میرے فارسی قصیدے کہ جن پر مجہکو ناز ہے کوئی اُنکا لطف نہین اُٹہاتا۔ مگر بطریق ادعا ان کہ یہ شخص فارسی خوب کہتا ہے۔ داد سخن کہان اور ادراک پایہ معنی کہان۔ مہرنیمروز کے پانسات جزو جو آپکے پاس بہیجے ہین میری خاطر نہ کیجیے۔ انصاف سے کہئے کہ یہ نثر کہین اور ہے۔ اور پہر اُس نثر کا کوئی مشتاق نہو۔

اگرچہ مرزا کی اُردو نثر کی قدر بہی جیسی کہ چاہئے ویسی نہین ہوئی۔ چنانچہ بعض اوقات تحریرون مین دیکہا گیا کہ اُردوی معلی اور بوستان خیال کی عبارت کو ایک مرتبے مین رکہا گیا

ہے۔لیکن پھربھی مرزاکی اُردو نثر کے قدردان بہ نسبت ناقدر دانون کے ملک مین بہت زیادہ نکلین گے۔

مرزاکی اُردو نثر مین زیادہ تر خطوط و رقعات ہین چند تقریظین اور دیباچے ہین اور تین مختصر رسالے ہین۔جو برہان قاطع کے طرفدارون کے جواب مین لکھے ہین۔ لطائف غیبی تیغ تیز اور نامہ غالب اسکے سوا چند اجزا ایک ناتمام قصے کے بھی ہین۔جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تہا۔ ان مین سب سے زیادہ دلچسپ اور لطف انگیز اُنکے خطوط ہین جنمین سے زیادہ تر اُردوے معلی مین اور اُس سے کم عود ہندی مین جمع کرکے چھپوائے گئے ہین۔

مرزاکی اُردو خط وکتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے۔نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط کتابت مین یہ رنگ اختیار کیا اور نہ اُنکے بعد کسی سے اُسکی پوری پوری تقلید ہوسکی اُنہون نے القاب وآداب کا پُرانا اور فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتین جنکو مترسلین نے لوازم نامہ نگاری مین سے قرار دے رکھا تہا مگر درحقیقت فضول اور دوراز کار تہین سب اُڑادین۔وہ خط کو کبھی میان کبھی برخوردار کبھی بہائی صاحب۔کبھی مہاراج کبھی کسی اور مناسب لفظ سے آغاز کرتے ہین۔اُسکے بعد مطلب لکھتے ہین۔اور اکثر بغیر اس قسم کے الفاظ کے سرے ہی سے مدعا لکھنا شروع کردیتے ہین۔

اداے مطالب کا طریقہ بالکل ایسا ہے جیسے دو آدمی بالمشافہ بات چیت یا سوال وجواب کرتے ہین۔مثلاً اُنکو یہ لکھنا تہا کہ محمد علی بیگ میرے کوٹھے کے نیچے سے گذرا مین نے پوچھا کہ لوہارو کی سواریان روانہ ہوگئین اُسنے کہا ابہی نہین ہوئین۔مین نے پوچھا کیا آج نہ جائینگی اُسنے کہا آج ضرور جائینگی۔تیاری ہورہی ہے۔اس مطلب کو اُنہون نے اسطرح ادا کیا ہے محمد علی بیگ ادہر سے نکلا بھئی محمد علی بیگ۔لوہارو کی سواریان روانہ ہوگئین۔حضرت ابہی نہین۔کیا آج نہ جائینگی۔آج ضرور جائینگی۔تیاری ہورہی ہے

میر مہدی مجروح کو خط لکھا ہے اسمین لکھنا یہ ہے کہ میرن صاحب آئے اور اُن سے
یہ یہ باتین ہوئین - مگر وہ اسطرح نہین لکھتے بلکہ اُسکو اس طرح شروع کرتے ہین -
اے میرن صاحب - السلام علیکم - حضرت آداب - کہو صاحب آج اجازت ہے میر مہدی
کے خط کا جواب لکھنے کی - حضور مین کیا منع کرتا ہون - مگر مین اپنے ہر خط مین آپکی طرف
سے دعا لکھدیتا ہون - پھر آپ کیون تکلیف کرین - نہین میرن صاحب اُسکے خط کو
آئے ہوے بہت دن ہوے ہین - وہ خفا ہوا ہوگا - جواب لکھنا ضرور ہے - حضرت وہ
آپ کے فرزند ہین - آپ سے خفا کیا ہونگے - بھائی آخر کوئی وجہ تو بتاؤ کہ تم مجھے خط
لکھنے سے کیون باز رکھتے ہو - سبحان اللہ - اے لو حضرت آپ تو خط نہین لکھتے اور مجھہ سے
فرماتے ہین کہ تو باز رکھتا ہے - اچھا تم باز نہین رکھتے مگر یہ کہو کہ تم کیون نہین چاہتے کہ مین
میر مہدی کو خط لکھون - کیا عرض کرون - سچ تو یہ ہے کہ جب آپکا خط جاتا اور وہ پڑھا جاتا
تو مین سُنتا اور حظ اُٹھاتا - اب جو مین وہان نہین ہون تو نہین چاہتا کہ آپ کا خط جاے
مین اب پنجشنبہ کو روانہ ہوتا ہون - میری روانگی کے تین دن بعد آپ خط شوق سے
لکھئے گا - میان بیٹھو - ہوش کی خبر لو - تمھارے جانے نہ جانے سے مجھے کیا علاقہ - مین
بوڑھا آدمی - بھولا آدمی تمھاری باتون مین آگیا - اور آجتک اُسے خط نہین لکھا - لاحول
ولا قوۃ - اسکے بعد میر مہدی سے مخاطب ہوکر اصل مطلب لکھتے ہین -

بعض جگہہ مکتوب الیہ کو خطاب کرتے کرتے اُسکو غائب فرض کر لیتے ہین - یہانتک
کہ جو لوگ مرزا کے انداز بیان سے واقف نہین وہ اُسکو مکتوب الیہ کا غیر سمجھہ لیتے ہین مثلاً
میر مہدی کو لکھتے ہین - میر مہدی جیتے رہو - آفرین صد ہزار آفرین - اُردو عبارت لکھنے
کا کیا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجکو رشک آنے لگا ہے - سُنو دلی کے تمام مال و متاع
و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطے مین گئی ہے - یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی سو
ایک ظالم پانی پت انصاریون کے محلے کا رہنے والا لوٹ لے گیا - مگر مین نے اُسکو بحل کیا -

اللہ برکت دے۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت مین ایک ظالم سے مراد خود میر مہدی مجروح ہین۔ کیونکہ غدر کے بعد وہ پانی پت کے محلہ مذکور مین کئی سال مقیم رہے تھے۔ مگر جو لوگ مرزا کی اٹکیلی چالون سے ناواقف ہین وہ غلطی سے اُسکے دوسرے معنی سمجھ جاتے ہین۔ اکثر لوگون کو اس خیال سے کہ راقم بھی پانی پت انصاری محلے کا رہنے والا ہے۔ ان الفاظ سے یہ دہوکا ہوا ہے کہ مرزا صاحب نے میری نسبت لکھا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ مین نے جسقدر اُنکو سمجہایا کہ یہ خود میر مہدی ہی کی نسبت لکھا ہے۔ میری نسبت نہین لکھا اُسیقدر اُنکو اس بات کا زیادہ خیال ہوا کہ مین ازراہ کسرنفسی کے ایسا کہتا ہون۔

مغربی طریقے پر جو قصّے لکھے جاتے ہین اُنمین اکثر اس قسم کے سوال وجواب ہوتے ہین جیسے کہ مرزا کی تحریرون مین ہم اوپر دکھا چکے ہین۔ مگر وہان پر سوال وجواب کے سرے پر سائل اور مجیب کا نام یا اُنکے نامون کی کوئی علامت لکھدیجاتی ہے۔ ورنہ یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ سوال کہان ختم ہوا اور جواب کہان سے شروع ہوا۔ مرزا ایسے موقع پر سائل ومجیب کا نام نہین لیتے۔ اور نہ اُنکے نام کی علامت لکھتے ہین۔ مگر سوال جواب کے ضمن مین ایک ایسا لفظ لے آتے ہین جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ سوال کیا ہے جواب کیا۔ شاید قصّے یا نوول مین یہ بات نہ چل سکے مگر خطوط مین تو مرزا نے یہ راہ بالکل صاف کردی ہے۔

مرزا کی طرز تحریر کی جو خصوصیتین اوپر مذکور ہوئین یہ کوئی ایسی چیز نہین ہے کہ اور لوگ اوسکی پیروی نہ کرسکین مگر وہ چیز جس نے اُنکے مکاتبات کو نوول اور ڈراما سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخی تحریر ہے جو اکتساب یا مشق ومہارت یا پیروی وتقلید سے حاصل نہین ہو سکتی۔ ہم دیکھتے ہین کہ بعض لوگون نے خط کتابت مین مرزا کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اپنے مکاتبات کی بنیاد بذلہ سنجی اور ظرافت پر رکھنی چاہی ہے مگر اُنکی

اور مرزا کی تحریر مین وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور بہروپ مین ہوتا ہے
مرزا کی طبیعت مین شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسی ستار کے تار مین سُر بھرے ہوے ہوتے
ہین - اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی خلاق ہے اُسکو مرزا کی دماغ کے ساتھ وہی
نسبت تھی جو قوت پرواز کو طائر کے ساتھ - اگرچہ مرزا کے بعد نثر اردو مین بے انتہا وسعت
اور ترقی ہوئی ہے - علمی - اخلاقی - پولیٹکل - سوشل - اور بعض مضامین کے لوگون نے
دریا بہا دیے ہین - بائیوگرافی اور ناول مین بھی متعدد کتابین نہایت ممتاز لکھی گئی ہین - باوجود
اسکے مرزا کی تحریر خط کتابت کے محدود دایرے مین بلحاظ دلچسپی اور لطف بیان کے اب بھی
اپنا نظیر نہین رکھتی -

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا خط لکھتے وقت ہمیشہ اس بات کو نصب العین رکھتے تھے کہ خط
مین کوئی ایسی بات لکھی جاے کہ مکتوب الیہ اُسکو پڑھ کر محظوظ اور خوش ہو - پھر جس رتبے
کا مکتوب الیہ ہوتا تھا اُسکی سمجھ اور مذاق کے موافق خط مین شوخیان کرتے تھے - مثلاً
اپنے ایک دوست کو خط لکھا ہے اُسمین اُنکی لڑکی کو جو بچپن مین مرزا کے سامنے آتی
تھی اور اب جوان ہوگئی ہے بعد دعا کے لکھتے ہین کیون بھئی اب ہم اگر کول آئے بھی
تو تمکو کیونکر دیکھین گے - کیا تمھارے ملک مین بھتیجیان چچا سے پردہ کرتی ہین یا مثلاً
نواب امیر الدین احمد خان کو جواب رئیس لوہارو ہین - اُنکے بچپن کے زمانے مین
اُنکے رقعے کا جواب جس مین مرزا کو دادا صاحب لکھا تھا اس طرح لکھتے ہین - اے مردم
چشم جہان بین غالب پہلے القاب کے معنی سمجھ لو - یعنی چشم جہان بین غالب کی پتلی -
چشم جہان بین تمھارا باپ مرزا علاء الدین احمد خان بہادر - او پتلی تم - میان تمھارے
دادا تو نواب امیر الدین خان بہادر ہین - مین تو صرف تمھارا دلدادہ ہون -

ایک دوست کو دسمبر ۱۸۵۷ء کی اخیر تاریخون مین خط لکھا ہے اُنھون نے اُسکا
جواب جنوری ۱۸۵۸ء کی پہلی یا دوسری کو لکھ بھیجا اُسکے جواب مین اُن کو اس طرح

لکھتے ہین - دیکھو صاحب یہ باتین ہمکو پسند نہین ۱۸۵۸ء کے خط کا جواب ۱۸۵۹ء مین بھیجتے ہو - اور مزا یہ کہ جب تم سے کہا جائیگا تو یہ کہوگے کہ مین نے دوسرے ہی دن جواب لکھا ہے

ایک دوست کو رمضان مین خط لکھا ہے اُس مین لکھتے ہین دہوپ بہت تیز ہے روزہ رکھتا ہون مگر روزے کو بہلاتا رہتا ہون - کبھی پانی پی لیا کبھی حقہ پی لیا کبھی کوئی ٹکڑا روٹی کا بھی کھا لیا - یہان کے لوگ عجب فہم رکھتے ہین مین تو روزہ بہلاتا ہون اور یہ صاحب فرماتے ہین کہ تو روزہ نہین رکھتا - یہ نہین سمجھتے کہ روزہ نہ رکھنا اور چیز ہے اور روزہ بہلانا اور بات ہے -

جس زمانے مین برہان قاطع پر اعتراض لکھے ہین اور لوگون نے مرزا کی سخت مخالفت اور مؤلف بُرہان کی حمایت کی ہے ایک خط مین صاحب بُرہان کا ذکر کرنیکے بعد اُسکی اور اُسکے طرفدارون کی نسبت لکھتے ہین - ان فرہنگ لکھنے والون کا مدار قیاس پر ہے جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھدیا نظامی و سعدی کی لکھی ہوئی کوئی فرہنگ ہو تو ہم اُسکو مانین ہندیون کو کیونکر مسلم الثبوت جانین - ایک گائے کا بچہ بزور سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا - بنی اسرائیل اُسکو خدا سمجھے -

ایک خط کے آخر مین جو نواب علاءالدین خان کو لکھا ہے لکھتے ہین - اُستاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری پھپھی اُنکی چچی تھین اور یہ مجھ سے عمر مین چھوٹے ہین - دعا - اور اس رو سے کہ دوست ہین اور دوستی مین کمی بیشی سن و سال کی رعایت نہین کرتے - سلام - اور اس سبب سے کہ اُستاد کہلاتے ہین - بندگی - دُرود -

ایک خط مین برسات کی شدت کا ذکر کرتے کرتے لکھتے ہین - دیوان خانے کا حال محلسرا سے بدتر ہے مین مرنے سے نہین ڈرتا فقدان راحت سے گھبرا گیا ہون چھت چھلنی ہو گئی ہے - ابر دو گھنٹے برسے تو چھت چار گھنٹے برستی ہے -

نواب علاءالدین خان اور اُنکے والد نواب امین الدین خان مین کچھ شکر رنجی ہے -

باپ دلی آئے ہیں اور بیٹے کو لوہارو چھوڑ آئے ہیں۔ مرزا نواب علاء الدین خان کو خط میں لکھتے ہیں۔ سنا گیا کہ نواب امین الدین خان صاحب نے اپنی کوٹھی میں نزول اجلال کیا۔ پھر دن رہے از راہ مہربانی ناگاہ میرے ہان تشریف لائے میں نے تمہیں پوچھا کہ وہ کیون نہین آئے۔ بھائی صاحب بولے کہ جب میں یہان آیا تو کوئی وہان بھی تو رہے۔ اس سے علاوہ وہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتے ہین۔ مینے کہا اتنا ہی جتنا تم اُسکو چاہتے ہو۔ ہنسنے لگے۔ غرضکہ مین نے بظاہر اُنکو تم سے اچھا پایا۔ آگے تم لوگون کے (یعنی احمد بخش خانیون کے) دلون کا اللہ مالک ہے۔

ایک دفعہ کثرت اخراجات سے تنگ آکر بعضے ضروری خرچ بند کر دئے ہین۔ یہانتک کہ شراب پینا بھی چھوڑ دیا ہے نواب علاء الدین خان نے اپنے والد کے اشارے سے اسکا سبب دریافت کیا اور مولوی حمزہ خان کی طرف سے بطور نصیحت کے مرزا صاحب کو یہ شعر لکھا ہے۔ "چون پیر شدی حافظ از میکدہ بیرون شو"۔ اُسکا جواب اسطرح لکھتے ہین۔ بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہین ہے کہ اِدہر متھرا داس سے قرض لیا اُدہر درباری مل کو جا مارا۔ اِدہر خوب چند چین سُکہ کی کوٹھی جا لوٹی۔ ہر ایک پاس تمسک مہری موجود۔ شہد لگاؤ اور چاٹو۔ نہ مول نہ سود اس سے بڑھکر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل بھیجی کے سر۔ با این ہمہ کبھی خان نے کچھ دیدیا کبھی الور سے کچھ دلوا دیا۔ کبھی مان نے کچھ آگرے سے بھجدیا۔ اب مین اور باسٹھ روپے آٹھ آنے کلکٹری کے سو روپیئے رام پور کے۔ قرض دینے والا ایک مختار کار۔ وہ سود ماہ بماہ لیا چاہے۔ مول تین قسط اُسکو دینی پڑی انکم ٹکس جدا چوکیدار جدا سود جدا مول جدا۔ بی بی جدا۔ بچے جدا۔ شاگرد پیشہ جدا۔ آمد وہی ایک سو باسٹھ [۱۶۲]۔ تنگ آگیا۔ گذارا مشکل ہوگیا۔ روزمرہ کا کام بند رہنے لگا۔ سوچا کہ کیا کرون کہان سے گنجایش نکالون۔ قہر درویش بجان درویش۔ صبح کی تبرید متروک۔ چاشت کا گوشت آدھا۔ رات کی شراب و گلاب موقوف۔ بیس بائیس روپیئے مہینا بچا۔ روزمرہ

کا خرچ چلا۔ یاروں نے پوچھا تبرید و شراب کب تک نہ پیو گے۔ کہا گیا کہ جب تک وہ نہ
پلائینگے۔ پوچھا کہ نہ پیو گے تو کس طرح جیو گے۔ جواب دیا کہ جس طرح وہ چلائینگے۔
بارے مہینہ پورا نہیں گذرا تھا کہ رامپور سے علاوہ وجہ مقرری کے اور روپیہ آگیا۔ قرض
مقسط ادا ہوگیا۔ متفرق رہا خیر۔ صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہوگئی گوشت پورا
آنے لگا۔ چونکہ بھائی نے وجہ موقوفی و بحالی پوچھی تھی انکو یہ عبارت پڑھا دینا۔

ایک خط میں تعلقات خانہ داری کی اس طرح شکایت کرتے ہیں۔ سنو عالم دو ہیں
ایک عالم ارواح اور ایک عالم آب و گل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک ہے جو خود
فرماتا ہے لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ اور پھر آپ ہی جواب دیتا ہے لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَہَّارِ۔ ہر چند
قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گل کے مجرم عالم ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی
ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب
۱۲۱۲ ہجری میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا (یعنی پیدا ہوا) تیرہ برس حوالات میں
رہا۔ ساتویں رجب ۱۲۲۵ ہجری کو میرے واسطے حکم دوام حبس (یعنی نکاح) صادر ہوا۔
ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈالدی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا۔ اور مجھے اس زندان
میں ڈالدیا۔ فکر نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد میں جیلخانہ سے بھاگا تین برس
بلاد شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایان کار مجھے کلکتے سے پکڑ لائے اور پھر اسی محبس میں بٹھا دیا۔
جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو ہتکڑیاں اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار ہاتھ
ہتکڑیوں سے زخمدار مشقت مقرری اور مشکل ہوگئی۔ طاقت یک قلم زائل ہوگئی۔ بےحیا
ہوں۔ سال گذشتہ بیڑی کو زاویہ زندان میں چھوڑ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ
مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑ آیا۔ اب عہد
کیا کہ پھر نہ بھاگونگا۔ بھاگونگا کیا۔ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی دیکھئے
کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اس ماہ ذی الحجہ میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر

بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہین نہین جاتا۔ مین بعد نجات سید ہا عالم ارواح کو چلا جاؤن گا۔

الغرض مرزا کے خطوط و رقعات مین ایسے خطوط بہت کم نکلین گے جن مین اس قسم کی ظرافت اور ہنسی کی باتین مندرج نہون۔ یہانتک کہ رنج و افسردگی کا بیان بھی اس قسم کی چھیڑ سے خالی نہین ہوتا۔

منشی نبی بخش مرحوم کو لکھتے ہین۔ بھائی صاحب مین بھی تمہارا ہمدرد ہوگیا۔ یعنی منگل کے دن ۱۸۔ ربیع الاول کو شام کے وقت میری وہ پھپھی کہ بچپن سے آجتک اُسکو مان سمجھا تہا اور وہ بھی مجھکو بیٹا سمجھی تہی مر گئی آپکو معلوم رہے کہ پرسون میرے گویا نو آدمی مرے۔ تین پھپھیان اور تین چچا اور ایک باپ اور ایک دادی اور ایک دادا یعنی اس مرحومہ کے ہونے سے مین جانتا تہا کہ یہ نو آدمی زندہ ہین۔ اور اُسکے مرنے سے جانا کہ یہ نو آدمی آج ایک بار مر گئے۔

فتح دہلی کے بعد جو شہر مین سناٹا ہوگیا ہے اُسکی کیفیت ایک خط مین منشی ہرگوپال تفتہ کو اس طرح لکھتے ہین۔ صاحب تم جانتے ہو کہ یہ معاملہ کیا ہے اور کیا واقع ہوا۔ وہ ایک جنم تہا کہ جس مین ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم مین تم مین معاملات مہر و محبت درپیش آئے۔ شعر کہے دیوان جمع کئے اُسی زمانے مین ایک اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست تھے اور منشی نبی بخش اُنکا نام اور حقیر تخلص تہا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط نہ وہ انبساط۔ بعد چند مدت کے پھر دوسرا جنم ہمکو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی بعینہٖ مثل پہلے جنم کے ہے۔ یعنی ایک خط مین نے منشی نبی بخش صاحب کو بھیجا۔ اُنکا جواب مجھکو آیا۔ اور ایک خط تمہارا کہ تم بھی موسوم بہ منشی ہرگوپال و متخلص بتفتہ ہو آج آیا۔ اور مین جس شہر مین ہون اُسکا نام بھی دلی اور اس محلے کا نام بھی بلی ماروں کا محلہ ہے۔ لیکن ایک دوست اُس جنم کے دوستون مین سے نہین پایا جاتا۔ واللہ ڈھونڈنے

کو مسلمان اس شہر مین نہین ملتا۔ کیا امیر کیا غریب کیا اہل حرفہ اگر کچھ ہین تو باہر کے ہین
ہنوز البتہ کچھ کچھ آباد ہو گئے ہین۔

بعض خطوط مین یاس و حسرت و افسردگی اور دنیا کی بے ثباتی و بے اعتباری کا بیان
نہایت موثر طریقے مین کیا ہے جس سے انکے خیالات معلوم ہوتے ہین مثلاً۔

ایک خط مین لکھتے ہین ناتوانی زور پر ہے بڑھاپے نے نکما کر دیا ضعف سستی کاہلی
گرانجانی۔ رکاب مین پاؤن ہے باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر دور و دراز درپیش ہے۔
زاد راہ موجود نہین۔ خالی ہاتھ جاتا ہون۔ اگر ناپرسیدہ بخش دیا تو خیر اور اگر باز پرس ہوئی
تو سقر مقر ہے اور ہاویہ زاویہ ہے دوزخ جاوید ہے اور ہم ہین۔ ہائے کسی کا کیا اچھا
شعر ہے۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہین کہ مر جائینگے — مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائینگے

ایک اور خط مین منشی ہرگوپال کو لکھتے ہین۔ تم مشق سخن کر رہے ہو اور مین مشق فنا
مین مستغرق ہون۔ بوعلی سینا کے علم اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موہوم
جانتا ہون زیست بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے باقی حکمت اور سلطنت اور
شاعری اور ساحری سب خرافات ہے ہندوؤن مین اگر کوئی اوتار ہوا تو کیا۔ اور مسلمانون
مین نبی ہوا تو کیا۔ دنیا مین نامآور ہوئے تو کیا اور گمنام جئے تو کیا کچھ معاش ہو کچھ صحت
جسمانی باقی سب وہم ہے اے یار جانی۔ ہرچند وہ بھی وہم ہے مگر مین ابھی اسی پایہ پر
ہون۔ شاید آگے بڑھکر یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور وجہ معیشت اور صحت و راحت سے
بھی گذر جاؤن۔ عالم بیرنگی مین گذر پاؤن جس سناٹے مین ہون وہان تمام عالم بلکہ دونون
عالم کا پتہ نہین۔ ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے دیے جاتا ہون۔ یہ دریا نہین ہے سراب
ہے ہستی نہین پندار ہے۔ ہم تم دونون اچھے خاص شاعر ہین مانا کہ سعدی و حافظ کے
برابر مشہور ہوئے انکو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ ہمکو تمکو ہوگا۔

مرزا نے بعض اردو خطوط میں اور خاصکر اردو تقریظوں میں مسجع عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے۔ اگرچہ اس زمانے میں ایسا التزام تکلفات باردہ میں شمار کیا جاتا ہے خصوصاً اردو جو بمقابلہ عربی یا سنسکرت وغیرہ کے ایک نہایت محدود زبان ہے وہ اس قسم کے تصنع اور تنگی کی متحمل نہیں معلوم ہوتی۔ مگر مرزا نے جس قسم کی مسجع عبارت اردو خطوط یا تقریظوں وغیرہ میں لکھی ہے اسپر گرفت مشکل سے ہو سکتی ہے۔ عربی اور سنسکرت زبان کے سوا اور زبانوں کی مسجع نثروں میں عموماً یہ عیب ہوتا ہے کہ دوسرے فقرے میں جو پہلے فقرے کی رعایت سے خواہ مخواہ قافیہ تلاش کرنا پڑتا ہے تو اسمیں تصنع اور آورد کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے اور اسلئے پہلے فقرے کے مقابلے میں دوسرا فقرہ کمزور ہو جاتا ہے۔ مگر مرزا کی مسجع نثر میں یہ بات بہت کم دیکھی جاتی ہے۔ دوسرے فقرے میں تقریباً ویسی ہی بے تکلفی پائی جاتی ہے جیسی پہلے فقرے میں۔ اور یہ بات اس شخص سے بن پڑتی ہے جو باوجود خوش سلیقگی اور لطف طبیعت کے شاعری میں غایت درجہ کا کمال رکھتا ہو اور وزن و قافیہ کی جانچ اور تول میں ایک عمر بسر کر چکا ہو۔ یہاں اسکی مثالیں لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مرزا کے اردو رقعات میں اسکی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ مگر یہ معلوم رہے کہ مقفّی عبارت مرزا خاصکر ان خطوں میں لکھتے تھے جنسے ہنسی ظرافت اور مخاطب کا خوش کرنا مقصود ہوتا تھا ورنہ واقعات کا بیان مصائب کا ذکر یا تعزیت یا ہمدردی کا اظہار ہمیشہ سیدھی سادی نثر میں کرتے تھے۔ مثلاً سید یوسف مرزا کو انکے باپ کی تعزیت میں لکھتے ہیں۔

یوسف مرزا کیونکر تجھکو لکھوں کہ تیرا باپ مر گیا۔ اور اگر لکھوں تو آگے کیا لکھوں کہ اب کیا کرو۔ مگر صبر۔ یہ ایک شیوۂ فرسودہ ابنائے روزگار کا ہے۔ تعزیت یوں ہی کیا کرتے ہیں اور یہی کہا کرتے ہیں۔ صبر کرو۔ ہائے۔ ایک کا کلیجہ کٹ گیا ہے اور لوگ اُسے کہتے ہیں کہ تو نہ تڑپ بھلا کیونکر نہ تڑپے گا۔ صلاح اس امر میں نہیں بتائی جاتی دعا کو دخل نہیں۔ دوا کا لگاؤ نہیں۔ پہلے بیٹا مرا۔ پھر باپ مرا۔ مجھسے اگر کوئی پوچھے کہ بے سروپا کسکو کہتے ہیں

تو مین کہونگا یوسف مرزا کو - تمہاری دادی لکھتی ہین کہ رہائی کا حکم ہو چکا تھا - اگر یہ بات سچ ہے تو جوانمرد ایک بار دونون قیدون سے چھوٹ گیا - نہ قید حیات رہی نہ قید فرنگ -

اُنہین کو بیٹے کی تعزیت اس طرح لکھتے ہین - اے میری جان - اے میری آنکھو وہ خدا کا مقبول بندہ تھا - وہ اچھی روح اور اچھی قسمت لیکر آیا تھا یہان رہکر کیا کرتا - ہرگز غم نہ کرو اور اگر ایسی ہی اولاد کی خوشی ہے تو ابھی تم خود بچے ہو خدا تمکو جیتا رکھے - اولاد بہت - نانا - نانی کے مرنیکا ذکر کیون کرتے ہو وہ اپنی اجل سے مرے ہین - بزرگون کا مرنا بنی آدم کی میراث ہے - کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد مین ہوتے اور اپنی آبرو کھوتے - ہان مظفر الدولہ کا غم منجملہ واقعات کربلا کے ہے - یہ داغ جیتے جی نہ مٹیگا -

مرزا نے چند تقریظین اور دیباچے بھی اُردو زبان مین لکھے ہین اور ان سب مین مسجع اور مقفی عبارت لکھنے کا التزام کیا ہے - جو بے تکلفی اور صفائی مرزا کے خطون مین پائی جاتی ہے وہ ان تقریظون اور دیباچون مین نہین ہے - خصوصاً مسجع کی رعایت نے اُن مین آورد اور تصنع کا رنگ زیادہ پیدا کر دیا ہے - لیکن مرزا کو اس مین معذور سمجھنا چاہیے جو لوگ تقریظون اور دیباچون کی فرمایش کرتے تھے وہ بغیر ان تکلفات باردہ کے ہرگز خوش ہونے والے نہ تھے - جو طریقہ اس زمانے مین ریویو لکھنے کا نکلا ہے اُسکو اب بھی بہت کم لوگ ناپسند کرتے ہین - اور مرزا کے وقت مین تو اُسکا کہین نام و نشان بھی نہ تھا - بااین ہمہ ان مین سے بعض نثرین مرزا کی روش خاص مین نہایت ممتاز ہین -

(مولوی الطاف حسین حالی)

شمس العلما مولنا حافظ نذیر احمد دہلوی

پیدائش نگینہ ضلع بجنور ۱۸۳۶ء   وفات دہلی ۱۹۱۲ء

۶ - دسمبر ۱۸۳۶ء روز شنبہ کو نواح تحصیل نگینہ ضلع بجنور مین پیدا ہوئے

اپنے والد مولوی سعادت علی کے ہمراہ خاص شہر بجنور میں رہتے تھے۔ مگر سن تمیز کو پہونچنے کے بعد سے برابر دہلی ہی میں رہے۔

آپنے فارسی کتابیں اپنے والد ہی سے پڑہیں۔ عربی کی ابتدائی کتابیں مولوی نصراللہ خان سے اُسکے بعد مولوی عبدالخالق صاحب سے پڑہیں جنوری ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج میں داخل ہوئے۔ کالج مذکور سے نکلنے کے بعد ابتدا آپ ضلع گجرات کے ایک اسکول میں ... پر ملازم ہوئے ۱۸۵۵ء میں ... برس کے بعد وہ ملازمت ترک کر کے کانپور کے ڈپٹی انسپکٹر ... پر مقرر ہوئے ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد آپ الہ آباد کے ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہوئے۔ عبداللہ خاں اہل عدالت کے مکان پر آپکا قیام تھا انہیں کی تحریک سے آپنے انگریزی شروع کر دی۔ اور اُسکو بقدر ضرورت خوب حاصل کر لیا حیدرآباد میں جا کر آپنے تلنگی سیکھی۔ پیرانہ سالی میں دہلی میں آپنے سنسکرت پڑہی۔

آپنے گورنمنٹ کے حکم سے انکم ٹکس اور تعزیرات ہند کا ترجمہ انگریزی سے اردو میں کیا۔ اس صلہ میں آپکو ۱۸۶۱ء میں کانپور کی تحصیلداری ملی۔ اُسکے بعد آپنے ضابطہ فوجداری و قانون شہادت کا ترجمہ کیا اس صلہ میں ۱۸۶۳ء میں کانپور ہی میں آپ ڈپٹی کلکٹر ہوئے وہاں سے گورکھپور جالون اعظم گڈھ وغیرہ تبدیل ہوتے رہے۔

نواب محسن الملک اور نواب عماد الملک مولوی سید حسن صاحب بلگرامی کی تحریک سے سر سالار جنگ نے ۱۸۷۷ء میں آپکو حیدرآباد میں طلب کیا۔ وہاں ایک ہزار تنخواہ دو سو چالیس بھتہ پر ایک بڑے عہدہ سے سرفراز ہوئے۔ وہاں کا کام نہایت خوبی سے انجام دیکر سبکدوش ہوئے دہلی میں آکر خانہ نشین ہوئے۔ ۲۸۔ اپریل روز جمعہ ۱۹۱۲ء کو ۸ بجے دن کو بعارضہ فالج انتقال ہوا۔

آپنے اردو زبان کو بہت بڑی مدد پہونچائی آخر وقت تک تالیف و تصنیف سے آپکا قلم نہیں رکا۔ منتخب الحکایات۔ چند پند۔ توبۃ النصوح۔ مرآۃ العروس۔ بنات النعش۔ ابن الوقت۔ محصنات۔ رویائے صادقہ۔ الحقوق والفرائض۔ ترجمۂ القرآن۔ موعظۂ حسنہ۔ اور بہت سی کتابیں اور لکچر اسپیچیں آپکی یادگار ہیں۔

آپکی تحریر میں سادگی ہے۔ امثال و محاورات کا استعمال زیادہ کرتے ہیں

لہذا مذہب کو محکوم عقل بنانا سخت غلطی ہے۔

بلاشبہہ مبدأ فیاض نے انسان کو ظاہری اور باطنی جتنی قوتیں دی ہیں سب میں عقل بڑی زبردست ہے۔ اور وہی مدار تکلیف شرع بھی ہے۔ لیکن ہیچ برین نیست کہ عقل بھی ایک قوت ہے۔ اور جیسی طرح انسان کی دوسری قوتیں محدود اور ناقص ہیں اسی طرح عقل بھی محدود اور ناقص ہے۔ مثلاً آنکھ کہ ایک خاص فاصلے پر دیکھ سکتی ہے اس سے باہر نہیں پھر بے روشنی کے کام نہیں دیتی۔ اجسام کثیف میں نفوذ نہیں کرتی۔ اگر دیکھنے والا متحرک ہو (مثلاً فرض کرو کہ کشتی یا ریل میں ہو) تو وہ الٹا ٹھہری ہوئی چیزوں کو متحرک دیکھتا ہے اور اپنے تئیں ٹھہرا ہوا تیز حرکت بشکل معلوم ہوتی ہے۔ جیسے لڑکے گلگٹی سے کھیلتے ہیں۔ پیالے میں تھوڑا سا پانی بھر کر لکڑی کھڑی کریں تو لچکی ہوئی دکھائی دے گی شفاف پانی کی تہ کی چیزیں اوپر کو ابھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ اور اسی طرح کی اور بہت سی غلطیاں نظر سے ہوتی ہیں جنکی تفصیل علم مناظر میں موجود ہے۔ غرض جس طرح مثلاً ہماری قوت باصرہ محدود اور ناقص ہے اسی طرح عقل کی رسائی کی بھی ایک حد ہے۔ وہ بھی نقصان سے بری نہیں۔ اور اس سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ غلطی کے لئے اختلاف راے کی دلیل کافی ہے ہندسہ کے علاوہ جسکے اصول بدیہیات پر مبنی ہیں (اور اسی وجہ سے اسمیں اختلاف ہو نہیں سکتا) ڈاکٹر۔ فلسفی۔ جج۔ ہیئت دان۔ مدبران ملک۔ اہل مذہب۔ وغیرہ وغیرہ سبھی کو دیکھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے لڑتے مرتے ہیں منطق کے قاعدے منضبط ہوے۔ مناظرے کے اصول ٹھہرائے گئے مگر اختلاف نہ کم ہوا اور نہ تا قیامت کم ہو۔

جب ہست و نیست کا اختلاف ہو تو ضرور ایک برسر غلط ہے۔ اگرچہ عقل انسانی کا نقصان اختلاف راے سے بھی مستنبط ہو سکتا ہے۔ مگر ہم ذرا اسکو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ دو ڈھائی سو برس کے عرصے میں اہل یورپ کو سیکڑوں باتیں ایسی دریافت ہوئیں کہ کسی کو کیمیا کا حکمی نسخہ مل گیا ہوتا اور وہ اس کو عام بھی کر دیتا تو اتنا فائدہ نہ پہنچتا

جیسناکہ ان ماڈرون ڈسکوریز یعنی زمانہ حال کی دریافتوں سے ہوا - اور جن اقبالمندون کو خدا نے واقعات اور موجودات نفس الامری مین غور و خوض کرنے کی دھن لگادی ہے خدا اُنکی کوششون کو مشکور و کامیاب کرتا ہے - بحر بے پایان موجودات مین غوطے لگا رہے ہین - اور معلومات جدیدہ کے بے بہا موتی ہین کہ برابر نکلے چلے آتے ہین - اِن ماڈرن ڈسکوریز مین سے زیادہ نہین صرف ایک چیز عام فہم لو جس سے انگریزون کے طفیل مین ہم بھی فائدہ اُٹھا رہے ہین - ریل - اب ہم پوچھتے ہین کہ دنیا مین گھر گھر آگ تھی - گھر گھر ہنڈیان پکتی تھین - ہر متنفس بھاپ سے بخوبی واقف تھا - سیکڑون ہزارون برس پہلے سٹیم (بھاپ) کی طاقت کیون معلوم نہین ہوئی - اور یہی سوال ہر ڈسکوری کی بابت ہو سکتا ہے جو ابتک ہوئی یا آئندہ کسی وقت مین ہو -

سر اسحٰق نیوٹن جسکو سب سے پہلے مسئلہ کشش کا الہام ہوا کہتا تھا کہ خدا کی بے انتہا قدرت کے سمندر مین بے شمار موتی بھرے پڑے ہین اور مین تو ابھی کنارے پر بیٹھا ہوا بچون کی طرح سیپیان اور گھونگے جمع کر رہا ہون - یہ مقولہ تھا اُس شخص کا جسنے زمین اور آسمان کے قلابے ملا کر نظام بطلیموس کی جگہہ اپنا نظام قایم کیا - اور آج سارا یورپ اُس کے نام پر فخر کرتا ہے -

جسکو خدا نے عقل دی ہے وہ تو یون اپنی عقل کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہین اور ایک ہمارے زمانے کے انگریزی خوان ہین کہ سیدھی سی اقلیدس کی نئی شکل پوچھو تو بغلین جھانکنے لگین اور لن ترانیان یہ کہ ہمچو ما دیگرے نیست - پس جون جون زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے عقل انسانی کا قصور ہے کہ کھلتا چلا جاتا ہے - اب سے زیادہ نہین صرف ڈیڑھ سو برس پہلے کسی کی عقل مین یہ بات آسکتی تھی کہ مہینون کی مسافت ہم گھنٹون مین طے کر سکین گے - یا ہزار ہا کوس کا حال چند لمحے مین معلوم کر لیا کرینگے - یا آگ سے برف جما ئین گے - یا کپڑے کی کل مین کپاس بھر کر اچھے خاصے دُھلے دھلائے تہ کئے ہوئے

سنسان نکال لیا کرینگے - اور ابھی کیا معلوم کہ ہم کیا کیا کر سکین گے - مگر پھر بھی رہین گے آدمی عاجز - ناچیز - بے حقیقت - بھلا آدمی کیا عقل پر ناز کریگا - جبکہ اُسکو یاس کے پاس اتنا تو معلوم ہی نہین کہ روح کیا چیز ہے اور اُسکو جسم کے ساتھہ کس طرح کا تعلق ہے -

وقت کے ازلی ابدی ہونے پر خیال کرتے ہین تو انسان کی ہستی ایسی بے ثبات دکھائی دیتی ہے جیسے دن رات مین ایک طرفۃ العین بلکہ اس سے بھی کم - اور اس ہستی پر انسان کے یہ ارادے اور یہ حوصلے کہ گویا زمین اور آسمان مین سمانا نہین چاہتا - پھر کیسے کیسے لوگ ہو گذرے ہین کہ اس سرے سے اُس سرے تک ساری زمین کو ہلا مارا اور مر گئے تو کچھ بھی نہین ایک تودہ خاک - آخر وہ کیا چیز تھی جو اُن مین سے نکل گئی حیوانات نباتات لاکھون قسم کی مخلوقات کا ایک چکر سا بندھا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے پیدا ہوتے اور پھر اسی مین فنا ہو جاتے ہین کسی کی عقل کام کرتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کس غرض سے ہو رہا ہے - جان تو ایک قسم کی نباتات مین بھی ہے مگر جانورون کے بہت سے افعال انسان سے ملتے ہوے ہین - بلکہ بعض حیوانات بعض باتون مین انسان پر بھی شرف رکھتے ہین - مگر ہم دیکھتے ہین تو انکے تمام کمالات وہبی اور فطری ہین - پھر وہ کون سی تعلیم ہے جس کے لئے انکو یہ ہستی دی گئی -

انگریزون نے تحقیقات کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہین رکھا مگر شروع سے اب تک کسی ایک جگہہ یا کسی ایک چیز یا کسی ایک بات کا مسلسل پتہ نہ چل سکا - زمانہ حال سے جس قدر پیچھے کو دور ہوتے جاتے ہین منظر تاریخ دہندلا ہوتا چلا جاتا ہے - یہان تک کہ آپ سے چار پانچ ہزار برس پہلے کا کسی کو کچھ حال ہی نہین معلوم کہ دنیا کا کیا رنگ تھا - عقل انسانی کی نارسائی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی کہ آج تک کسی کو کسی چیز کی ماہیت حقیقت ہی منکشف نہین ہوئی - جاننا تو کیا جاننا - عرض وہ بھی شاید فی صدی دو - مثلاً پانی کہ ہم اُسکا اتنا ہی حال جانتے ہین کہ سیال (بہنے والا) ہے جو شکل چاہو آسانی سے قبول کر لیتا ہے - آمیزش سے پاک ہو تو شفاف ہے نشیب کے

طرف کو بہتا ہے۔ وزن مخصوص کے قاعدے سے ۳۳ فٹ سے زیادہ ہوا مین بلند نہین ہوسکتا۔ حرارت کے اثر سے ہوا بن جاتا ہے۔ یا اگر علم طبعی کے کسی ماہر سے پوچھو تو شاید دو چار خواص اور بیان کر سکے گا۔ مگر یہ سب آثار ہین نہ ماہیت۔ ماہیت کا نام آیا اور عقل گم ہوئی۔

بات کیا ہے کہ دنیا ہے عالم اسباب یہان واقعات کا ایک سلسلہ ہے ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا واقع ہوتا رہتا ہے ہم واقعہ متقدم کو سبب اور علت کہتے ہین اور واقعہ متاخر کو مسبب اور معلول نتیجہ۔ اگرچہ سبب کے قرار دینے مین اکثر چند در چند غلطیان ہوتی ہین مگر فرض کرو کہ ہم سبب کے قرار دینے مین غلطی نہ بھی کرین تاہم سبب اور مسبب مین جو علاقہ ہے آجتک اُسکا راز کسی پر نہین کھلا مثلاً جلانا آگ کا خاصہ ہے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے مگر کوئی نہین بتا سکتا کہ کیون۔ ذرا آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو تو روے زمین کے سارے ریگستانون مین اتنے ذرے نہ ہونگے جتنے ستارے آسمان مین بھرے پڑے ہین۔ پھر یہ ستارے دیکھنے مین چھوٹے چھوٹے نقطے سے نظر آتے ہین اور در حقیقت ایک ایک بجاے خود ایک جہان ہے کہ ہماری زمین کی اُس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہین غرض سوچنے سمجھنے والے کو دنیا سر تا سر طلسم حیرت ہے۔

جب دنیاوی امور مین عقل انسانی کی نارسائی کا یہ حال ہو کہ کسی بات کی کنہ کو نہین پہونچ سکتی تو دین مین وہ کیا ہماری راہ بری کریگی ؎

تو کار زمین را نکو ساختی ❊ کہ با آسمان نیز پرداختی

یہ دنیا تو پھر بھی عالم شہود ہے۔ ہم اس مین موجود ہین اور اس کو اپنی آنکھون سے دیکھتے اور تھوڑا بہت اس مین تصرف بھی کر سکتے ہین اور کرتے ہین۔ دین خبر دیتا ہے کہ اس دنیا کے سواے ایک جہان اور ہے یہ ظاہر ہے وہ غائب یہ فانی ہے وہ باقی یہ مجاز ہے وہ حقیقت۔ یہ تمہید ہے وہ نفس مطلب۔ یہ امتحان ہے وہ نتیجہ۔ یہ سفر ہے وہ منزل مقصود یہ خواب ہے وہ تعبیر۔ یہ افسانہ ہے وہ حق الامر۔ ظاہر ہے کہ عقل انسانی کو اُس جہان کے

متعلق کچھ بھی نہین جاننا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس کی منتہاے رسائی سے بہت دور پڑے ہین لیکن خدا کی بے انتہا مہربانی سے بعید تھا کہ انسان جو اُس کی مخلوقات مین سب سے افضل ہے اُس جہان سے بالکل بے خبر رہے۔ اور جس طرح اُس نے اور چیزون کو دوسرے خواص بخشے ہین عقل انسانی کو نیک و بد کی تمیز عطا فرمائی کہ جاہل سے جاہل اور وحشی سے وحشی بھی بھلائی کی طرف راغب ہے۔ نہ کسی دنیاوی مفاد کی طمع سے۔ اور برائی سے ہارب (بھاگنے والا) ہے نہ کسی نقصان کے خوف سے بلکہ گویا انسان کا دل مقناطیسی سوئی ہے اور نیکی شمال کی سمت۔ پس اُس جہان کے متعلق رسائی معلومات واقفیت جو کچھ سمجھو یہ انسانی فطرت ہے کہ آدمی بالطبع نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر انسان کی عقل اپنی طرف سے کچھ کمی نہین کرتی۔ بھتیرا زور مارتی ہے کہ وہان کی حقیقت دریافت کرون مگر کچھ پتہ نہین چلتا۔ ہ

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے رفتگان کیا کوئی حقیقت آن کر کہتا نہین بری بھلی

نیکی بدی کی انتہا نے کے ساتھہ اس کو اتنی بات اور بھی سوجھتی ہے کہ انسان کے ہر ایک فعل کو ایک نتیجہ لازم ہے۔ اگرچہ بسا اوقات بعض افعال کے نتائج اسی دنیا مین واقع ہو جاتے ہین۔ مگر بعض کے نہین بھی ہوتے۔ اور ہم دیکھتے ہین کہ دنیاوی نتائج کے علاوہ طبیعتین کسی اور نتیجے کی بھی منتظر رہتی ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جہان اور ہونا چاہیے۔ اور اُسکی ضرورت ہے۔ اور نہین معلوم کیا سبب ہے کہ دل خود بخود اندر سے گواہی دیتا ہے کہ مرنے سے تو ہمارا پیچھا چھوٹتا ہوا نظر نہین آتا۔ مرے پیچھے ہم کسی حالت مین رہین مگر رہین گے ضرور۔ پس یہان تک عقل کی پرواز تمام ہوئی ہ

اگر یک سر موے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

مگر اس سے تو کچھ بھی کشود کار نہ ہوا۔ دل جو اُس کے جہان کے تفصیلی حالات کے مشتاق تھے بدستور جویا کے جویا رہے۔ اب دین کے سرحد مین آگے بڑھنا چاہتے ہو۔

تو چراغ عقل کو گل کرو اور آفتاب جہان تاب کلام الٰہی کو اپنا ہادی اور راہ نما قرار دو۔

(نذیر احمد دہلوی)

کارخانۂ عالم

یعنی دنیا کی تمام مخلوقات بر غایت انتہٰی دالکر اُس صانع خلق کی حیرت انگیز صنعت اور کاریگری کو دیکھ کر خداوند عالم کی ہستی اور وجود کا قائل ہونا چاہیئے۔ اور یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُسی خالق یکتا نے ہم سب کو نیست سے ہست کیا۔ عدم سے موجود کیا۔ وہی باقی ہے اور سب چیزین فانی۔ اُسکی ہستی سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا۔

دنیا کا ایک بڑا بھاری عظیم الشان کارخانہ ہے کہنے کو محدود ہے مگر کسی نے اسکی انتہا نہین پائی۔ اس کارخانہ کے مقابلے مین زمین کی بابن وسعت اتنی بھی تو حقیقت نہین جیسے بڑے سے بڑے پہاڑ کے آگے ایک ذرے کی۔ اگر علم ہیأت کی سب باتین سچی ہین اور جب مشاہدات اور اصول ہندسہ پر مبنی ہین تو اُنکو غلط ہی کون کہہ سکتا ہے تو چار و ناچار انسان کو اپنی درماندگی کا نارسائی اور بے حقیقتی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ ہزار دس ہزار بیس ہزار پچاس ہزار لاکھ کوس تک کا بھی خیر ہم یون ہی سا کچھ اندازہ کر سکتے ہین۔ مہا سنکھ در مہا سنکھ کوسون کے سمجھنے کو کسی کی اٹکل لائین۔ بھلا کچھ ٹھکانا ہے ان دوریون کا کہ زمین پر سے گولہ چھوٹے اور شبانہ روز متصل ایک رفتار سے سیدھا چلا جائے تو اُنیس برس مین جا کر آفتاب تک پہونچے۔ اللہ اکبر جل شانہ۔ بڑے سے بڑے پلے کی دوربینین ایجاد ہوئین مگر ہم نے اجرام فلکی کا کیا دیکھا ایک جھلک وہ بھی اُن معدودے چند کی جو زمین سے بہ نسبت دوسرے بے شمار اجرام کے قریب ہین کبھی آسمان خوب صاف ہوتا ہے تو اندھیری رات مین کس کثرت سے ستارے دکھائی دیتے ہین گویا گھری افشان چھڑکی ہوئی ہے۔ اور اگر کسی طرح اونچے سے اونچے ستارے پر پہونچنا ممکن ہوتا تو وہان سے بھی جہان تک اور آگے کو نظر کام کرتی یہی کیفیت دکھائی

دیتی - پھر خدا جانے کتنے لاکھ کوسون کی مسافت ہے کہ ستارے ہمکو ننھے ننھے نقطے دکھائی دیتے ہین - ورنہ جس طرح اسکا یقین ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہین اسی طرح جاننے والون کو اسکا بھی اذعان (یقین) ہونا چاہیے کہ ایک ایک نقطہ بجاے خود جہان ہے - اور یہان بھی کہا کہ اگر اسکو بڑا اٹکا فرض کرو تو زمین اُسکے سامنے خشخاش کا نہ سہی تو رائی کا دانہ - جو تارے زمین سے زیادہ پاس ہین یعنی اُنکی دُوری لاکھون کوس کے پیٹے کے اندر ہی اندر ہے دوربین کی مدد سے اُن کے حالات کسی قدر زیادہ دریافت ہوے ہین - اور پاس پروس کی آخر تھوڑی بہت خبر ہونی ہی چاہیے - سمندر جھیلین - پہاڑ - دھوپ چھاون - ہوا - بادل یہ سب چیزین ان تارون مین صاف دیکھ پڑتی ہین - اس سے اور دوسرے بہت سے قیراتن سے علماے ہیات قیاس کرتے ہین اور بجا قیاس کرتے ہین کہ زمین کی طرح ان جہانون مین بھی جاندار آباد ہین یہان عقل انسانی کے اوسان اور بھی گم ہین - بھلا اتنے بے شمار جہانون کی کل مخلوقات کا تو ہم کیا اندازہ کر سکتے ہین جب کہ ایک زمین کی مخلوقات کی گنتی تو درکنار تمام اقسام تک منضبط نہین -

کسی کتاب مین نظر سے گزرا کہ زمانۂ حال کا کوئی فلسفی خردبین مین پانی کی ایک بوند کو دیکھ رہا تھا سو سے زیادہ طرح کے جاندار تو وہ اس ایک بوند مین بہ مشکل شمار کر سکا آخر تھک کر بیٹھ رہا - ایک بوند مین اتنی مخلوقات ہو تو تمام کرۂ آب مین جو تین چوتھائی زمین کو ڈھانکے ہوے ہے کتنی مخلوقات ہوگی - خدا ہی کو خبر ہے - پھر زمین کے گرداگرد ۴۵ میل کے دل کا کرہ ہے اور اُس مین بھی جاندارون کی ایسی ہی یا اس سے زیادہ کثرت ہے - ہرچند کارخانۂ قدرت الٰہی کی عظمت اور شان فہم بشر سے خارج ہے مگر جس طریق پر مین نے اجمالاً بیان کیا اگر کوئی آدمی متواتر اور متصل مدتون تک غور کرتا رہے تو ضرور اُسکے دل مین اپنی بے حقیقتی اور درماندگی اور بے وقعتی کا تیقن پیدا ہوگا جس کو مین دینداری کی بنیاد یا تمہید سمجھتا ہون -

اسکے بعد ذہن کو اسطرف متوجہ کرنا چاہیئے کہ اتنا بڑا کارخانہ یا یہ عظمت کیسی عمدگی اور کیسے انضباط کے ساتھہ چل رہا ہے کہ عقل دنگ ہوتی ہے۔ اجرام فلکی کے اتنے اتنے بڑے بے شمار گولے کہ خدا کی پناہ اور خود زمین سب چکر مین ہین۔ خدا جانے کب سے اور کب تک اور نہ آپس مین ٹکراتے ہین نہ بال برابر اپنی رفتار بدلتے ہین۔ اب جو آدمیون کو قاعدہ معلوم ہوگیا ہے تو سیکڑون ہزارون برس پہلے سے پیشین گوئی ہوسکتی ہے کہ فلان ستارہ فلان وقت فلان مقام پر ہوگا۔ اور وہین ہوتا ہے حساب مین اگر غلطی نہ ہو تو منٹ سکنڈ کیسا سکنڈ کے ہزارویں حصے کی قدر بھی آگا پیچھا نہین ہوسکتا۔ یہان روے زمین پر ایک بھنگے۔ ایک دانے۔ ایک پھل۔ ایک پنکھڑی۔ گھاس کے ایک ڈنٹھل چھوٹے سے چھوٹی اور ادنے سے ادنے چیز کو بھی نظر غور سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی کچھہ نہ کچھہ غرض وغایت ہے جسکی تکمیل کا پورا پورا سامان اس جز مین موجود ہے۔ مثلاً ریگستانی علاقون مین اونٹ پیدا کیا ہے تو اسکے پانون کے تلوے چوڑے اور اسفنج کی طرح پولے ہین۔ کہ ریت مین نہ دھسین۔ اسکی گردن بہت لمبی ہے تاکہ اونچے درختون کے پتے چر سکے۔ اس کو ایک خاص طرح کا خانہ دار معدہ دیا گیا ہے جس مین کئی کئی ہفتون کے لئے کھانا پانی بھر لیتا ہے۔ کیونکہ جیسے ملک مین وہ پیدا کیا گیا ہے وہان کئی کئی دن متواتر تک پانی جاری کا نہ ملنا کچھہ تعجب نہین۔ اسکے علاوہ اس کے پاس کوہان کا گودام ہے کہ اگر اسکو ایک عرصہ خاص تک کھانا پینا کچھہ بھی نہ ملے تو کوہان کی چربی بدل ما تیحلل (جو چیز تحلیل ہوتی جائے اسکا بدلہ) کا کام دے۔ ہرن وغیرہ جنگلی جانورون کی ٹانگین پتلی پتلی ہین تاکہ شکاری جانورون سے بچنے کے لئے پھرتی کے ساتھہ بھاگ سکین۔ ہاتھی کے ایک سونڈ لٹک رہی ہے جس سے وہ ہاتھہ کا کام لیتا ہے۔ پرندون کے جتنے سباب ہین تاکہ ہوا مین اڑ سکین۔ دریائی جانورون کے پنجے کھال سے جڑے ہوئے ہین گویا کہ ہر ایک کے پاس قدرتی چپو ہین۔ گوشت خوار جانورون کے پنجے اور

دانت اُنکی غذا کے مناسب ہین - نباتات مین پھل پھول کی حفاظت کے واسطے کانٹے ہین - پوست ہین - خول ہین - سرد ملک کے جانورون کی اون بڑی بڑی اور گھنی ہے کہ جاڑا نہ کھائین - جتنے جاندار معرض تلف مین ہین اُن مین توالد تناسل کی کثرت ہے تاکہ نسل معدوم نہ ہو - مثلاً ایک ایک مچھلی لاکھ لاکھ سے زیادہ انڈے دیتی ہے - آدمی چونکہ بقائے حیات کا سامان عقل کی مدد سے بہم پہونچا سکتا ہے سینگ اور پنجے اور اون اس قسم کے قدرتی سامان اُس کو نہین دیئے گئے - جس ملک مین نباتات کی کثرت ہے وہین برسات بھی زیادہ ہوتی ہے - کیونکہ وہ ملک پانی کا محتاج ہے - انسان اگر اپنی ہی بناوٹ مین غور کرے تو اُس کا ایک ایک رُوان صانع قدرت کی کمال دانشمندی اور عنایت پر گواہی دے رہا ہے - اُس کے جسم مین ایک چھوٹا دو آسان سا پرزہ ہاتھ ہے کہ دنیا مین جسقدر انسان کے تصرفات ہین اور انسان کی بساط پر خیال کرو تو ان تصرفات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - سب اسی پرزے کے ہین -

اہل یورپ نے عقل کے زور سے بڑی بڑی عمدہ کلین بنائی ہین - اس مین شک نہین کہ ان کلون سے عقل انسانی کی قوت بڑی شدومد کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے - مگر مجکو بھی دو چار کلون کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے ایک بکھیڑا ہے کہ سیکڑون گز مین پھیلا ہے سیکڑون پرزے ہزارہا پیچ بیلن پہیے چرخیان کمانیان خدا جانے دنیا بھر کے کیا کیا سامان جمع کئے ہین - تب کہین جا کر وہ ایک مطلب حاصل ہوتا ہے جسکے لئے کل بنائی گئی ہے - یہ تو آدمی کی بنائی ہوئی کلون کا حال ہے اور ایک ادنیٰ سی کل خدائی بنائی ہوئی ہے یہی آدمی کا ہاتھ کہ ہزارہا قسم کے کام اس سے نکلتے ہین اور ترکیب دیکھو تو ایسی سلیس اور مختصر کہ ایک کف دست ہے اور تین تین جوڑ کی پانچ انگلیان اللہ اللہ خیر صلاح - انسان کے بدن مین ایک اور دوسرے بھر کی چیز آنکھ ہے اس کی ساخت مین جو اندرونی حکمتین ہین اُن سے بالاستیعاب ایک کتاب بن سکتی ہے - مگر خارج کی احتیاطون کو تو دیکھو

کہ پہلے گویا ہڈیون کا کاواک ہے جس مین نگینے کی طرح آنکھ تعبیہ کی ہوئی ہے۔ اوپر
بھون کا چھجے دار سایہ بان سامنے پوٹون کا پردہ۔ پردے مین پلکون کی جھالر پھر پوٹے
کے اندر منافذ ہین جن مین سے آئینہ جسم کے صاف رکھنے کو ہمیشہ ایک خاص طرح کی رطوبت رستی رہتی ہے یہی
رطوبت ہے جو زیادہ ہوکر آنسو بن جاتی ہے۔ جتنی دفعہ انسان پلک جھپکاتا ہے گویا اتنی
ہی دفعہ آئینے پر بچارا پھرتا ہے۔ گرد اور دہوئین اور کنک کی صورت مین بے اختیار آنسو
بہنے لگتے ہین جس کے یہ معنی ہین کہ بچارا کافی نہین۔ بلکہ آئینے کو دہونیکی ضرورت ہے۔
میرا تو کیا منہ ہے کہ موجودات عالم مین جو اسرار حکمت مضمر ہین انکا ایک شمہ بھی بیان
کرسکون۔ مگر میری غرض اسی قدر ہے کہ دُنیا کے کارخانے کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے۔
کل مین نے آئینہ اللہ کا سبق سُنا وہ عجائب قدرت پڑہتا ہے۔ کسی شخص نے نیچرل فلاسفی
(علم طبعی) مین سے بعض بعض مضامین چھانٹ کر اردو مین ترجمہ کردیئے ہین۔ اسی مین
لکھا تہا کہ مچھر کے مونھ کے آگے جو ایک پتلی سونڈ سی ہوتی ہے وہ حقیقت مین ایک نلوا ہے
اس نلوے مین تین اوزار ایک تو سوئی جس کو مچھر مسام جسم انسان مین داخل کرتا ہے ایک آری
کہ مسام کو چوڑا کرنے کی ضرورت ہو تو اُس سے کام لے اور ایک سینگی جس کی راہ خون
چوستا ہے۔ اُس مین اتنی بات اور بھی تہی کہ اس شکل خاص مین مچھر کی حیات کی مدت
صرف تین دن کی ہے۔ ایک مقام پر تہا کہ تیتری کے ایک پر مین کپڑون کی طرح
تیس ہزار دیولیان۔ اس طرح کی باتون کو اگر انسان سرسری طور پر نہ سُنے جیسے کہ اسکی عادت
ہے تو ہر ہر ذرہ اس بات کی گواہی دیگا کہ اسکو کسی بڑے قدرت والے دانشمند ہمہ دان
حاضر ناظر سمیع بصیر نے کسی مصلحت سے جان بوجھ کر بنایا ہے۔ ممکن نہین کہ انسان صمیم
قلب سے موجودات عالم مین غور اور خوض کرے اور اسکا دل اندر سے نہ بولنے لگے کہ
یہ اتنا بڑا کارخانہ بہ این عمدگی و انضباط خود بہ خود یا اتفاقیہ طور پر تو نہین ہوگیا۔ کیون کہ
واقعات اتفاق کی شان ہی دوسری ہوتی ہے۔ ان مین قاعدے کا کہان پتہ

اور انضباط کا کیا مذکور - اور قاعدہ اور انضباط بھی کیسا کہ دنیا کی ابتداء سے لیکر آج کی گھڑی تک تو ان مین رتی برابر فرق پڑا نہین -

جس غور کے طرف مین تمکو متوجہ کرنا چاہتا ہون اُس مین یہ بھی داخل ہے کہ وقت کیا چیز ہے - جس کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا - اگرچہ وقت کی وسعت کا اندازہ بھی فہم بشر سے خارج ہے مگر خیر جہان تک تم سے اجرام فلکی کے فاصلون کی طرح اندازہ کرتے ہین بڑے لاکھ دو لاکھ چار لاکھ برس کا ایک محدود وقت لے کر اُسی سے وسعت کو سوچو اور تمثیلاً یون تصور کرو کہ وقت ایک بڑا لمبا خط ہے - اُس مین سے تمہاری ہستی اگرچہ تمہارے معتقدات کے مطابق طب انگریزی پر پورا پورا عمل کرنے سے حد طبعی سے بھی کتنی ہی متجاوز کیون نہ ہو جائے تاہم اُس کو وقت مفروض کے ساتھ کیا نسبت ہوگی - شاید جیسے محیط زمین کے مقابلہ مین ایک انچ کو یا اس سے بھی کم - یہ تو انسان کی ہستی ہے - اور اس پر خدا سے انکار اور اپنی عقل پر ناز بیجا - انسان سے دنیا مین ہزار ہا طرح کی بیہودگیان سرزد ہوتی ہین مگر یہ سب بیہودگیون پر فوق لے گئی ہے کہ خدا ہی کا منکر ہو بڑے افسوس کی بات ہے اور پرلے درجے کی بدقسمتی کہ عقل جو انسان کو اسی غرض سے دی گئی ہے کہ مخلوقات سے خالق کو پہچانے ورنہ دنیا کی چندروزہ زندگی تو جانور بھی بسر کر لیتے ہین جنکو بہت سا کھانا اور پانی درکار ہوتا ہے اور مزہ یہ ہے کہ حاجتین کثیر اور عقل کم اور پھر انسان سے کہین زیادہ خوشحال - غرض بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہی عقل انسان کو ایسا گمراہ کرے کہ خدا کا قائل نہ ہونے دے حقیقت مین میری سمجھ مین نہین آتا کہ کوئی آدمی کس مونھ سے کہہ سکتا ہے کہ خدا نہین - تم مجکو اتنا تو سمجھاؤ کہ تم نے اپنے تئین سمجھا ہے کیا - چندین ہزار عالم کے مقابلے مین تمہاری کیا حقیقت ہے - اور چندین ہزار عالم بھی نہ سہی ان کی مخلوقات بھی نہ سہی ایک اسی روے زمین پر ابتدا سے اب تک تم جیسے اور تم سے بہتر اور تم سے بہتر سے بہتر کروڑہا آدمی پیدا ہوے

اور اپنی زندگی مین اُنھون نے کیا کچھ نہین کیا - خدا کے ایسے ایسے بھی بہت سے بے شمار بندے ہوے ہین جنھون نے حکومتین کین سلطنتین کین - اپنے زمانے مین نامی نامور ہوے - اور پھر ایسے مٹے کہ گویا پیدا ہی نہین ہوے تھے - نہ اُنکا نام ہے نہ نشان ہے - یہ بتاؤ کہ تم کوئی انوکھے آدمی ہو - تم بھی اپنے ارادے سے پیدا نہین ہوے اور قسم ہے اُس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھہ مین میری اور تمھاری دونون کی اور سب جاندارون کی جان ہے اپنے ارادے سے زندہ بھی نہین ہو - اور اپنے ارادے سے مروگی بھی نہین - اور مرے بعد مہینے دو مہینے پیچھے نہ سہی پچاس سو دو سو ہزار برس بعد روے زمین پر اتنا جاننے والا بھی تو نہین ہوگا کہ ہم تم بھی کوئی تھے -

(نذیر احمد دہلوی)

ہماری تعلیم

کچھہ خبر بھی ہے کہ علم نے اس زمانے مین دوسری شان اختیار کی ہے - ہم جو اپنے علوم پر نظر کرتے ہین تو اُنکے دو ہی نتیجے پاتے ہین - یا تو زبان کی تکمیل یا ذہن کی تیزی - سو زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ دونون نتیجے بیکار ہوگئے - جن زبانون کی تکمیل کے پیچھے ہم عمر کا بڑا حصہ صرف کیا کرتے تھے اب اُن زبانون کو کوئی نہین پوچھتا - رہی ذہن کی تیزی یعنی حکمت نظری اسکا بھرم حکمت علمی نے اٹھا دیا - اور ہم علم [illegible] سے بالکل کورے کے کورے رہ گئے - زبان کی تکمیل سے جو اغراض دنیوی متعلق ہوسکتے ہین وہ اب انگریزی کی طرف منتقل ہوگئے ہین - لیکن ہم مین سے اکثر اُن اغراض کے سمجھنے مین غلطی کرتے ہین - لوگون نے اسی کو انگریزی کی غرض وغایت سمجھہ رکھا ہے اور اسی لئے اسکو سیکھتے ہین کہ حکام وقت کی زبان ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہم حکام کے ساتھہ بآسانی خیالات کا مبادلہ یعنی عرض مطلب - فہم مافی الضمیر کرسکتے ہین - بلاشبہ حاکم اور محکوم مین بآسانی خیالات کا مبادلہ بڑی ضروری

اور بکار آمد چیز ہے۔ لیکن مین انگریزی کی ٹون کو ذرا اونچی لیجانا چاہتا ہون۔ حکام کے ساتھہ
خیالات کا مبادلہ تو انگریزی کے ادنی ترین اور خسیس ترین فائدون مین سے ہے۔ انگریزی
کا اصلی اور عمدہ فائدہ جو مدنظر ہونا چاہیئے یہ ہے کہ زبان انگریزی علوم مفیدہ کی کلید ہے۔
یہ علوم یا تو سرے سے ایشیائی زبانون مین ہین ہی نہین یا ہین بھی تو زمانہ حال کی تحقیقات
کے مقابلے مین تقویم پارینہ کا حکم رکھتے ہین۔ انگریزی زبان قوم اور ملک کو اسی وقت
مفید ہوگی جب یہ مقصود پیش نظر رکھکر اس کو حاصل کروگے غرض یہ ہے کہ علم مقصود بالذات
اور زبان انگریزی کو اسکا آلہ سمجھا جاے۔ افسوس ہے کہ اس گر کو ابھی تک لوگون نے سمجھا ہی
نہین۔ یا سمجھا ہے تو اسپر عمل نہین کیا۔ اور سمجھا اور اسپر عمل کیا ہوتا تو اتنے ہی دنون مین ہندوستان
کی کایا پلٹ گئی ہوتی تحقیقات مزید اور ترقی اور ایجاد کا تو کیا ذکر ہے جو علوم زبان انگریزی
مین مدون ہین اور جس درجہ تک وہ پہونچ چکے ہین اتنے ہی پر کسی نے کچھ عمل کر کے دکھایا ہوتا۔
ہمارے بدنصیب ہندوستان مین مٹیریل کی تو کمی نہین۔ کمی ہے تو اسکی ہے کہ کوئی مٹیریل
کا استعمال کرنے والا نہین۔ ایک تو نوکری کی لکیر کے فقیر سے بیٹھے ہین۔ اور نوکری کیمیا اور
کبریت احمر ہوتی جاتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً سو بی۔ اے۔ پاس ہوتے تو نوے روٹیون
کے لئے سرگردان پڑے پھرتے ہین۔ اور نوے بھی اب ہین یا کوئی دن جاتا ہے کہ سو پاس
اور سو کے سو پاس حرمان و یاس۔ انگریزی پڑھ کر کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو پہلے نوکری کے
خبط کو سر سے نکالو۔ یہ جنون تمھین نہین بیٹھنے دیگا۔ کبھی ان باتون پر بھی غور کیا کرو کہ مثلاً
تمہارے اسی شہر مین کتنے آدمی ہین۔ اور انمین کتنے ہین جو نوکری سے معاش پیدا کرتے
ہین۔ حساب لگاؤگے تو فیصد کوئی چوتھے پانچوین درجہ کا ڈیسیمل نکلے گا۔ پھر مردم آزاری
کے مواقع پاکر شیخی بگھارنے کی تو بات اور ہے خوشحالی کا ایک سٹنڈرڈ قرار دے لو۔ مثلاً مین
سمجھتا ہون کہ جسکی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہو اس کو اس زمانہ مین خوشحال سمجھنا چاہیئے۔
اب دیکھو کہ خوشحال کے اسٹنڈرڈ کے لحاظ سے نوکری پیشون مین فی صد کتنے ہین۔ اور

دوسرے پیشیون مین کتنے۔ تو پاؤگے کہ اس لنسبت مین نوکری پیشہ چوتھے پانچوین درجے کے ڈسپل سے بہی دور ہٹے ہوئے ہین۔ پس تم انگریزی پڑھکر جو ایک نوکری پر دہرنا دو تو اُسکے یہ معنی ہونگے کہ اس عمارت کو جو برسون کی محنت سے بنائی ہے اپنے ہاتہون ڈہاتے ہو۔ عفا اللہ عنہ کوئی سا پیشہ بھی تبتدل نہین۔ تبتدل اگر ہے تو وہ آدمی ہے جو دغابازی بے ایمانی سے پیشے کو بدنام کرتا ہے۔ دل پر دینداری اور نیکی کا پرتو پڑا ہو تو جانو کہ اصلی عزت کیا ہے (خدا کے نزدیک بڑا بزرگ وہ ہے جو بڑا پرہیزگار ہو) لوگ نہ اسلئے نوکری کے گرویدہ ہو رہے ہین کہ اس پیشے مین تمول اور خوش حالی زیادہ ہے۔ نہین بلکہ اسلئے کہ اُنکو اپنے ابنائے جنس پر حکم چلانے اور اُنکو ستانے اور ایذا دینے کا موقع ملتا ہے۔ لوگون نے اسی کو عزت سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ نیک دل اور دیندار آدمی کی نظر مین اس سے بڑھکر کوئی بے عزتی کی بات نہین۔ تم تو نصیحت کی بات کو اس کان سنتے اور اُس کان نکال دیتے ہو۔ تحکم اور مردم آزاری کو عزت سمجھو تو نوکری ذریعہ عزت ہے۔ اور برائی تابعداری کے اعتبار سے دیکھو تو وہ ایک طرح کی غلامی ہے۔ کتنی ہی بڑی نوکری کیون نہ ہو آخر کسی نہ کسی کی محکومی تو اسمین ہو ہی گی۔ غرض نوکری کو عموماً پیشہ معزز سمجھنا محض خیالی بات ہے۔ عزت اور ذلّت کسی پیشہ پر موقوف نہین۔ بلکہ عزت اور ذلّت کا مدار انسان کا اپنا کردار ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بڑی خدمت پر مامور ہے اور وہ آمدنی بہی معقول رکھتا ہے اور بڑی شان سے زندگی بسر کرتا ہے حکومت بہی ہے اختیارات بھی ہین۔ اور سرکار مین بہی رشد و رسائی ہے۔ اور وہ ناحق بندگان خدا کو ایذا دیتا اور اُنکے حقوق تلف کرتا اور رشوت لیتا ہے حقیقت مین وہ سب سے زیادہ ذلیل ہے۔ نہ صرف پبلک کی نظر مین بلکہ خود اپنی نظر مین اور خدا کے نزدیک۔ لیکن ایک غریب آدمی جو محنت مزدوری سے جائز طور پر معاش پیدا کرتا کسی سے لڑتا جھگڑتا نہین کوئی اس کا شاکی نہین ایسا شخص اصلی عزت رکھتا اور اُس کا مستحق ہے۔

اِس وقت جو اس تعمیم کے ساتھہ تعلیم ہو رہی ہے اور تعلیم کو اس سے بھی زیادہ عام کرنیکی
کوشش کی جارہی ہے اچھی طرح طالب علمون کے ذہن نشین کردینا چاہئے کہ نوکری کے
خبط کو سر مین نہ آنے دین ورنہ تعلیم سے فائدے کی جگہہ اُلٹا نقصان اُٹھائین گے۔ اور ہمیشہ
کے لئے اپنی زندگی اور نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اور بہت سی زندگیان جو اُنکے ساتھہ وابستہ ہین
سب کو تلخ کردینگے۔ میرے اس بیان سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھین کہ مین تعلیم کیطرف
سے لوگون کے دلون کو اُچاٹ کرتا ہون۔ میرا مقصود ہرگز یہ نہین مین تو تعلیم کو اور اسی
تعلیم کو جو ان دنون ہو رہی ہے ہر فرد بشر کے لئے نہایت ضروری خیال کرتا ہون۔ کیونکہ
مجکو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے (اگرچہ جب تک وہ آئے آئے مین دنیا سے رخصت
ہو جاؤنگا)۔ مگر مجکو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہے جبکہ یہی تعلیم شرط زندگی ہونے
والی ہے۔ اور زندگی سے میری مراد ہے معزز اور مطمئن زندگی۔

میرا مطلب صرف اسقدر ہے کہ جو لوگ تعلیم پا رہے ہین۔ اور تعلیم تو سبھی کو پانی چاہئے۔
غرض سارے تعلیم یافتہ اگر ایک ہی پیشے پر جھک پڑین گے گو وہ پیشہ فی حد ذاتہ کیسا ہی وسیع
کیون نہو یہ اُسکا ضروری اور بدیہی نتیجہ ہے کہ سب بھوکو مرین۔ لوگونکی ضرورتین متنوع ہین اور اسئے دنیا مین متنوع
پیشے چل پڑے ہین۔ انسانی ضرورتون اور پیشون کے تنوع سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا مین
روزی کی کمی نہین۔ مگر ہم ایک پیشہ خاص کے مقید ہوکر روزی کو تنگ کرلیتے ہین۔ اب یہ
ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نوکری کے علاوہ دوسرے پیشون کے لئے تعلیم ہی کی کیا ضرورت
ہے۔ جواب یہ ہے کہ تعلیم سے تو کبھی کوئی ادنی سے ادنی پیشہ بھی بے نیاز نہین ہوا۔ ہان
تعلیم سینہ بسینہ ہوتی رہی ہے۔ یا نقل و تقلید سے۔ اس زمانے مین یہ نئی بات پیدا ہوئی
ہے کہ ایک ایک چیز اور ایک ایک کام علم مستقل قرار پایا ہے۔ مثلاً موسیقی کہ ہمارے ہان
سینہ بسینہ اُسکی تعلیم ہوتی ہے یا نقل و تقلید سے لوگ اُسکو حاصل کرتے ہین۔ مگر تم نے
انگریزی بینڈ بجتے دیکھے ہونگے کہ اونچی اونچی میزون کا ایک حلقہ ہے لوگ مزامیر لئے اُسکے

گرد کھڑے ہین - ہر ایک کے آگے ایک کتاب دھری ہے - صدر مقام پر ہیڈ ماسٹر کھڑا ہوا
باجے بجوا رہا ہے - انگریزون کی ولایت مین تو یہ حال ہو گیا ہے کہ درزی اور حجام اور موچی
اور لوہار تک اپنا پیشہ نہین چلا سکتا تا وقتیکہ اُسنے سبقاً سبقاً اپنے پیشے کی کتابی تعلیم نہ پائی
ہو اور ریاست سب پر روشن ہے کہ یہ ہندوستان کل باتون مین یورپ کی تقلید کرتا چیلا
جا رہا ہے اور تقلید کے بدون اسکو چارہ نہین - یہ تعلیم گو کسی خاص پیشے کی نہ بھی ہوتا ہم اس سے
اتنی آگاہی تو انسان کو ضرور ہو جاتی ہے کہ وہ جس کام کو اختیار کریگا اُسکو کر دکھائے گا -
اور سلیقے کے ساتھ کر دکھائے گا -

(نذیر احمد)

منازل حیات

یہ مضمون مولوی عبد الرشید صاحب دہلوی کے ایک ناول منازل السائرہ سے
لیا گیا ہے - مولوی عبد الرشید صاحب شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم دہلوی کے
بھائی نہایت قابل اہل زبان ہین آپنے یہ ناول عورتون کے تعلیم کے لئے لکھا ہے
جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے توبۃ النصوح وغیرہ لکھی ہے - اسکی زبان نہایت
پیاری ہے خیالات نہایت پاکیزہ جس سے اخلاق پر عمدہ اثر پڑ سکتا ہے - اس ناول مین
انسان کی عمر کے چار زمانون کے حالات کا سچا فوٹو ایک مقام پر دکھلایا ہے وہ مضمون
یہان منتخب کیا جاتا ہے -

گلزار شیر خوارگی

یہ ایک چھوٹا سا مگر خوشنما و شاداب باغیچہ تھا - مختلف عمرون کے آدمی مرد اور عورتین
باد بہاری کا لطف اُٹھاتے پھر رہے تھے صبح سعادت کا وقت تھا - گلہائے رنگین کی پیاری

صورتون نے زمین چمن کو بوقلمون کر رکھا تھا۔ شبنم نے موتیون کے ہار بچھا دیئے تھے۔ باد صبا فرحت و انبساط کے مژدے دیتی پھر رہی تھی۔ عورتون کی گود مین چھوٹے چھوٹے بچے تھے مروجوق جوق ہاتھ مین ہاتھ دیئے ہنستے بولتے۔ اِدہر اُدہر ٹہل رہے تھے۔ امیدون نے اُنکے چہرے مالامال اور دل چونچال کر رکھے تھے۔ ہرے بھرے گلزار آنکھون کے سامنے لہلہا رہے تھے۔ ارمانون کے قدرتی چشمے کشت امید کو تر و تازہ کر رہے تھے۔ انتہائے نظر اور حد خیال تک چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ شاداب دکھائی دیتا تھا۔ وسط چمن مین ایک دودھ کی نہر لہرین لے رہی تھی۔ کیا بیفکری کا زمانہ تھا۔ مسافر ہی چھوٹے چھوٹے بچے ہول لگی کنارے پر آئے منہ جھکایا اور سیر ہوگئے۔ ہائے کیا نعمت تھی کہ کلیجے سے لگا کر دنیا بھر کی کلفت دور ہوجاتی تھی۔ افکار و ملال خواب و خیال ہوجاتے تھے۔ رنج و غم غلط ہوجاتا تھا کیا دولت تھی جس کے مقابل ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ و بے وقعت تھی۔ بادشاہ وقت کا حکم اتنا مناسب تھا کہ ہر شخص مسافر نوازی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اس خدمت سے محروم رہ جاتا تو اپنے تئین نہایت بدقسمت تصور کرتا۔ کیا مبارک سرزمین تھی جو مرد نظر آیا شگفتہ۔ جو عورت دکھائی دی وہ باغ باغ۔ عورتون کے پرے کے پرے جس وقت مسافر کو گود مین لیکر گلگشت کو نکلتے تھے۔ درختون کی صدائین بلند ہوتی تھین۔

یہ محافظ و خبر گیر جو مسافرون کی خدمت پر متعین تھے ایسے اچھے لوگ تھے کہ سو طرح بے نثار تھے۔ ذرا مسافر کے پھانس لگی اور بیچین ہوئے۔ ان لوگون کی پیشانیان ستارہ صبح کی طرح روشن تھین اور اُنکے دل برکت نور سے معمور۔ محبت کا سرمہ اُنکے آنکھون مین لگا ہوا تھا اور خدمتگذاری کی روشنی اُنکے چہرون پر چمک رہی تھی۔ مکر کا نام نہ تھا۔ ریا کا کام نہ تھا۔ خالص محبت تھی اور سچی خدمت۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے کہ جان تک دریغ نہ کرتے تھے۔ خوش قسمت میزبان تھے کہ کامیابی کے ساتھ مہمانون کی خدمت ختم کرتے تھے۔ اگر کوئی مسافر اُنکی خدمت ہی مین ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوجاتا تھا تو روتے تھے اور

پہنچتے تھے۔ یہان ایک بات دیکھ کر بہت ہی تعجب ہوا۔ بہت کم مسافر ایسے نظر آئے کہ خدمت محافظین کو مدنظر رکھا۔ اس خدمت کا معاوضہ تو خیر ناممکن تہا جب وہ وقت آتا کہ وہ ان کے محتاج ہونے تو یہ آنکھ چرا جاتے۔ لذائذ نفسانی کے پابند ہو جاتے غیرون سے محبت کرتے۔ دوستون سے اختلاط کرتے خود محافظ ہوکر مسافرون کی خدمت کرتے لیکن وہ خدمت فراموش کر دیتے جسکی بدولت خدا نے اس قابل کیا پھر بھی وہ اللہ کے بندے ہر حال مین خوش تھے جسکو سنا یہ ہی کہتے ہین "خدمت کرو تمہاری سعادت ہے نہ کرو کچھ شکایت نہین"۔

منزلون مسافرون کے ہمراہ جاتے اور حتی المقدور آنکھ سے اوجہل نہ ہونے دیتے۔ ہر منزل مین خدمت کرتے اور ہر مصیبت مین شریک رہتے۔ انہین بعض ناعاقبت اندیش ایسے بہی تھے جو عقل کی آنکھون پر پردے ڈال لیتے تھے اور درجہ محبت کو کمال پر پہنچا کر جا بیجا کا امتیاز کھو دیتے تھے۔ اپنے برے اعمال اور ناقص افعال کا نمونہ دکھا کر مطلب اصلی خبط کر دیتے تھے اور پہلی ہی منزل سے مسافر بیچارون کی باٹ مارنی شروع کر دیتے تھے۔

سرائے طفولیت

سرائے طفولیت ایک عالی شان محل حیات آباد مین آسمان سے کھڑا باتین کر رہا تھا۔ شہر کے ہر چہار طرف چونہ گچی کی پختہ عمارتین بنی ہوئی تھین۔ سرائے کے دروازۂ خاص پر رنگ برنگ کے جھنڈے ہوا مین لہرا رہے تھے۔ دیوارون کی گلکاریان محرابون کے نقش و نگار موسم بہار کا مزہ دے رہے تھے۔ رنگا رنگ کے جواہرات جڑے ہوے جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ لوگ خوش حال و فارغ البال۔ نہ کوئی مفلس نہ کنگال۔ بازار کشادہ و بارونق۔ دکاندار خلیق و منکسر مزاج عجیب مقام تھا کہ ہر طرف بے فکری کے ڈنکے بج رہے تھے۔

سرائے کے اندر ہر طرف وسیع و پختہ کمرے بنے ہوے تھے بے فکری کا دور تہا۔

اطمینان و فارغ البالی کی حکومت تھی۔ امیری کا کارخانہ تھا۔ بادشاہت کا زمانہ تھا۔
محافظ زیادہ وہی تھے جو منزل اول مین تھے۔ مگر محبت کا ثمر پہلے سے بڑھ گیا تھا۔
مسافرون کی قدر و منزلت روز بروز زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ کیا مبارک سرزمین تھی کہ رنج
وغم یاس آکر نہ پھٹکتا تھا۔ ناعاقبت اندیشی انواع واقسام کی نعمتین اُنکے دسترخوان
پر چُن دیتی تھی۔ کھیل کود کے خلعتِ گران بہا زیب تن۔ خوشی کا تاج سر پر لگائے ہوئے
اِدہر اُدہر پھرتے تھے۔ کیا دن تھے کہ پھر نہ آئے۔ اور کیا جگہہ تھی کہ دوبارہ دیکھنی نصیب نہ ہوئی
بُغض وحسد کا گذر نہ تہا۔ فکر معیشت کا پتہ نہ تھا۔ دولت وعسرت کا امتیاز نہ تھا۔ نخوت
وغیبت کا نام نہ تھا۔ جو ضرورت ہوئی وہ رفع۔ جو خواہش ہوئی وہ پوری۔ اُن کی بھولی
بھولی باتون اور سیدہے سادے معاملون پر آسمانِ انصاف سے موتی برس رہے
تھے۔ فراغت واطمینان کا باغ خوشی وخرمی کے پھول نچہاور کر رہا تہا۔ محبت وپیار کے
ہار گلے مین پڑے تھے۔ کامیابی کے گلدستے طاقون مین چُنے ہوئے تھے۔ آرام وآسایش
کی بیلین دیوارون پر چڑہی ہوئی تھین۔ غرض ہر قطعہ گلزار ارم بنا ہوا تھا۔
محافظ وخبرگیر کیسے کیسے خدمتگذار کہ حکم کی دیر اور تعمیل کو تیار۔ ایسے ایسے نازبردار کہ
ذرا سے اشارے پر جان نثار کرنے کو آمادہ۔ انتظام اتنا معقول کہ بڑے بڑے سرکش
وتاجدار مسافرون کے سامنے عاجز ولاچار تھے۔ اس منزل کا تمام زمانہ آزادانہ وبیباکانہ
گذر گیا۔ ضرورت سے پہلے اور حاجت سے پیشتر ہر چیز تیار اور موجود۔ نہ کسی بات کا کھٹکا
تہا نہ کسی قسم کا خوف۔ نہ عزت کی خواہش تھی نہ دولت کا ارمان۔ نہ نخوت کے اسباب
نہ غرور کا سامان۔ جو ملا وہ کھا لیا۔ جہان نیند آئی وہان پڑ رہے۔ طبیعت مین شر نہ تہا
اور دل مین فساد نہ تہا۔ "کیا ہوگا" کا فکر نہ تہا۔ "کیا ہوگیا" یہ یاد نہ تہا۔ کوئی بات خلاف
مزاج ہوئی رو دئے۔ کوئی چیز اچھی ہاتھ آگئی ہنس دئے۔ مگر طبیعتون مین قبولیت کا مادہ
موجود تہا۔ جو سنتے تھے وہ کہتے تھے جو دیکھتے تھے وہ کرتے تھے۔ نتایج سفر کا دار ومدار

اسی جگہہ تہا - ذراسی لاپروائی بدتر سے بدتر بنادیتی تھی۔

چمنستان شباب

چمنستان شباب کی سرحد مین داخل ہوتے ہی طبیعت خود بخود شگفتہ ہونے لگی۔ ہواے فرحت بخش جہونکے دل و دماغ کو تروتازہ کرنے لگے۔ پھولون کی تیز اور مست خوشبو سے کوسون تک جنگل مہک رہا تھا۔ جون جون آگے بڑہتے گئے دل مین اُمنگ اور خواہشین پیدا ہوتی گیئن۔ پاس پہنچکر دیکھا ایک خوشنما باغ دور تک چلا گیا ہے۔ دروازے لگے ہوے ہین۔ چار دیواری کہینچی ہوئی ہے۔ مگر اندر جانے کے واسطے اجازت عام ہے۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہین۔ آگے قدم بڑہایا۔ تمام عالم سرسبز و شاداب نظر آیا۔ ہر قطعہ چمن بہشت برین بنا ہوا ہے۔ رنگ برنگ کے پھول کہل رہے ہین۔ خوشبوؤن نے ہوا اور ہواؤن نے باغ کو لہکار کھا ہے۔ گلاب کے تختے پہیلے ہوئے ہین میٹھے اور ٹہنڈے پانی کے چشمے بہ رہے ہین۔ بارآور درخت جہنڈ کے جہنڈ جہوم جہوم کر زمین کو چوم رہے ہین۔ طائران خوش الحان ڈالیون پر بیٹھے چہکار رہے ہین۔ ہرے بہرے درخت کھڑے لہلہا رہے ہین۔ پرند کلیلین کر رہے ہین۔ کھلے قطار در قطار چلے گئے ہین۔ کیلے کی چہاؤن دور تک پہیلی ہوئی ہے۔ سنگ مرمر کے حوض بنے ہوئے ہین۔ رنگ رنگ کی مچھلیان تیر رہی ہین۔ وسط چمن مین ایک بارہ دری ہے۔ پٹاپٹی کے پردے پڑے ہوے ہین مخمل رومی و کاشانی کا فرش بچھا ہوا ہے۔ کنیزان مہرو سر سے پاؤن تک جواہرات مین ڈوبی زرق برق لباس سے آراستہ پیراستہ اِدہر اُدہر پہر رہی ہین۔

سراے طفولیت کے طرف سے مسافر بھاگے دوڑے چلے آرہے تھے اور چمنستان شباب کے اسباب دیکھکر اسطرح دلدادہ ہوتے تھے کہ گویا اب تمام عمر یہ فرحت و شگفتگی انکا ساتھہ نہ چھوڑیگی۔ اس سرزمین کی ہر چیز مین کچہہ ایسا مقناطیسی اثر تہا کہ دل خود بخود کہنچا

چلا جاتا تھا۔ دو چار صورتین ایسی بھی دکھائی دین جنھون نے اس بات کا پتہ لگا لیا کہ یہ دلفریب جلوے عارضی و فانی ہین۔

غور سے دیکھا تو درحقیقت تمام چمنستان ایک جادو کا کارخانہ تہا۔ گلاب کے پودے کانٹون سے پٹے پڑے تہے۔ چنبیلی کے پہولون مین شہد کی مکھیان چھپی بیٹھی تہین۔ بیلون مین سانپ بچھو لپٹے ہوے تھے۔ چشمون کا پانی دیکھنے مین صاف شفاف مگر پینے مین زہر ہلاہل۔ چور قزاق گرہ کٹ اُٹھائی گیرے آنکھون کے سامنے پہر رہے تہے۔ اور اپنے فن کے ایسے کامل و ہوشیار کہ کیسا ہی تجربہ کار آدمی کیون نہو بات کی اور گرفتار ہوا۔ نشے کا سا عالم تہا۔ جو نظر آیا وہ بیخود و سرشار۔ دیوارون پر خوبصورت تصویرین بنی ہوئی تھین مگر تصویر ایک دام تزویر تہا۔ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھا اور گلے کا ہار ہوئی۔ جو چیز تھی دیکھنے مین کچھہ برتنے مین کچھہ۔ ہوا کے خوشگوار جہوکون تک مین سمیت ملی ہوئی تہی ذرا ہوا لگی اور مسافر کچھ کا کچھ ہوا۔ باغ کے اُس طرف ایک بیابان تہا۔ ڈہاکے کا جنگل کوسون دور چلا گیا تہا۔ جانور صحرائی ہر طرف بسے ہوئے تہے۔ درندون کی خوفناک آواز سے رات کو تمام جنگل گونج جاتا تہا۔ بہیڑے بسا اوقات اندر گھس آتے تہے۔ شیرون کے منہ کو خون لگا ہوا تہا۔ چیتے ہر وقت تاک لگائے رہتے تہے۔ ہاتہیون کا غول بارہا ادہر سے اُدہر نکل جاتا تہا۔

چمنستان شباب کے پانی مین خاص طور پر یہ تاثیر تہی کہ مسافر اپنی اصلیت بھول جاتا تہا۔ حرص و تمنا دامنگیر ہوجاتی تہی۔ خواہش و ارمان کا ہجوم ہوجاتا تہا۔ مزاج مین نخوت آجاتی تہی۔ آنکھون پر غفلت کے پردے پڑجاتے تہے حسن و عشق کی تصویرین دلون کو مسخر کرلیتی تہین۔ اِتلافِ حقوق ظلم و تعدی عادات ہوجاتے تہے۔ خوف خدا غارت ہوجاتا تہا۔ خودغرضی کا جال ایک طرف بچہا ہوا تہا۔ علائق کی زنجیرین دوسری طرف پڑی ہوئی تہین۔ غرض از ابتدا تا انتہا چمنستان اور بارہ دری ایک سانچا تہا کہ مسافر کو ڈہالا

اور دوسری طرف پھینکدیا۔ گرفتارانِ بلا ہاتھہ مین ہتکڑیان پاؤن مین بیڑیان جکڑے ہوے اور کسے ہوے دہکے کھاکھاکر باہر نکلے تھے۔ زمانۂ گذشتہ کی یادگار دو چار کلنگ کے ٹیکے دس پانچ بدنامیون کے تمغے باقی رہ جاتے تھے۔ گناہون کی بہاری گٹھری سر پر ہوتی تھی مڑمڑکر دیکھتے جاتے تھے۔ مگر جو قدم اُٹھتا تھا پھر پلٹ نہین سکتا تھا۔

یہ لوگ اپنے پاؤنمین کلہاڑیان مارتے تھے۔ ورنہ خود چمنستان شباب کے واقعات اگر چشم بصیرت سے دیکھتے اور تاملِ صحیح کرتے تو اصلاح کو کافی تھے۔ بیمار پڑے ہوے کراہ رہے تھے۔ مصیبت زدہ چیخ چلا رہے تھے۔ قبرستان قبرون سے اور مرگھٹ کھوپڑیون اور ہڈیون سے پٹ رہے تھے۔ کوئی مان کے غم مین سوگوار تھا۔ کوئی باپ کے رنج مین بیقرار۔ کسی کی بہن چھٹ رہی تھی کسی کا بھائی جدا ہو رہا تھا۔ ایک جوان بیٹی کو رو رہا تھا۔ دوسرا بیٹے پر جان کہو رہا تھا۔ کوئی رو رہا تھا۔ کوئی ہنس رہا تھا۔ کہین پیدائش کہین موت۔ کہین چھٹی کہین برات۔ کہین دن کہین رات زمین سے لیکر آسمان تک ہر چیز رنج مین ڈوبی ہوئی۔ مرد مغموم۔ عورتین متفکر۔ غرض جو تھا بڈھا ہو یا جوان حیران و پریشان۔ عظیم الشان محل ویران پڑے تھے۔ سنگین وپختہ عمارتین سنسان کھڑی تھین۔ آبادی بیشمار تھی مگر ہر ایک اپنے دُکھ درد مین گرفتار تھا۔ بہت سے ایسے بھی تھے جنکو خدا نے ہر اعتبار سے مالامال کر رکھا تھا۔ عنایت ایزدی شامل حال تھی۔ صاحب اولاد تھے۔ فارغ البال تھے مگر غور سے دیکھا تو رنج و آفات مین بال بال جکڑے ہوے تھے۔ سہالت وغفلت کی انگلیان اُن کے کانون مین ٹھس ہوئی تھین۔ اور طمع وحرص کے پردے آنکھون پر پڑے ہوے تھے۔

عالمِ ضعیفی یا دریاے انحطاط

چمنستان شباب کے اس کنارے پر حیات آباد سے ملا ہوا دریاے انحطاط ہے

لے رہا تھا۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر پار اُترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ موجوں کے تھپیڑے۔ پانی کے گرداب۔ پہاڑوں کی چٹانیں۔ بادِ مخالف کے جھوکے وہ بارے کے سامنے بھی مشکل سے ہٹنے دیتے تھے غفلت و لاپروائی کے ناخدا عیب کسی بلا کا سامنا ہوتا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتے مسافروں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ ساتھ کی کشتیاں برابر ڈوبتی چلی جاتی تھیں اور اپنی بربادی کا خیال بھول کر نہ آتا تھا۔ حیاتِ ابدی کا تکیہ لگائے ہوئے ہوس دنیا کے میٹھے ترانے سنتے چلے جاتے تھے۔ اختتامِ سفر کا کوئی وقت معین نہ تھا۔ زندگی کے تمام سامان کشتیوں میں موجود تھے۔ اور دنیا بھر کے کاروبار پانی میں ہو رہے تھے۔ عاقبت اندیشی کا گذر نہ تھا۔ انجام پر نظر نہ تھی غرور کا سودا دماغوں میں سمایا ہوا تھا۔ طمع زر دست شفقت پھیر رہی تھی۔ ذرائع ناجائز گود میں لوٹ رہے تھے۔ بے ایمانی کی گھٹا سروں پر چھائی ہوئی تھی۔ نام و نمود کے کُہرے نے کوسوں تک تیرہ و تار کر رکھا تھا۔ ناپائداری دنیا کا ابر تلا ہوا سروں پر کھڑا تھا مگر ہٹ دھرمی اور خود پسندی کی خوبصورت دیویاں آنکھ اُٹھانے کی مہلت نہ دیتی تھیں۔ ریاکاری کا تلاطم برپا تھا مکر و فریب کے گھڑیال منہ کھولے بیٹھے تھے۔ اتلافِ حقوق کے بھنور جا بجا پڑے تھے۔ مگر یہ امید کے بندے ہیچ من دیگرے نیست کے نعرے مار رہے تھے۔

گناہ اور قصور کے اونچے اونچے پہاڑ پر اچھالے کھڑے تھے۔ قطب نما اور دوربینیں خاک کام نہ کرتی تھیں۔ پاپ کی ناؤ ٹکر کھا کر بیچ منجدھار میں ڈوبتی تھی۔ ساتھ کی کشتیوں کو ڈوبتا دیکھ کر بھی باقی ماندہ ہمسفر احتیاط نہ کرتے تھے۔ اور ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ جو ڈوبا وہ اسی نتیجے کا سزاوار تھا مجھ کو کوئی کھٹکا نہیں۔ دوسری کشتیوں کی تباہی دیکھ کر ہنستے تھے اور جب اپنے اوپر آ کر پڑتی تھی تو چیختے جاتے تھے اور ڈوبتے جاتے تھے۔

دریائے انحطاط میں ایک جزیرہ نظر آیا معجزیرۂ ندامت تھا چند نیک سیرت بزرگ صورت بہوس کی جھونپڑیاں ڈالے ہوئے سرنگوں بیٹھے تھے۔ اُن کی سپید ڈاڑھیاں اُن کے

چہرون پر نور برسا رہی تھین۔ فضیلت کے بڑے بڑے عمامے سر سے بندھے ہوے تھے۔ مگر فتنہ پردازی کی چھینٹین پڑی ہوئی تھین۔ اور گھٹے پڑی ہوئی پیشانیون پر کلنگ کا ٹیکا چمک رہا تھا۔ افعال گذشتہ کا تاسف اور اعمال کی پشیمانی چارون طرف سے گھیرے ہوے تھی۔ سر سے پیر تک عرق خجالت مین ڈوبے ہوے تھے۔ آسمان پر نگاہ تھی۔ اور سب پر اللہ ہی اللہ تھا۔

ایک گروہ دیکھا قویٰ بالکل بیکار ہوگئے تھے منہ سے بات نہ نکلتی تھی سر پر موت منڈلا رہی تھی مگر حسرت و ارمان دونون طرف مورچھل ہلا رہے تھے۔ انقلاب زمانہ نے اُنکی صورتین بگاڑ دی تھین۔ دنیا اُن سے بھاگ رہی تھی اور وہ دُنیا کو لپٹ رہے تھے۔

ایک جم غفیر عورتون کا ایسا ملا کہ اس کبرسنی مین بھی جبکہ قبرون مین پاؤن لٹکائے بیٹھی تھین اپنی نمایش ظاہری سے فرصت نہ تھی۔ بغض و حسد کا کاجل آنکھون مین پھیلا ہوا تھا۔ نخوت و غیبت کے تیل سے سر گندھے ہوے کذب و افترا کا زیور پہنے ہوے نافرمانی کا جھومر لگا ہوا۔ مکر و فریب کا تکیہ لگائے ہوے۔ حیاتِ ابدی کا پٹہ لکھائے ہوے تن تن کر اپنے حسنِ صورت کو دیکھ رہی تھین۔ ایک شخص کو دیکھا آنکھون سے اندھا۔ ہاتھون سے لُولا۔ پاؤن سے لنگڑا۔ منہ مین دانت نہین۔ پیٹ مین آنت نہین۔ ڈاڑھی سفید بگلے کا پر پلکین روئی کا گالا۔ ایک درخت کے نیچے کھڑا ایلاج کے ٹوٹنے کو رو رہا تھا۔

اس سے ملی ہوئی سرحد عدم آباد تھی جس کی پختہ و سنگین فصیل آسمان سے باتین کر رہی تھی۔ بلندی کا یہ حال تھا کہ پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ وسعت و رفعت کی یہ کیفیت تھی کہ اندر کی آواز باہر نہ آتی تھی۔ مسافرون کو لوگ پھاٹک تک پہنچا سکتے تھے آگے کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکتا تھا۔ دروازے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا "مبارک ہین وہ لوگ جو اپنا سفر نیکنامی کے ساتھ پورا کر کے آئے"

(مولوی محمد عبدالرشید دہلوی)

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ دہلوی

پیدائش دہلی ۱۸۳۲ء　　　　وفات دہلی ۱۹۱۰ء

آپ یکم اپریل ۱۸۳۲ء کو دہلی کوچہ بلاقی بیگم مین پیدا ہوے - دہلی کالج مین تعلیم پائی - ۱۸۵۵ء مین آپکے ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا - مدت تک صیغہ تعلیم مین مختلف عہدون پر سرفراز رہے - آخر مین میور سنٹرل کالج الہ آباد کے پروفیسر رہے - وہین سے ۳۷ سال ملازمت کے بعد ۱۸۸۷ء مین آپنے پنشن لی - ۲۴ سال پنشن لیکر ۸۰ برس کی عمر مین ۷ - نومبر ۱۹۱۰ء کو دہلی مین وفات پائی -

اُردو زبان کی جسقدر خدمت آپ کی ہے کسی کو کم اتنا موقع ملا ہوگا تہذیب الاخلاق انسٹیٹیوٹ گزٹ علیگڈھ اور مختلف پرچون مین آپکے مضامین برابر نکلتے رہے - آخر دم تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا - علوم ریاضیہ اور طبعیات مین آپکو خاص مہارت تھی - ان علوم کا ایک عمدہ ذخیرہ آپنے اردو زبان مین جمع کر کے ایک سلسلہ قایم کر دیا جو کئی شخصون کی محنت سے باہر تھا - حساب - جبر مقابلہ - اقلیدس - مساحت مین آپ کی ۸۲ تصنیفات ہین جو چھپکر شایع ہو چکین - علم طبعیات مین ۱۴ جغرافیہ مین ۳ تاریخ مین ایک مکمل تاریخ ہندوستان کی ہے دس جلدون مین - اور ایک صرف عہد انگلشیہ کی تاریخ ہے ۵ جلدون مین - ہندؤن کے عہد کی تاریخ ہے ایک جلد مین - یورپ کی تہذیب اور آئین قیصری وغیرہ - علم اخلاق اور علم ادب مین ۲۲ کتابین ہین - اُردو زبان مین ایسا شخص کم ہوگا جسکی مختلف علوم مین ۱۴۴ تصنیفین ہون -

آپکا طرز تحریر سادہ اور صاف ہے - انھین زبان دہلی کی خوبی اور ظرافت کا چٹخارا بھی موجود ہے -

سب چیزون مین شان الٰہی نمایان ہے

عالم باطنی ہی مین خدا جلوہ نما نہین ہے - بلکہ وہ عالم ظاہری مین بھی خود نما ہے - آسمان

مین بحر و بر مین مخلوق کا کوئی حصہ ایسا نہین ہے جس مین اُس حکیم کارساز کی شان کی نشانیان
نہ موجود ہون - اور اُس دارا سے خلق کی قدرت و صنعت کی بے شمار شہادتین نمایان نہ ہون
خواہ اُس مخلوق کو جو اجزا کی ترکیب سے مرتب ہوئی ہے - خواہ او انتظام و ترتیب عالم کو
دیکھو سب مین اُسی کے ظہور کا جلوہ ہے - جیسے انسان کوئی چیز بناتا ہے تو اُسمین صانع کی
فہم کا اندازہ ظاہر ہوتا ہے - ایسے ہی انتظام و مصالح عالم سے جہان آفرین کی حکمت و دانائی
معلوم ہوتی ہے - جیسے نوع بشر مین بھلے کام جو ہوتے ہین وہ فاعل کے حسن خلق کو ثابت
کرتے ہین - ایسی ہی دنیا مین جو انسان کے لئے خوش دلی کے ساز و سامان مہیا ہین وہ
منعم حقیقی کی ذات پر شہادت دیتے ہین - جیسے کہ اس عالم مین قدرت و دانائی ارادہ کی نشانیان
ان گنت ہین ایسی ہی اُس عالم آرا کی قدرت و حکمت و لطف و کرم بے انتہا ہین - فلک اور فضائے
آسمانی مین دیکھو کہ صنایع بدایع اُس صانع حقیقی کے ہاتھ کے موجود ہین - دن سے دن رات
سے رات کہہ رہی ہے کہ چاند سورج ستارے اُس فلک آفرین نے پیدا کیے ہین - اور اُنکو اپنا
محکوم بنایا ہے - اسرار عالم کے خزانون کی کنجیان اُسنے اپنے ہاتھ مین رکھی ہین - اُسکے سوا
کسی کو اُنکا حال معلوم نہین - وہی جانتا ہے کہ ان بحر و بر مین کیا کیا بھرا پڑا ہے - وہ ایسا علیم
ہے کہ اگر یہان کوئی بتا کرتا ہے تو اُسے وہ جانتا ہے - وہ بجلی کو چمکاتا ہے - پانی بھرے بادلون
کو لاتا ہے - وہ اناجون کو پیدا کرتا ہے - آسمان اور زمین کی پیدایش مین - رات دن کے
بدلنے مین - آسمان سے پانی بھیجنے مین جس سے زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے - زمین
اور آسمان کے درمیان ہوا اور بادل جو خدمت کرتے ہین اُنکے بدلنے مین ایسے آیات ربانی ہین
جن مین اگر غور کیجیے تو اُس ذات پاک کی عظمت و شان کو ظاہر کر رہی ہین -

خدا ئے تعالےٰ ہی سب چیزون کی جان ہے - وہی جنگلون کو بنا سنوار کے تنہا نشین
خوشرو بناتا ہے جسکو کوئی آنکھ نہین دیکھتی - وہی لہلہاتے کھیتون کو پیلا بنا کر دلون کو لبھاتا
ہے - وہ سال کی تقسیم ایک ترتیب سے کرتا ہے - ہر ایک جاڑے کی ایک حد مقرر کرتا ہے -

جس سے باہر وہ قدم نہین دہر سکتا - اسکی تیزی کو کند کر دیتا ہے - اس موسم مین عجیب حکمت سے بعض میوون کے نرم بیجون کو اندر رکھتا ہے کہ کوئی مضرت انکو باہر سے نہین پہنچ سکتی اور ایک موسم کے پہول کہلاتے مرجہلے - کہ ادہر اس نے دوسرے موسم کے پہول کہلائے جنکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے - وہی سارے عالم کا خداوند و مالک ہے - وہی سب جگہ پہیلا ہوا ہے وہ سب جاندارون کی جان ہے پہولون مین دیکھو کہ اُس مصور بے نظیر نے اپنی قلمکاری سے کیا کیا نقش و نگار بنائے ہین کیسی کیسی انکو خوشبوئین عنایت کی ہین - کیا کیا رنگ انہین پیدا کیے ہین - اُنکی آنکھون کو امرت کے پانی سے دہویا ہے - اُسنے ان دانون مین کہ جنکی تعداد سمندر کے ریگستان کے ذرون کی طرح بے شمار ہے وہ صورتین داخل کی ہین جو ساری زمین پر پہیلی ہوئی ہین - کیا خوش دل وہ شخص ہے جو خدا کے ساتھ رہتا ہے - مزون مین خوشبوؤن مین میوون مین - پہولون مین اُسی کو وہ پاتا ہے - خلقت مین ایک بیر کے درخت سے لیکر گہاس کے پتے تک جو دہوپ مین پڑا ہل رہا ہے یاد الہی مین دلکھیا ہے - **شعر**

ہر گیاہے کہ از زمین روید ۔۔۔ وحدہ لاشریک لہ گوید

گہر کی تربیت

گہر ہی مین آدمی اخلاق کی تعلیم پاتا ہے بُری خواہ بہلی - گہر ہی مین آدمی چال چلن کے وہ اصول سیکہتا ہے جو اُسکے ساتھ ساری عمر رہتے ہین - جوانی اور پیری مین وہ اُنہین پر چلتا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی خصلت کی بڑی تعلیم گاہ گہر ہے -

مشہور ہے کہ اوضاع و اطوار آدمی مین آدمیت پیدا کرتے ہین - یہ بہی کہتے ہین کہ آدمی مین آدمیت اُسکا دماغ پیدا کرتا ہے - مگر ان دونون باتون سے زیادہ سچ یہ بات ہے کہ آدمی مین آدمیت گہر پیدا کرتا ہے گہر مین آدمی کا دل کشادہ و زیادہ تر ہوتا ہے - وہ

ساری عادتین ہمین پیدا کرتا ہے - وہین اسکی عقل بیدار ہوتی ہے - گہرہی کی ٹکسال مین خصلت کے کہوٹے کہرے سکّے ڈہالے جاتے ہین گہرہی سے وہ اصول و مسائل پیدا ہوتے ہین جو معاشرت انسانی پر حکومت کرتے ہین - گہرہی کی باتون کا عکس قانون ہوتا ہے ننہے بچون کی وہی ننہی ننہی رائین بڑے ہونے پر جمہور انام کا دستور العمل بنتی ہین -

آدمی جب دُنیا مین پیدا ہوتا ہے تو وہ نہایت ہی بیکس اور بیبس ہوتا ہے - اُسکی کل پرورش و تربیت و تعلیم اُن آدمیون کے ذمے ہے جو اُسکے آس پاس ہوتے ہین - جسوقت سے وہ سانس لینے لگتا ہے اُسکی تعلیم شروع ہوتی ہے -

ابتدا مین بچے کی تعلیم اس طرح ہوتی ہے کہ وہ جو دیکھتا ہے اُسکی نقل اُتارتا ہے - عربی ضرب المثل ہے کہ انجیر کے درخت کو دیکھ کر انجیر کا درخت زیادہ پہل لاتا ہے - اور ہماری مثل ہے کہ خربوزے کو دیکھکر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے - پس یہی بچون کا حال ہے کہ وہ مثال کی تقلید سے تعلیم پاتے ہین - بڑی معلمہ مثال ہے - بچپنے کی خصلت آدمی کی خصلت کا مغز ہوتا ہے - باقی اور تعلیم بالاے پوست ہے - جسکے اندر وہ مغز ہمیشہ رہتا ہے - ایک شاعر کا قول کیا ہی سچا ہے کہ جس طرح صبح دن کو دکھاتی ہے ایسے ہی بچہ آدمی کا حال تبلاتا ہے - مثل مشہور ہے ہونہار برواکے چکنے چکنے پات - جو باتین ولادت کے وقت ہماری طبیعت مین نفوذ کرتی ہین وہی دیرپا اور ہمارے چال چلن کی محرک ہوتی ہے -

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک نئے عالم کی چوکہٹ پر قدم رکھتا ہے - ہر چیز کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے پہر رفتہ رفتہ وہ چیزون کو غور کی نظر سے مشاہدہ کرتا ہے - اشیا کا باہم مقابلہ کرتا ہے - اُنکے تصورات کو ذہن مین محفوظ رکہتا ہے - ایک فاضل نے لکہا ہے کہ اٹھارہ اور بیس مہینے کی عمر کے درمیان اُسکو مادی اشیا اپنے قواے خواص اجسام اور اپنے اور دوسرون کے فہم کا اتنا علم حاصل ہوجاتا ہے کہ باقی ساری عمر مین اسقدر نہین ہوتا - اس عمر مین علم کا خزانہ جو جمع ہوتا ہے اور اُسکے دماغ مین جو خیالات پیدا ہوتے ہین

وہ ایسے ضروری ہوتے ہین کہ اگر وہ کسی طرح ملیامیٹ ہو جائین تو پھر اُس کو ایک لحظہ جینا محال ہو جاتا ہے۔

یہ بچپن ہی کی کیفیت ہے کہ دل لوح سادہ برائے ہر نقش آمادہ۔ جو چنگاری اوّل اُس مین پڑتی ہے وہ اپنی روشنی دکھاتی ہے۔ خیالات جلد ذہن مین آجاتے ہین۔ اور دیر تک قائم رہتے ہین بچپن مین جو باتین ساتھ ہوتی ہین۔ وہ اکثر اخیر عمر تک ساتھ رہتی ہین بچپن ہی مین خصلت کی تعلیم کی ترقی ہوتی جاتی ہے یعنی مزاج کی۔ ارادے کی۔ عادت کی جنپر آئندہ ساری عمر کی خوشحالی بہت کچھ منحصر ہے۔ اگر کسی عالی دماغ حکیم کو روزانہ بے آرامیون اور بداخلاقیون اور کمینہ پن کی حالتون مین پھنسا دو تو وہ خود بخود وحشی پن کی طرف کھچا چلا جائیگا۔ پس جب عاقلون کی یہ نوبت ہے تو بچے کا کیا حال ہوگا جو بیکس ہے۔ اور موم کی طرح بہت آسانی سے نقش قبول کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔

جس گھر مین محبت کا اور ادائے حقوق شرافت کا شوق غالب ہے۔ جس مین دل و دماغ دونون عاقلانہ حکم چلاتے ہین۔ جس مین روزمرہ کے کاروبار زندگی مین دیانت امانت راستی موجود ہے جس مین عاقلانہ و مشفقانہ انتظام موجود ہے اُس گھر مین یہ توقع ہو سکتی ہے کہ اولاد تندرست و خوش دل و نفع رسان ایسی پیدا ہو کہ جب اُسکو قوت اپنے مربیون کے قدم بقدم چلنے کی حاصل ہو تو وہ نیک دلی کے طریقون پر چلے۔ اپنے نفس پر ضابطہ ہو۔ اور اپنے ہمسائے کے آدمیون کی بہبودی اور رفاہ مین معاون ہو۔ بچے کی طبیعت کے ڈھالنے کے لئے سب سے عمدہ سانچہ نمونہ ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ میرے بچون کی خصلتین اچھی ہون تو اُنکے سامنے اپنی خصلت کے اچھے نمونے پیش کرے۔

ہر بچے کی آنکھون کے سامنے جو نمونہ مستقل طور پر رہتا ہے وہ اُسکی مان ہے۔ سو معلمون کے برابر ایک اچھی مان ہوتی ہے گھر مین وہ ... دلون اور ساری آنکھون کی مقناطیس ہوتی ہے۔ اولاد ہمیشہ مان کی پیرو ہوتی ہے۔ مثال امر سے بہتر ہوتی ہے

مثال تعلیم بالعمل کو کہتے ہین - امر زبانی حکم کو - مثال اپنی بے زبانی سے جو تعلیم کرتی ہے وہ زبانی ادامر نہین کرتے - مثال بد کے روبرو عمدہ ادامر بہت ہی کم فائدہ دیتے ہین - مثال کی پیروی کی جاتی ہے ادامر کی نہین - جب امر بر خلاف عمل کے ہوگا تو وہ برولانہ برائیان سکھائے گا بچے ہی اپنے مان باپ کی اس بات کو سمجھ جاتے ہین کہ وہ کہتے ہین کچھہ اور کرتے ہین کچھہ - اور اگر کوئی واعظ کسی کا مال مار کر جیب مین رکھے اور دیانت کا وعظ کہے تو کچھہ اثر نہ ہوگا - گھر عورت کی دارالسلطنت ہوتا ہے - اسمین سارے احکام اُسکے چلتے ہین - وہ اپنے بچون کی ننہی ننہی رعیت پر حکم ناطق نافذ کرتی ہے - ہر چیز کے لئے بچے اپنی آنکھون کو اُسی کی طرف لگائے رہتے ہین - ہر وقت اُنکے روبرو وہی مثال اور نمونہ ہے جسکی وہ پیروی کرتے ہین اور نقل اُتارتے ہین گو اُسکا علم خود اُنکو نہ ہوتا ہو - اسواسطے بچون کی چال چلن اور طور طریقے پر مان کا اثر بہ نسبت باپ کے زیادہ ہوتا ہے - گھر مین مان کا نیک مثال ہونا ایک بڑی نعمت ہے -

ابتدائے عمر مین دل کے اندر جو خیالات جم جاتے ہین اُنکا حال ایسا ہوتا ہے جیسے کہ کسی چھوٹے پودے کی چھال پر حروف کندہ کر دئے جائین - وہ درخت کے ساتھہ بڑہتے چلے جائینگے گو وہ کیسے ہی ہلکے ہون مگر مٹنے کے نہین - زمین پر بیج ڈالے جاتے ہین تو کچھہ مدت تک وہ اُس مین پڑے رہتے ہین پھر پہوٹتے ہین اور بڑہتے ہین - یہی حال اُن خیالات کا ہوتا ہے جو ہمارے دل مین اول جم جاتے ہین کہ آخر کو وہی ہمارے عادات اور اعمال ہو جاتے ہین -

نسل انسانی کا ظاہری انتظام مہر مادری پر ہے جسکا اثر مدام اور عالمگیر ہے - جب سے انسان پیدا ہوتا ہے اسکی تعلیم شروع ہوتی ہے - اور اُسکے ساتھہ ہی مان کی محبت کا اثر شروع ہوتا ہے - بچون پر نیک ماؤن کا اثر عمر بھر رہتا ہے جب اولاد دنیا کے کام دہندون جھگڑون بکھیڑون اور ترددات و تفکرات مین پڑتی ہے اور تکلیفات اور مشکلات پیش آتی ہین تو وہ صلاح و مشورے اور تسلی و تشفی کے لئے ماؤن ہی کی طرف رجوع کرتی ہے مثل مشہور ہے کہ مصیبت کے وقت مان ہی یاد آتی ہے - مائین اپنے بچون کے دلون مین جو عمدہ اور پاکیزہ خیالات

جما دیتی ہین وہی بڑے ہوئے پر نیک اعمال کی صورت مین اپنا جلوہ دکھاتے ہین۔

عورت سب معلمون سے زیادہ نرمی اور ملائمت سے تعلیم کرتی ہے۔ مرد انسانیت کا دماغ ہے۔ عورت اُسکا دل ہے۔ وہ اُسکی قوت ہے۔ یہ اُسکا حسن و زیب و زینت ہے۔ مرد عقلی ہدایتین کرتا ہے۔ مگر عورت قلب کی درستی کرتی ہے جس سے خصلت سنورتی ہے۔ مرد حافظے کو پُر کرتا ہے۔ عورت دل کو پُر کرتی ہے۔ مرد جس بات کا یقین دلاتا ہے عورت اُسکی محبت دلاتی ہے۔ غرض عورت کی بدولت اکثر ہماری رسائی نیکی پر ہوتی ہے۔

اگر کوئی عورت نیک اطوار۔ کفایت شعار۔ خوش مزاج۔ پاکیزہ طبیعت کسی گھر کی سرپرست ہو تو سارے کنبے کی زندگی بخیر و عافیت بسر ہوگی۔ اور وہان آرام و چین نیکی اور خوشدلی طرح طرح سے اپنے جلوے دکھائیگی۔ ہان مرد کے لئے بہت سے ہمراہی دل کے خوش کرنے والے موجود ہونگے۔ دلون کے لئے عبادت گاہ وہان تیار ہے۔ حادثات زمانہ سے بچنے کے لئے امن وہ ہے محنت و مشقت کے بعد آرام گاہ ہے۔ مصیبت و افلاس مین تسلی و تشفی وہان ہے۔ غرض ہر درد کی دوا وہان موجود ہے۔ اور ہر وقت خوشی اور راحت کا سامان مہیا ہے۔

بچون اور بڑون کی تربیت اخلاق مین گھر جیسا سب مدرسون سے بہتر ہے ویسا ہی بدتر بھی ہوسکتا ہے۔ گھر مین اُس قوت کا ہونا بھی ممکن ہے جو بچپن سے لیکر دم آخرین تک بے حد شرارت اور جہالت پیدا کرتی ہے۔ ماؤن اور دائیون کی نالائقی سے کیا کیا اخلاقی آفات اور امراض ظہور مین آتے ہین۔ بچے کو ایک پاجی جاہل دایہ کے حوالے کردو تو بچے مین وہ عیب پیدا ہوگا جو ساری عمر کی تقلید و تربیت سے دور نہ ہوگا۔ جس گھر مین مان شریر۔ کاہل۔ نابکار ہو۔ کھڑ پیچین نکالتی ہو۔ جھنجلاتی ہو رنج پھیلاتی ہو۔ وہ گھر جہنم ہے۔ جس سے بھاگنے کو دل چاہتا ہے۔ جن بچون کی بدنصیبی سے ایسے گھرون مین پرورش ہوئی ہے وہ اخلاق کی رو سے بُرے اور بدڈول ہونگے۔ وہ نہ اپنے لئے اچھے ہونگے نہ اورون

کے لیۓ۔ بلکہ سب کے واسطے بُرے ہونگے۔

مردون کی خصلت بنانے مین عورتین جو اثر کرتی ہین گو توشت خواند مین نہ آۓ مگر وہ اُنکے بعد باقی رہتا ہے اور ہمیشہ اپنے نتائج خیر کو جاری رکھتا ہے عورتون نے نہ تو بڑھ بڑھ کے تصویرین بنائین۔ نہ بڑی بڑی کتابین تصنیف کین۔ نہ الجبرا ایجاد کیا۔ نہ دوربین اور دخانی کلین اختراع کئے ہین۔ کہ صاف باطن و نیک صفات اہل دل موجدون کو اپنی گود مین تعلیم و تربیت کیا ہے۔ اس سے بہتر کیا ایجاد دنیا مین ہو سکتا ہے۔ اگر عورت اور مردون کی خصلتون کا فیصلا اس لحاظ سے کیا جاۓ کہ کس نے زیادہ بھلائی دنیا مین پھیلائی تو عورتون کو ترجیح رہے گی۔

عورتون پر لازم ہے کہ وہ سلیقہ مندی کی عادت پیدا کرین کہ جس سے وہ دنیا کے روزانہ کامون مین موثر۔ مددگار۔ و معاون ہون عورتین ہی بچون کو دودھ پلانے والی۔ پرورش کرنے والی۔ تعلیم کرنے والی ہوتی ہین۔ ماؤن کی فقط محبت طبعی کافی نہین عقل حیوانی نسل حیوانات کو قائم رکھتی ہے۔ کیونکہ اُسکو ضرورت تربیت و تعلیم کی نہین ہوتی لیکن عقل انسانی جسکی ضرورت ہمیشہ کنبے مین رہتی ہے تعلیم کی محتاج ہے۔ خداے تعالے نے عورتون کو ایک خاص فطرت جسمانی عطا کی ہے لیکن اسکے ساتھ فطرت عقلی اور فطرت اخلاقی بھی سکونت پذیر ہے۔ پس عورتون کو سب سے پہلے یہ سمجھنا ضرور ہے کہ صحت جسمانی و صحت عقلی و صحت اخلاقی بموجب قوانین فطرت گھر مین کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ آدمی کے ایک تہائی بچے پانچ سال کی عمر کے اندر مر جاتے ہین۔ اسکا سبب یہ ہے کہ مائین قوانین فطرت سے آگاہ نہین ہوتین۔ وہ جسم کی ترکیب سے بے خبر ہین۔ تازی ہوا۔ اور صاف پانی کے فوائد سے ناواقف ہین۔ زود ہضم غذا کے تیار کرنے اور بنانے کو نہین سمجھتین۔ یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ عورتون کو مردون جیسی عقل اس لیۓ دی گئی ہے کہ وہ کام مین لائی جاۓ۔ نہ یہ کہ نکمی رکھکر سڑائی جاۓ۔ یہ عطیات بغیر کسی مطلب اور مقتضا کے نہین عطا ہوے۔

عورت اسلیئے نہین بنائی گئی کہ وہ بے عقل و نافہم رہ کر مرد کی خدمت یا مزدوری کرے - یا ایک سُہانا کھلونا بن کر وقت فرصت اُسکا دل خوش کرے - اسکے ذمے ایسے نازک جوابدہی کے فرائض ہین کہ جنکے لیے دماغ تعلیم یافتہ اور دل شفقت انگیز چاہیئے عورتون کی تعلیم کے باب مین ہمیشہ سے اختلاف رائے چلا آتا ہے - ایک طرف نہایت تنگدلی سے یہ رائے نامعقول بیہودہ لچر دی جاتی ہے کہ عورتون کو علم کمسٹری کا اسقدر جاننا کافی ہے کہ وہ ہنڈیا پکالین - اور علم جغرافیہ اسقدر بہت ہے کہ وہ اپنے گھر کے کمرے جانتی ہو - بڑا کتب خانہ اُنکے لیئے یہ ہے کہ ایک کتاب مقدس اُنکے پاس ہو - دوسری طرف اُسکے مخالف وہ رائے ہے جس مین مبالغہ - لغو - فضول - فطرت کی مخالفت موجود ہے - اُسکا دعوٰی یہ ہے کہ تعلیم مین عورت اور مرد دونون ہم پلہ ہون - حقوق مین اور رائے دینے مین دونون برابر ہون - منصب و جاہ و دولت و حکومت کے لیے جو خودغرضی کی جڑ اور خطرے کا گھر ہین دونون مساوی سمجھے جائین فقط عورت ہونے کی وجہ سے کسی جاہ و منصب سے محرومی نہ ہو -

ابتداے عمر مین جو تعلیم و تادیب نہایت مناسب لڑکون کے واسطے ہے وہی لڑکیون کے لیئے ہے - تربیت و تعلیم کی استعداد جیسی مردون مین ہے ویسی ہی عورتون مین ہے - مردون کے اعلیٰ درجے کی تعلیم کے حق مین جو دلائل متین اور براہین عظیم بیان کیے جاتے ہین وہی عورتون کے اعلیٰ درجے کی تعلیم کے لیئے نہایت متانت سے وکالت کر رہے ہین - گھر کے تمام کارخانون مین عقلمندی عورتون کی بکارآمد اور موثر ہونے کو زیادہ کر دیگی - یہ عقلمندی عورتون مین تفکر اور مآل اندیشی پیدا کریگی - وہ پہلے سے اُنکو سمجھا دیگی کہ زندگی کی ضروریات کیا ہین اور وہ کیونکر بہم پہونچ سکتی ہین - غرض ہر طرح سے ان کی تقویت کا سبب ہوگی - انکی قواے عقلیہ کی تادیب سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ وہ جیسے اپنے بھولے پن اور جہالت سے دغا اور فریب اور توہمات کے جال مین پھنس جاتی ہین بچینگی - اور اخلاقی اور مذہبی تربیت اُنکا افتخار بڑھائینگی - اور اُن مین وہ سچی خود اعتمادی اور فرائض پروری پیدا کریگی

جو عمانہ دری کے چین و آرام اور خوشدلی کا سرچشمہ ہے۔

مردون کے اخلاق و دماغ کا صحیح رہنا عورتون پر موقوف ہے اسلیے عورتون کی تعلیم بابت تعلیم و تربیت بالشان امر سمجھا جاتا ہے۔ عورتون کی پاکیزگی اخلاق اور عقلی تربیت مردون کی اخلاقی خصلت اور عقلی قوت کی بڑی ملا ذوماوے ہین جیسے یہ دونون مل کر اپنے قوے کو کامل طور پر ظاہر کرین گے ویسا ہی قوم کا انتظام زیادہ عمدہ ہوگا۔ اور اس کی برتری اور اقبال مندی یقینی ہوگی۔

مولنا عبدالحلیم شرر عباسی

سنہ۱۸۶۶ء مین لکھنؤ مین پیدا ہوے۔ پانچ برس کے سن مین آپکی بسم اللہ ہوئی آپکے والد ماجد جناب حکیم تفضل حسین صاحب عربی کے اعلی تعلیم یافتہ اور فارسی کے یکتاے عصر تھے واجد علی شاہ کے ملازم تھے۔ آٹھ برس کے سن مین آپکو اپنے ہمراہ کلکتہ لے گئے۔ وہان حافظ الٰہی بخش صاحب سے قرآن مجید ختم کیا۔ اور اپنے والد سے کچھ ابتدائی کتابین اور ملا باقر سے صرف و نحو اور مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی سے کچھ منطق و فلسفہ کی کتابین پڑھین۔ اسی زمانہ تعلیم مین انگریزی زبان بھی سیکھ لی اور حکیم محمد مسیح صاحب سے طب پڑھی اور چندے مطب بھی کیا۔ کلکتہ مین قیام کے زمانہ مین لکھنؤ آنا ہوتا تھا۔ علم کا شوق بیکار نہ بیٹھنے دیتا تھا چنانچہ اسی زمانہ مین مولوی محمد یحیی صاحب اور مولوی عبدالباری صاحب سے آپنے متوسطات معقول تمام کین۔ سنہ۱۸۷۷ء مین آپ کے والد نے آپکو لکھنؤ بھیجدیا یہان آکر آپنے آفتاب ہند جناب مولنا عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ سے تمام کتب درسیہ تمام کین۔ اور جناب مفتی میر عباس صاحب سے عربی علم ادب کی تعلیم پائی۔ سنہ۱۸۷۹ء مین علم حدیث کا شوق آپکو دہلی لے گیا۔ اور مشہور محدث جناب مولوی نذیر حسین صاحب سے صحاح ستہ اور موطا امام مالک تفسیر جلالین ختم کر کے لکھنؤ واپس آئے۔ نظم مین آپ مولوی حیدر علی صاحب طباطبائی کے شاگرد ہین جو اس زمانہ کے مشہور ناظم و نثار ہین۔ حیدرآباد دکن مین قیام فرما ہین۔ اور برکات ولایت آصفیہ سے مالامال ہین۔

سنہ ۱۸۸۰ء مین آپ اودھ اخبار کے اسسٹنٹ اڈیٹر مقرر ہوے - اسی زمانہ مین محشر نام ایک ہفتہ وار رسالہ آپنے نکالا جسمین بہت نازک رنگین شاعرانہ مذاق کے مضامین نکلتے رہے - اودھ اخبار کی اڈیٹری ترک کرنے کے بعد آپنے ایک دلچسپ ناول لکھا جسکو بہت مقبولیت ہوئی - جنوری ۱۸۸۷ء سے آپنے دلگداز جاری کیا - جو اپنے رنگ کا بے نظیر پرچہ ہے -

سنہ ۱۸۹۰ء مین آپ حیدرآباد تشریف لے گئے - تو نواب وقار الامرا بہادر معین المہام مال نے اپنے خزانہ پایگاہ سے ماہوار آپکی تنخواہ مقرر کر دی - حیدرآباد کے قیام کے زمانہ مین آپنے تاریخ سندھ لکھی جسکے مسودہ کو دیکھکر نواب وقار الامرا بہادر نے پانچہزار روپیہ انعام کے طور پر خزانہ ریاست سے دلوائے -

سنہ ۱۸۹۵ء مین آپ نواب وقار الامرا بہادر کے صاحبزادے نواب ولی الدین خان بہادر کے ہمراہ انگلستان تشریف لے گئے - انگلستان میں ایک سال رہے - اور وہین فرانسیسی زبان سیکھی اور اسقدر استعداد حاصل کر لیا کہ فرنچ زبان کی کتابون کو سمجھ لین اور اس زبان کی کتابون کا اردو مین ترجمہ کر لین - انگلستان سے واپسی کے چھ ماہ بعد نواب وقار الامرا بہادر سے باضابطہ اجازت حاصل کرکے پھر لکھنو آئے - اور یہان آکر برابر علمی خدمات مین مشغول رہے -

سنہ ۱۸۹۹ء مین آپ پھر حیدرآباد تشریف لے گئے اور وہان اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات مقرر ہوے - سنہ ۱۹۰۴ء مین جناب مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم اور مولوی ظفر علی خان صاحب بی - اے کے ہمراہ آپ بھی اپنے خدمت سے سبکدوش ہوے - اسوقت سے برابر لکھنو مین قیام ہے - اور ادبی مشاغل سے کوئی دم خالی نہین -

نثر مین شاعرانہ خیالات کا اظہار کرنا - تاریخی اور عشقیہ ناولون کو دلچسپ پیرایہ مین ادا کرنا - تاریخی حالات کو تحقیق سے لکھنا - قدرتی منظر - دلی جذبات کو ایسے طور پر لکھنا کہ پڑھنے والے کے دل پر اس کا سچا اثر قایم ہوجاے آپکا حصہ ہے - جسمین اسوقت کوئی آپکی برابری نہین کر سکتا - ناولون کے بابت تو تمام ہندوستان نے مان لیا ہے کہ آپ سے بہتر کوئی لکھنے والا نہین - آپ کثیر التصانیف ہین - آپکی حسب ذیل چند تصانیف ہایت قابل قدر ہین -

تاریخ سندھ - حروب صلیبیہ - عصر قدیم - فلورنڈا - ماہ ملک - ایام عرب - فتح اندلس - فردوس بریں -

رنج والم

اے ہمسفیرانِ ملک وجود کہو تمہاری اتنی زندگی بے رنج والم کا مزہ اُٹھائے ہی ختم ہوگئی - تم تو ابھی چند روز دن اور باغ ہستی کی ہوا کھاؤ گے تمکو اپنی پوری عمر کا کیا حال معلوم - تم کیا جانو کہ باقی عمر کیونکر گذرے گی اسلئے تمہارا کیا اعتبار - دیکھو ہم اُن لوگون سے سارا حال پوچھے لیتے ہین جو زندگی کو کھو چکے اور اپنے دلِ دردمند کو لئے قبرون مین لیٹے ہوئے ہین اور اصل تو یون ہے کہ اُنسے بڑھکر کوئی کیا جانے گا - ہاے جان دیکہ یہی تو ایک تجربہ ان لوگون کو حاصل ہوا ہے مدتون دنیا مین ٹھوکرین کھاکر بس اتنی ہی بات اُنھون نے سیکھی ہے - قبر کی بے فکری مین اگر کبھی دنیا یاد آتی ہوگی تو روز روز کا سوہان روح اور گھڑی گھڑی کا غم واندوہ آنکھون مین پھر جاتا ہوگا -

اے یاران عدم اب تمہارے ہوتے یہ معاملہ کس سے دریافت کرنے جائین - پیاری زندگی تم اسی روزانہ مصیبت کے نذر کرچکے ہو - سب سے بڑی دولت کھوکر تم نے سیکھا ہے بتاؤ کہ جب تک دنیا مین تھے کسی وقت بھی آرام سے بسر کرنے کا اتفاق ہوا تھا - یہ ساری ساٹھ ستر برس کی عمر جان کاہیون ہی مین گذری - بھلا تمہین کوئی ایسا دن بھی نصیب ہوا تھا جس مین تم چین سے سوئے ہو کوئی جشن عشرت پوری طرح مزے مین گذرا تھا - کسی بزم طرب مین بھی تمکو آخر تک وہی پہلی سی شادمانی رہی تھی - ہماری تو یہ راے ہے کہ ایک لمحہ بھی تم پر بے رنج والم کے نہ گذرا ہوگا - آخر کچھ تو بتاؤ کہ ہماری تسکین ہو - دیکھو بڑی آرزو لگا کر آئے ہین - یہ مسئلہ یہان بھی نہ حل ہوا تو کچھ نہوا -

خیر تم نہ بولو بھی تو کیا مضایقہ ہے - وہ تمہارا غضب کا سکوت اور بلا کی مایوسی کہے

دیتی ہے کہ کبھی سچی خوشی نہ نصیب ہوئی۔ تمہاری حسرت ناکی گواہ ہے۔ گور غریبان کی
سنسان آبادی پکار رہی ہے کہ "صورت ہمیں حال [illegible]
ہے کہ "خاموشی نیم رضا" ہم سمجھ گئے کہ اس چپ چاپ سا ہونے پر یہ بات ٹل جائیگی
بھلا کہین ایسا ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمہارے یہان آکر یہی معلوم ہوا کہ دنیا بس
رنج والم کا گھر ہے۔

اب تو اس مسئلہ پر ہمین یقین آگیا۔ لاؤ زمانہ بھر کو سمجھا دین کہ دنیا کی ان دلگیر خوشیون
مین پھنس کر بری گھڑی کو نہ بھولے۔ گو مستی شبینہ مین خمار کا خیال کسے گذرا ہے جو ہماری
سرمغزن سے گذرے گا۔ مگر ہمین اپنا فرض ادا کر دینا چاہیئے۔ اے صاحبان رخصت کی
گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ مزے مین آکر ایسے نہ اترا جاؤ۔ اے رندان خرابات
دیکھو پھر خمار بے چین کر دے گا۔ یون سیہ مستیون کی نہ لو۔ اے راحت طلبان
بزم عشرت زیادہ خوشیون مین نہ آؤ۔ تھوڑی ہی دیر مین محفل برہم ہوا چاہتی
ہے۔ اے دلدادگان وطن یہ نہ سمجھو کہ کبھی وطن آوارگان غربت کا سامنا نہ دینا
پڑے گا۔ کیون اسقدر مانوس عشرت ہوے جاتے ہو۔ اے جلوہ افروزان تخت
سلطنت اتنی راحت طلبی اچھی نہین تمہارے تھوڑے دشمن نہین ہین۔ اے بدمستان
دولت ہوش مین آؤ۔ کون جانتا ہے کہ زمانہ تم سے ہمیشہ ہی بنا رہے گا۔

مگر افسوس جس طرح گور غریبان والون نے دریافت کرتے وقت سانس تک نہ لی
تھی اسی طرح ان لوگون نے بھی آنکھ اٹھا کے نہ دیکھا۔ دنیا کی وابستگیان خدا جانے کیسا
لبھا لیتی ہین کہ گو روز کسی نہ کسی صدمہ سے سابقہ پڑتا ہے مگر پھر بھی متنبہ نہین ہوتا۔ وہ
اگلا جملہ سونے سے لکھنے کے قابل ہے کہ "مستی شبینہ مین کبھی خمار نہین یاد آتا ہے"۔

دنیا مین دو چیزین ہین ایک راحت اور ایک رنج۔ ان دونون مین ہمیشہ مقابلہ
ہوتا آیا ہے۔ عقل نفس کے دلچسپ مباحثے تو سبھی کو یاد ہونگے مگر رنج و راحت کی روزانہ

لڑائیان بھی دیکھنے کے قابل ہین۔ انسان مین دیکھو راحت اپنے زبردست مددگار جوانی کو بلاتی ہے اور رنج بڑھاپے کو لا کر اُسکا مقابلہ کرتا ہے۔ مگر یہ کس غضب کا نجیف الجثہ بڈھا ہے کہ ہمیشہ جوانی پر غالب آجاتا ہے۔ باغ ہستی عام طور پر ایک عشرت کی بہار کا مزہ اٹھوا اٹھواتے کبھی خزان کے ذریعہ سے انتہا کی افسردگی کا سامان دکھلا دیتا ہے۔

مگر راحت کچھ ایسی جلد بازی اور سرعت کو کام مین لاتی ہے کہ جب اسے دیکھا ہے پہلے ہی آتے دیکھا ہے۔ اور غم آخر مین آکر ساری بزم عشرت کو برہم کر دیتا ہے۔ اسی لئے دیکھیے ہر کسی کا پیدا ہونا نمونہ راحت ہے اور مرنا نمونہ رنج پوری خوشی سے انسان کی ابتدا ہوتی ہے اور دنیا کی چند روزہ عمر راحت وغم کے اختلافات اور جنگ و جدال کا زمانہ ہے۔ خوشی چاہتی ہے کہ مین اپنا وہی اگلا سا رنگ جمائے رہون اور رنج کہتا ہے کہ باغ کی سیر اور یہ آرزو۔ کہین پوری ہو سکتی ہے۔ لاکھ سنبھالے اور دے ہون مگر جب مین سنبھلنے دون۔ یہان تک کہ آخر کو اس لڑائی مین رنج ہی کے ہاتھ میدان رہتا ہے اور موت نصیب ہوتی ہے جو تمام خوشیون کا خاتمہ ہے اور رنج ہی رنج رہجاتا ہے۔ پوری خوشی اُسی روز تھی جس روز پیدا ہوے تھے۔ اور پورا رنج اُس روز ہوگا جب مرینگے۔

مگر کیا غم بالکل بُری ہی چیز ہے۔ اصل تو یون ہے کہ ساری خوشی رنج ہی کے بدولت ہے جس روز رنج دنیا سے اُٹھ جائے اُس روز خوشی کا خاتمہ ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ کسی چیز کے ہونے کی جبھی آرزو ہوگی جب نہ ہونیکا کھٹکا ہو۔ آفتاب کا چمکدار چہرہ اسلئے بھلا معلوم ہوتا ہے کہ چار پہر اسکے دیکھنے کو آنکھین ترس جاتی ہین اسلئے کہتے ہین کہ خوشی اُنھین لوگون کو نصیب ہوتی ہے جو مدتون سرد مہری زمانہ کا مزہ اُٹھا یا کئے ہین۔

لوگ جو بچپن سے ناز و نعمت مین پلا کئے ہین کیا جانین کہ سچی راحت مین کیا مزہ ہے۔ یہ تو اُنھین سے پوچھئے جن کی بلاکشی مین گذری ہو۔ رنج رنج ہے تو خوشی سے خوشی ہے تو رنج سے۔

ہمارا مذہب ہے کہ آدمی کبھی خوشی مین رنج کو نہ بھولے اور رنج مین خوشی سے مایوس نہو۔ دونون کا جوڑا برابر ہے۔ مبتلایان غم سمجھ لین کہ راحت کا جیسا مزہ اُن کو ملے گا کسی کو نہین ملسکتا۔ سب کچھہ سہی مگر کوئی یہ بلاکشی کہان سے لائیگا۔ اور راحت کا لطف ہے تو اسی کے بعد۔ غم فراموشان بزم عشرت ڈرتے رہین کہ آگے چلکر جیسا غم اُنھین جھیلنا پڑیگا کسی نے کا ہے کو جھیلا ہوگا۔ ہزار آفتین ہون مگر کسی نے ایسی راحت کا ہے کو اُٹھائی ہوگی اور سب سے بڑا غم وہی ہے جو عیش و عشرت کے بعد ہو۔ اُنکی پیروی کرین تو دیکھو کس مزے مین رہتے ہین۔ نہ غم کیشون کو ایسی مایوسی ہوگی۔ اور نہ عشرت گزینون مین ایسی فرعونیت آنے پائیگی۔ (محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی)

باغ آرزو

آہاہا! اسلامنے کیسے پھول کھلے ہوے ہین۔ جوانان چمن کیسا خوبصورت زیور پہنے ہین کہ نظر اودھر جاتے ہی فریفتہ ہو جاتی ہے۔ درختون کا ہرا ہرا رنگ آنکھون مین کھپا جاتا ہے۔ کس قیامت کی بہار ہے۔ اس لطف فریب منظر نے دل مین کچھہ ایسا جوش پیدا کر کے اپنے طرف کھینچا کہ بجھی ہوئی طبیعت مین ایک ولولہ پیدا ہوگیا۔ حوصلے بڑھ گئے۔ اور امیدون نے پہلو مین گدگدا کر آگے بڑہا دیا۔ حسرت نصیب زندگی مین جن ہاتھون کو شب و روز ملا کئے تھے وہ اس شوق سے پھیلے کہ ایک دو پھول توڑ لین۔ مگر ناکامی ہوئی۔ دو قدم اور بڑہے۔ اب یقین تہا کہ پھول بالکل پاس ہی ہین مگر ہاتھہ پھر خالی پڑا۔ اور آگے بڑہے مگر پھر بھی حسرت کے سوا کچھہ ہاتھہ نہ آیا۔ یونہی برابر بڑھ بڑھ کے ہاتھہ مارتے چلے گئے۔ اور ناکام ہوتے رہے۔ حوصلہ پست ہونے لگا اور ارادہ کیا کہ اس خیال خام سے باز آئین حسرت بھری نگاہ سے اُن تر و تازہ اور خوش نما پھولون کو دیکھا جن سے ہاتھہ اُٹھا یا چاہتے

تھے۔لیکن اس مرتبہ وہ پھول اسقدر نزدیک اور ایسے شگفتہ معلوم ہوے کہ امیدین ازسرنو زندہ ہوگئین۔ اور حوصلے نے گویا سنبھالا لیا۔دل خود بخود کہنے لگا۔اُہوہ - ! - اب تو یہ پھول بالکل پاس ہین۔ تر و تازگی اب کچھہ اور ترقی پر معلوم ہوتی ہے۔اب تو انکے رنگ بھی پہلے سے زیادہ نظر فریب ہین۔ تھکے ہوے پاؤن سے پھر کام لیا۔مگر اب بھی یہی ہوا۔ کہ وہ ہوکا ہوا تہا۔ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔اور کہنے لگے ہاے کیا اچھے پھول ہین۔ اتنا کھکر دیکھا تو پھول اور زیادہ نزدیک معلوم ہوے۔پھر اردشواری اُٹھے۔اور گرتے پڑتے چلے۔ مگر مایوسیون نے اس دفعہ بھی ناکام ہی رکھا۔باغ آرزو اسی کو کہتے ہین۔ یہ تو کسی کو نہین معلوم کہ دُنیا مین ہے یا نہین۔مگر اتنا جانتے ہین کہ سب لوگون کو پاس ہی نظر آتا ہے۔دل بستگیان ہین کہ جلوہ گاہ جس کی طرح لگا لگا کے آگے ہی بڑہائے لے چلی جاتی ہین۔ اور کچھہ ایک ہی قسم کی نہین۔ ہر طرح کے لطف اور ہر مذاق کی دلچسپیان ہین۔ دیکھو وہ عورت اپنا بیمار بچہ گود مین لئے کھڑی ہے کیسی مایوس ہو ہو کے چارون طرف دیکھتی ہے۔ مگر کوئی دردمند نظر نہین آتا۔آنسو بھری ہوئی آنکھون سے کارخانۂ قدرت کے مٹے مٹے منوتے دیکھ رہی ہے۔دنیا بھر کی خوشیان اور شگفتہ دلیان اُسے دہندلی دکھائی دیتی ہین۔ ان سب چیزون کو ایک حسرت آلود نگاہ سے دیکھ کر اُسنے ایک سرد آہ بھری اور آنکھین جھکا لین ہجوم یاس سے گھبرائی ہوئی نگاہ کہین ایک حال پر ٹھہر سکتی ہے۔اُسنے پھر آنکھین پھاڑ پھاڑ کر ادہر اُدہر دیکھنا شروع کیا۔اتفاقاً باغ آرزو پر نظر جا پڑی۔ وہ دیکھتی ہے کہ اس پُر فضا باغ کی کیاریون پر ایک مسیحا نفس حکیم کھڑا ہوا ہے۔اور دلفریب اشارون سے اُسے بلا رہا ہے کہ یہان آ۔مین تیرے بچے کا علاج کرونگا۔اور حکیمون کی تشخیص اور علاج کا حال تجربے سے معلوم ہوتا ہے۔مگر اسکی صورت دیکھتے ہی تسکین سی ہوئی جاتی ہے۔غریب عورت اپنے لڑکے کو لئے ہوئے خوشی خوشی اُدہر کو چلی۔کامیابی کے شوق مین خدا جانے کسقدر آگے بڑھ گئی۔لیکن نگاہ اٹھا کے دیکھا تو اُسی قدر فاصلہ نظر آیا جس قدر پہلے تہا۔عجب

حسرت کی آواز سے پکار کر کہنے لگی۔ حکیم صاحب! کیا میری قسمت مین نہین لکھا ہے کہ
آپ تک پہونچون۔ اس طرف سے جواب ملا گھبرا نہین۔ اب پہونچا ہی چاہتی ہے۔ عورت
اور آگے بڑھی آرزؤن کے جذبات پھر بہت دور تک بڑھا لے گئے۔ دیکھا تو اب بھی حکیم صاحب
اُسیقدر فاصلے پر ہین۔ اب عورت کے پاؤن مین بھی طاقت نہین رہی۔ سانس پھول
گئی۔ اور پاؤن من من بھر کے ہو گئے۔ اس بے نصیبی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
ماما کا جوش۔ اس حالت پر بھی اُس نے ہمت نہین ہاری۔ روتی ہوئی چلی۔ اب غور کرکے
وہ یہی دیکھتی جاتی ہے کہ کہین حکیم صاحب تو پیچھے نہین ہٹتے جاتے ہین ایک ہچکی کی آواز اُس کے
کان مین آئی۔ سہم کر اُسنے اپنی گود کی طرف دیکھا۔ لڑکے کی حالت غیر تھی۔ اور وہ دم توڑ
رہا تھا۔ گھبرا کے بیٹھہ گئی۔ مایوسی کی صورت سے حکیم صاحب کی طرف دیکھا کہ ہائے مین
اس لڑکے کو وہان تک نہین پہونچا سکتی۔ اس طرف سے حکیم صاحب نے پکار کے کہا بیٹھہ
کیون گئی۔ مین پاس ہی تو ہون۔ آ میرے پاس چلی آ۔ میرے پاس سب طرح کی دوائین
ہین۔ اگر تو مانگے تو موت کی بھی دوا دے سکتا ہون۔ وہ رو کے کہنے لگی سب کچھہ ہے مگر
کیا کرون۔ اب آپ تک مین پہونچ ہی نہین سکتی۔ اتنے مین بچے کا دم نکل گیا۔ ناامیدی
کے ہجوم مین معلوم تو کچھہ نہ ہوا مگر وہ عورت اس مصیبت مین جس قدر آگے بڑھی تھی خدا
جانے کس نے اُس سے بھی زیادہ پیچھے پھینک دیا۔ باغ آرزو اور ہمارے بیچ مین جو مختصر
سا میدان نظر آتا ہے وہ ظاہر مین تو بہت چھوٹا اور بالکل صاف ہے مگر اصل مین بڑا الجھاؤ
لمبا چوڑا اور انتہا سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ اُسکے الجھاؤ کچھہ انہین لوگون کو خوب معلوم
ہین جنھون نے اس کا سفر کرکے اپنی قسمت آزمائی کی ہے۔ ہماری زندگی کا دامن
میدان آرزو کے دامن سے بندھا ہوا ہے۔ زندگی کی دشواریان اور عرصہ ہستی کی
دقتین ہرگز اس قابل نہین کہ انسان ان کو جھیل سکتا۔ مگر آرزو کی وہ پیاری پیاری
صورتین جو سامنے باغ آرزو مین نظر آیا کرتی ہین اُن سے کچھہ ایسی دلبستگی پیدا ہو جاتی

ہے کہ یہ دشوار گذار منزلیں عجب دلبستگی کے ساتھہ ایک نرالی دہن اور محویت مین گزر جاتی
ہین - زندگی کے ایک مختصر حصہ کی دشواریان بہی ایسی ہین کہ انکو یاد کرکے رونے کے
لئے بہی جی چاہتا ہین - دنیا مین ہمین اچہی طرح انکے یاد کرنے کی نوبت تو آتی نہین ہے
جہیلنا کیسا - یہ باغ آرزو ہی کی دلفریبیان ہین کہ گذشتہ رنج والم ہمین یاد کرنے سے بہی
نہین یاد آتے - اے ہمسفیران ہستی دیکہو باغ آرزو کی بہار زندگی کے نشیب وفراز مین
تمہین کس طرح اپنی طرف متوجہ رکہتی ہے - بہت کم ایسے ہونگے جنہین باغ آرزو کی
دلفریبیان یاد ہون - اسی لئے ہم یاد دلاتے ہین - کنج عدم کی بے تعلقی اور بے غرضی
نے ایسی سادگی اور بہولاپن پیدا کر دیا تہا کہ نہ کوئی آرزو تہی نہ کسی کا ارمان تہا - ایسی بے غرضی
کی حالت مین خدا جانے کیا سبب ہوا کہ نہ رہا گیا - اور عرصہ ہستی کو روانہ ہوے - اسوقت
تک ہمین تو کسی کی آرزو نہ تہی - مگر ہم البتہ اورون کے ارمان بن بن کر آئے تہے - غالبًا
اورون کے جذبات اور دنیا والون کی کشش ہی نے ہمین اس فکرمندی کے مقام مین
کہینچ بلایا - یہ ایسا مقام تہا کہ یہان کی کوئی چیز ہمارے مزاج کے مناسب نہ تہی - نہ آب وہوا
موافق تہی اور نہ یہان کے اخلاق وعادات سے مانوس تہے - دل بے آرزو کو وہ بے فکری
کی حالت بہت ہی پسند تہی - مگر یہ پہلا موقع تہا کہ ہمارے دل مین کچہہ تمنائین پیدا ہوئین -
ہاے مرتے دم تک اس بے فکری کے زمانے کو یاد کرکر کے رویا کرتے ہین وہ اگلے سچے سرور
اور اطمینان کی حالت جو کنج عدم مین نصیب تہی وہان تک تو ہمارے خیال کی نظر بہی نہین
جاتی - ہان بچپن کے دنون کو ایک حسرت کے ساتہہ یاد کرکر کے رو لیا کرتے ہین - جب ہم مین
فکرمندی کی صلاحیت آچکی تہی - بچے تو تہے ہی امید ایک دلفریب مربی کی صورت مین نظر
آئی - اور انگلی پکڑکے ان چیزون کی سیر کرانے لگی جنکی تمنا مین ہمین جان دینی تہی
عمر کے میدان مین جوجو آگے بڑہتے گئے وہ وہ آرزوئین پختگی کے ساتہہ دل مین جگہہ پکڑتی
گئین - جوانی کا زمانہ یاد آیا - اور دل مین جنون انگیز جذبات ہجوم کرنے لگے - ان دنون

ہوش تو کسے تہا۔ مگر اتنا کہین گے چونکہ حوصلے بڑہے ہوے تہے اور پاؤن مین نیا نیا جوش اور پورا شوق بہرا ہوا تہا لہذا باغ آرزو مین جو کوئی نظر آجاتا اگر ہم سے بہاگتا تو ہم ہی ڈگ ڈالتے تہے۔ باغ امید اسوقت ایسی بہار مین معلوم ہوا کہ دل آرزو پسند کہیرا اُٹہا۔ جو چیز نظر پڑی دلفریب تہی۔ جو پہول دکہائی دیا نظر فریب تہا جس صورت کی طرف نگاہ گئی ہوش رُبا تہی۔ ایک دل کدہر کدہر متوجہ ہوتا۔ اور کس کس کا آرزومند بنتا۔ اس پہول کی خوبیون کو دیکھ رہے تہے کہ دوسرا نظر پڑا۔ اسکی خوشنمائی کو ابہی جی بہر کے دیکہہ بہی نہین چکے تہے کہ تیسرے پر نظر جا پڑی۔ اور اس شوق سے گئی کہ وہین کی ہو رہی۔ ہاے افسوس! بوالہوسی باغ آرزو کی مصنوعی بہار دکہا دکہا کے یون ہی بڑہاتے لئے چلی گئی۔ اور ہم اس میدان ہوس مین چلتے چلتے ایسے تہکے کہ سارے حوصلے پست ہو گئے۔ تہوڑی ہی سیر کرنے پائے ہونگے کہ طاقت نے جواب دیا۔ اور بڑہاپا نامرادیون کی بہیانک تصویرون کا البم ہاتہہ مین لئے موجود ہوا۔ یہ عجیب وقت تہا کہ کبہی تو باغ آرزو کے سدا بہار پہولون پر نظر جا پڑتی تہی۔ اور مردہ امیدین جی اُٹہتی تہین۔ اور کبہی وہ مایوسیان نگاہ کے سامنے ہو جاتی تہین جن کی تصویرین بڑہاپا اپنے البم مین دکہا رہا تہا۔ زندگی اور موت کی کشاکش مین پڑ گئے۔ حیات اپنی طرف کہینچتی تہی اور موت اپنی طرف۔

اے ہمسفیران ہستی! ہم تم سے سچ کہتے ہین کہ باغ آرزو ہے تو مزے کی چیز۔ مگر جو فقط اسکے پیچہے پڑا رہا وہ ایسا خراب ہوا کہ کہین کا نہ رہا۔ یہ ایک بہول بہلیان ہے کہ تمنے اندر قدم رکہا اور پلٹنا دشوار ہو گیا۔ اس باغ مین تم جہان تک بڑہتے چلے جاؤ گے تمہین بڑہاتا لئے چلا جائیگا۔ اس کے پہولون مین یہ قیامت کا جادو بہرا ہے کہ جب تک درختون مین لگے ہین اُسی وقت تک لطف دکہاتے ہین۔ ادہر تم نے کوئی پہول توڑا (اوّل تو تمہارا ہاتہہ ہی وہان تک مشکل سے پہنچے گا)۔ اور وہ لطف تشریف لے گیا یہ خوشنمائیان اُس وقت تک ہین۔ جب تک تم دور سے دیکھ رہے ہو۔ اُن طالب علمون سے دریافت کرو

جنھون نے تحصیل علم کے زمانے مین زندگی کی کچھ قدر نہ کی تھی - کہ جن ہوسون نے اُنسے یہ محنت و مشقت کرائی تھی - اُن مین سے کتنے ہین جو اب یونی ورسٹی کے بڑے بڑے سارٹیفکٹ مل چکنے کے بعد اُنھین حاصل ہوئمین - ہاے تم جہان تک غور کروگے یہی معلوم ہوگا کہ آرزو محض ایک دل مین رہنے والی چیز ہے - یہ دل سے کبھی نہ نکلے گی - اور جو نکلے وہ آرزو نہین آرزو اسی کا نام ہے -

تم کو کچھ کرنا ہے اور اس سے کچھ فائدہ اُٹھانا ہے تو باغ آرزو مین زیادہ بڑھے نہ چلے جاؤ - جہان رہو وہین رہو - سامنے کی دلفریبیون کو دور ہی سے دیکھو - ان کے پاس جانے کا قصد نہ کرو - جو تمھین کرنا ہے وہ کرو - جس غرض کے پورا کرنے کے لئے دنیا مین آئے ہو اُسکی تکمیل کی فکر کرو - ہان جس طرح دنیا کے اور باغون مین تفریح کے لئے نکل جاتے ہو اُسی طرح اس باغ کی بھی دو گھڑی سیر کر لیا کرو - یہ نہین کہ اسی کے ہو رہے اس خام خیالی مین پڑوگے تو یون ہی بیکار زندگی گزرانتے گزرانتے ایک دن ایسا اضطراب ہوگا کہ پاؤن کے نیچے سے زمین نکل جائیگی - اور تم بڑی افسردگی اور بے بسی کے ساتھ قبر مین سلا دئے جاؤگے

(عبد الحلیم شرر)

فصل بہار

جن لوگون کو نیچر پر غور کرنے کی عادت نہین ہے اُنکے نزدیک تو موسم کا تغیر ایک معمولی بات ہے گرمی کے بعد برسات کا آنا اگر قابل خیال ہے تو صرف اس جہت سے کہ چھت کی درستی اور مکان کی مرمت ضروری ہے - یا دوشالون اور اونی کپڑون کو دھوپ دینے کی ضرورت ہے - برسات کے بعد جاڑون اور جاڑون کے بعد گرمی کا آنا بھی کچھ ایسی ہی باتون سے توجہ کے لائق ہو جاتا ہے - لیکن جن لوگون نے نیچر کے سبق کو ایک دقیق کتاب تصور کیا ہے جس کا مصنف حکیم علی الاطلاق ہے اُن کے نزدیک ہر نقطہ قابل غور ہے

جس کی تشریح ہوتے ہوتے نیچرل فلاسفی سا وسیع علم پیدا ہو گیا۔ گھاس پھونس کیڑے مکوڑون کو جب سوچنے والے دماغون نے دیکھا تو اُنکو اپنی حکمتون سے مالا مال پایا جن کے بیان کا نام بوٹنی (علم نباتات) اور زولوجی (علم الحیوان) رکھا گیا۔ اور ان ہی باتون سے فلاسفی مین چار چاند لگ گئے۔

فصل بہار جن دلچسپیون اور فیاضیون کی جلوہ گاہ ہے افسوس کتنے اہل دل نے اُس کو اُسی نظر سے دیکھا ہوگا جو اُن کی خوبی کے سزاوار ہے۔ اس موسم مین اگر کسی باغ مین جاؤ تو ایک عجب جلوہ دیکھوگے۔ نہ صرف رنگ برنگ کے دلفریب پھول ہی بلکہ ہر گھاس کی پتی ایک شان دلفریبی سے آنکھون کے سامنے آئیگی پھول کا رنگ باصرہ کو اُس کی بو شامہ کو اور طیور کی پرجوش نغمہ سنجی سامعہ کو فریفتہ کریگی۔ اور دل و دماغ پر ایک ایسا عالم نشاط و حیرت طاری ہوگا جس کا بیان ناممکن ہے۔ کسی پھول کی بلا کی سادگی اور کسی کی قیامت کی شوخی اور کسی کی غضب کی بو اور کسی کی دلفریب صورت قدرت کے کمال کا اظہار کریگی۔ اور غور کیا جاے تو پردۂ حسن مین نیچر کا جلوہ خالص دیکھنے کے واسطے پھول سے بڑھ کر کوئی چیز نہین ہے حسن انسانی اگرچہ اعلی نمونہ صنعت ہے۔ لیکن اُسمین نیچر کا جلوہ خالص دیکھنے کے واسطے ایک ایسی نگاہ کی ضرورت ہے جس سے انسان قریباً بالکل محروم ہین۔ اگر باغ کو چھوڑ کر ہم جنگل کو نکل جائین تو وہان بھی چھوٹے چھوٹے رنگ رنگ کے پھول دیکھین گے جو اپنی کیفیت خاص مین باغ کے پھول سے زیادہ بھلے معلوم ہونگے۔ ڈھاک کی طرف جس کے تین پات مشہور ہین اگر آپ جائین تو آپ دیکھین گے کہ ربیع نے اُس کو بھی سُرخ جامہ پہنا دیا ہے اور دور سے دیکھ کر بے تکلف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آتش بے دود روشن ہے۔ اور اگر آتش پرست اسکی پرستش کرتے تو غالباً اس گرم فقرے سے محفوظ رہتے کہ اُنکا معبود خود اُنکو جلا دیتا ہے۔ اس خوشنما پھول پر تلیر کی (جو ایک چھوٹا سا پرندہ ہے) وارفتگی اور نغمہ سنجی دیکھ کر اس خیالی گل و بلبل کا تصور

آئینۂ دل مین پھر جاتا ہے جس کے وصف مین ہمارے شعرا کے کلام کے صفحے رنگین ہین
اور شاید شعراے فارس نے شیراز کے ہزار داستان کے بھی نغمے سنے ہونگے جن کی سبب
اس درجے سے جانور کے دل مین کرمئے الفت کا پتہ ان کو لگا۔ لیکن معاف کیجیے شعراے
دہلی و لکھنؤ کے واسطے جس طرح ہزار داستان شیراز ایک خیالی مضمون ہے۔ اسی طرح یہ
پرند ہونا۔ کیونکہ اسکی وارفتگی دیکھنے کے واسطے بھی انکو دیہات مین تکلیف کرنی پڑتی۔

فصل بہار کے آنے سے پہلے جس سختی اور بے دردی سے بڑے بڑے درختون
کے پتے گرائے جاتے ہین وہ اسپر ایک افسوسناک اثر کرتا ہے اور یہ ایک موخر سبین ہوتا
ہے کہ ہم سرسبز درختون کو دیکھتے ہین کہ وہ بالکل بے برگ رہ جاتے ہین۔ لیکن یہ برگ
ریزی بمنزلۂ غسل حمام کے ہوتی ہے جو کارکنان بہار سبز خلعت پہنانے سے پہلے درختون
کو دیتے ہین۔ بہار مین جب ان درختون کے قریب ہو کر گزرو تو ان کی بھینی بھینی خوشبو
متوالا کر دیتی ہے۔ اور یہ کچھ اس انداز سے ہلتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے گویا اپنی بو سے
خود مست ہین۔ جنگل کی جھاڑیان جو ہمیشہ مسافران صحرا کے دل مین کھٹکتی رہتی ہین اس
فصل مین اپنے کانٹون کی ایذا کا بوے خوش سے معاوضہ کر دیتی ہین۔ اس کیفیت کو
دیکھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ زمین مین ایک جوش ہے جو تمام قابل روئیدگی مادون کو اُسکے
اندر سے نکال کر باہر پھینکے دیتا ہے۔

وحوش و طیور کو دیکھیے تو اُن مین بھی ایک عجب جوش محسوس ہوتا ہے جو اُن کی
مستانہ ترانہ سنجیون اور تمام حرکات و سکنات سے آشکارا ہوتا ہے اگر ہم خود اپنے آپ
کو جانچین تو فیض بہار کی تاثیر پائین گے۔ بہت سے لوگ ایسے ہین جن کو کثرت خون
کے سبب اس فصل مین فصد کا قصد کرنا پڑتا ہے۔ آہ! کوئی وارفتہ سودائیون سے
پوچھے کہ یہ بہار کیا ہے اور اسکے جلوے اُن کے دل پر کیا اثر کرتے ہین۔ بوے گل
اُنھین کیا یاد دلاتی ہے۔ پھول کی صورت دیکھکر اُن کو کیا یاد آتا ہے۔ اور نسیم سحری کیا

اُمنگ اُن کے دل مین پیدا کرتی ہے۔ غالبًا جتنے پھول چمن مین ہونگے اُن سے زیادہ حسرتون کے داغ اُنکے دل پر چمکتے ہونگے - ہائے کیا حسرت تھی اُس کے دل مین جو عالم محویت مین بڑھ رہا تھا - ع - فصل بہارا گئی کبھی یون ہی گذر گئی ✤ غرض ہر طرف صانع حکیم کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے - ؎

فصل گل و موسم بہار است گلزار برنگ بوے یار است

لالۂ خودرو

ایک خستہ جگر اپنے سفر کے دورے مین ڈھاک کے جنگل سے نکل کے کسی نہایت نظر فریب سبزہ زار مین پہنچا ہے - شام کا وقت ہے - آفتاب غروب ہو رہا ہے - اور قدرت کے جذبات اُبھرتے آتے ہین - یہ عالم ہے کہ جدہر نظر جاتی ہے - ع - کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است - مگر یہ حرمان نصیب کسی طرف نہین متوجہ ہوتا - اپنے معمولی جنون کی دہن مین قدم بڑہائے چلا جاتا ہے - ناگہان لہلہاتے ہوے سبزہ زار کی خوشگوار سبزی مین ایک دلفریب سرخی نظر آئی - اور مسافر کا قدم رک گیا - یہ ایک سرخ لالے کا پھول تھا - اسکی دلکش خوشنمائی - شام کی دہندلی روشنی مین اس درجے بھلی معلوم ہوئی کہ ہمارا منچلا صحرا نورد آگے نہ بڑھ سکا - غور سے اس پھول کو دیکھنے لگا - اب دیکھتے ہی دیکھتے بیٹھ گیا - کہ اس حسن کے چھوٹے سے رسالہ کا خوب مطالعہ کر لین تو آگے بڑھین - یہ پھول نہ تھا - اس کی ہر پنکھڑی حسن دلربا کی ایک سچی تصویر تھی یا کتاب حسن کے ایک ورق کا حکم رکھتی تھی - اب اس مسافر کے خیالات کا اندازہ کوئی کرے - اُسے تو خدا جانے کیا کیا یاد آ گیا ہوگا - جس بات پر ہمین غور کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ یہ صحرا نورد ایسا جہاندیدہ شخص جسکو کسی کا پیارا خیال نہین معلوم کدہر کھینچے لئے جاتا تھا اس ایک پھول مین کیا بات تھی کہ چلتے چلتے رُک گیا - دنیا کے خدا جانے کیسے کیسے سرسبز اور شاداب باغ کس

کس غضب کے سراپا بہار اور خوشگفتہ پہول اُسکی نظر سے گزرے ہونگے - مگر کوئی اسکے دل پہ وہ اثر نہ ڈال سکا جو اس ایک خودرو اور صحرائی پہول سے پڑگیا -

بات یہ ہے کہ جس چیز کی آبیاری قدرت کرتی ہے اور جس چیز مین نیچر کی مشاطہ کا سحر آفرین ہاتہہ لگ جاتا ہے اُسکے جذبات اس درجہ بڑہ جاتے ہین کہ دیکھتے ہی دل یکبیک ہاتہہ سے نکل جاتا ہے - دنیا ہر پہلو سے اس امر کا تجربہ کرا رہی ہے کہ انسانی تکلفات اپنی صناعیون سے چاہے جسقدر کرشمے دکھائین - مگر قدرت کی ایک ادنی سی کاریگری اپنی سادگی کا تماشا دکھا کر سارے کرشمون کو خاک مین ملا دیتی ہے - یہ وہ مقام ہے جہان سے خالقیت اور مخلوقیت کا نازک اور واجب التسلیم مسئلہ ثابت کیا جاتا ہے -

ان صحراؤن اور غیر آباد مرغزارون کو دیکھو جس کے قدرتی رنگ مین رنگے ہوے دامن پر کسی کے نقش قدم کا دہبہ بہی نہین پڑا ہے - اگرچہ کوئی لطف اُٹھانے والا نہین - مگر کس قیامت کی بہار دکھا رہی ہین - عام خیالات کی بنا پر پریان - مذہبی معتقدات مین فرشتے اور ایک جا نکلنے والے کی نظر مین صرف آزاد طیور چہچہا چہچہا کے اُڑتے پہرتے ہین - اچہوتے اور پاک چشمے خوشنمائی کے ساتہہ جاری ہین اور چارون طرف باغبان قدرت کے ہاتھ کے لگائے ہوئے خودرو پہولون نے ہری ہری زمین پر رنگ رنگ کی گلکاریان کی ہین - یہ سمان آجتک زمین کے اُن ٹکڑون پر جنہین ہمارے تکلفات نے بہدا بنا ڈالا ہے کسی کو نہ نظر آیا ہوگا - ہائے وہ بے تکلفی کہان کہ جو چیز ہے اپنے مقام پر آزاد ہے - چڑیان ہین تو جہان چاہتی ہین بیٹھ کے دو باتین اڑا لیتی ہین - نہرین ہین تو جدہر دل مین آتا ہے ڈہلجاتی ہین - درخت ہین تو جہان مناسب سمجہتے ہین اُگ آتے ہین پہولون سے جب تک بنتا ہے اپنی ہنسی کو روکتے ہین - جب جی چاہتا ہے کہلکہلا پڑتے ہین - پہر آپ ہی جب وقت آجاتا ہے اور پہولون کو اپنا جانشین کر کے افسردگی کے ساتہہ گر پڑتے ہین - لیکن اُنکی افسردگی سبزہ زار کے جانفزا سین پر کوئی اثر نہین ڈالتی صحرا کے آزاد دلربا ون یعنی نازک

پھولون) کی یہ صحبت اسقدر چونکہری اور عنیم ہے کہ نہ کسی افسردگی کا کسی کو ملال ہوتا ہے اور نہ کسی کی
خوشی اور ناخوشی پر کوئی اثر اُٹھتا ہے۔ اگر کسی کو خوشی ہے تو اپنی اور غم ہے تو اپنا۔
یہ لطف بھلا وہان کہان نصیب جہان ہمارا انسانی باغبان نیچر کے اصول توڑکر اِدہر کے
درخت اُدہر اور اُدہر کے درخت اِدہر لگاتا ہے۔ جہان آزادی پر پہرے بٹھائے گئے ہین
اور جہان ایک ادنیٰ بے تکلفی پر کاٹ چھانٹ کے فوجداری قانون پر عملدرآمد کیا جاتا ہے۔
ہائے وہان وہ لالۂ خودرو ہی نہین جو دل چھین لیا کرتا تھا۔
ہمارے باغ چمن مین کا ہر ہر پھول بڑی تمناؤن سے دوچار روز کے لئے شگفتہ ہوا
ہے۔ لاکھ بہار کا موسم آئے اور ہزار علم نباتات کے اصول برتے جائین اصل تو یون ہے کہ
جب مقابلہ کیجئے تو یہی دل مین آتا ہے کہ سارے باغ کو لالۂ خودرو کے اس ایک دلفریب
پھول پر قربان کر دیجئے جو بے کسی کی کوشش کے خودبخود کسی صحرا مین اُگ آیا ہے۔
باغ پر کیا منحصر ہے۔ اپنی اور قدرت کی کاریگریون کا جب مقابلہ کیجئے گا اپنی صنعت
کے دلکش نمونے پھیکے نظر آنے لگین گے۔ شہرون کی عمارتین نظر سے ہر وقت
گزرتی رہتی ہین۔ عالیشان محل اور مرتفع کوٹھیان اپنے مقام پر بیٹھی آن بان دکھا
رہی ہین۔ اور نہایت باشان و شوکت معلوم ہوتی ہین۔ مگر جب اُس ریگستانی سین کو دیکھئے
جہان بالو کے خوشنما سفید سفید ٹیلے کوسون تک چلے گئے ہین جنہین ہوا ہر وقت برابر کرتی
رہتی ہے تو اُن عمارتون سے دل ہٹ جاتا ہے اور جی مین بے اختیار یہی آتا ہے کہ
بس یہین کے ہو رہئے۔ ان ٹیلون کے آس پاس رہنے مین سو طرح کی تکلیف ہے۔ مگر
قدرت نے انکی سادگی مین خدا جانے کیا دلکشی پیدا کر دی ہے کہ بادی النظر مین دل ان
سب سختیون اور تکلیفون کے گوارا کر لینے کا وعدہ کرتا ہے۔ کیون؟ اسلئے کہ وہ اپنے
اسٹیشن کے لالۂ خودرو ہین۔ دنیا مین سیکڑون دفعہ روشنی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور
صرف معمولی طرز کی روشنی نہین وہ روشنی جسے یورپ کی نئی جدتون نے بہت صاف

اور پاکیزہ کر دیا ہے۔ مگر کبھی کسی کے خیال میں بھی گزرا ہے کہ آسمان کے جگمگاتے ہوئے تارون کی بہار کسی دنیاوی روشنی نے آگے ماند پڑ سکتی ہے۔ ان تارون کی روشنی مین یہ بھی ہے کہ کوئی کم چمکتا ہے اور کوئی زیادہ۔ کسی شکستہ ہار کے موتیون کی طرح بے ترتیب اور بکھرے بھی پڑے ہین۔ مگر باوجود ان سب باتون کے انکا جھلملانا ہی ایسا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ انکے ہوتے کسی قسم کی روشنی نظر مین نہین جچتی۔ اصل مین یہ تارے اگر غور سے دیکھیے تو ایک قسم کے لالۂ خودرو ہین کیونکہ خاص قدرت کی کاریگری کا نمونہ ہین۔ لالۂ خودرو کچھ وہ سرخ داغدار پھول ہی نہین ہے جس سے ہمارے شعراء عشاق کے دلون کی تشبیہ کا کام لیا کرتے ہین۔ پر وہ چیز جسکو قدرت صرف اپنی فیاضی کا نمونہ بنائے اور نیچر کے سانچے مین ڈھل کر اچھوتے اور بے تکلفانہ سادگی کے ساتھ دنیا والون کی نظر کے سامنے پیش ہو جائے لالۂ خودرو ہے۔

یہ جہان تاب آفتاب۔ یہ چودھوین کا چاند۔ یہ اندھیری راتون کے تارے یہ نیلگون آسمان سچ پوچھیے تو اپنے اپنے محل پر سب لالۂ خودرو ہین۔ انھین سے کون ہے جسکے مقابلے مین دنیا باوجودیکہ اتنی دوڑ دھوپ کرتی آئی اپنی کاریگری کا کوئی نمونہ بھی پیش کر سکی ہو۔ کھلی اور اونچی کوٹھیوں مین خس کی ٹٹیون سے چھن چھن کر ہوا آتی ہے اور دل ودماغ تازہ کر دیتی ہے مگر یہ ہوا چونکہ انسانی حکمتون سے بنائی گئی ہے اسلیے اس مین وہ لطف نہین جو کسی سبزہ زار اور کھلے میدان مین نسیم سحر سے حاصل ہوا کرتا ہے اُس ہوا پر ہماری تدبیرون کا کچھ اثر نہین پڑا ہے۔ ہماری کثافتون سے بالکل پاک وصاف ہے۔ سیدھی خدا کے پاس سے آتی ہے اور آزادی کے ساتھ کھلے اور وسیع صحراؤن مین خوش خرامیان کرنے لگتی ہے۔

(شرر لکھنوی)

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی

پیدائش اعظم گڈھ ۱۸۵۷ء   وفات اعظم گڈھ ۱۹۱۴ء

آپ ۱۸۵۷ء مین ضلع اعظم گڈھ کے ایک مشہور خاندان مین پیدا ہوئے۔ آپ نے منطق فلسفہ۔ ادب مشہور ادیب مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی سے حاصل کیا۔ اور علم حدیث مولوی حافظ احمد علی صاحب محدث سہارنپوری سے۔ درفقہ مولوی ارشاد حسین صاحب۔ اور تفسیر اور کچھ علم ادب مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری سے اخذ کیا۔ ۱۷ سال کی عمر مین آپنے درس نظامیہ سے بالکل فراغت حاصل کر لی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد چند روز آپ امین عدالت دیوانی رہے۔ یہ ملازمت پسند نہ آئی۔ چھوڑ کر علی گڈھ چلے گئے۔ وہان سمیع اللہ خان صاحب کی سفارش سے سر سید نے انکو کالج کی پروفیسری عنایت کی۔ ۱۶ برس تک کالج سے یہ تعلق رہا۔ اسی زمانہ مین پروفیسر آرنالڈ نے آپکو علوم جدیدہ سے آگاہ کیا۔ فرنچ زبان سکھلایا۔ اور خود اُنسے عربی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ کالج کے تعلق ہی کے زمانہ مین آپنے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا جس کا مقصد صرف یہ تہا کہ الفاروق کے لئے تاریخی مواد فراہم کرین کچھ عرصہ کے لیے سیر کشمیر کو گئے۔ وہان کے ملیریا نے سخت نقصان پہونچایا صحت نے اسی وقت سے جواب دیدیا ۱۸۹۴ء مین ۳۷ سال کی عمر مین آپکو شمس العلماء کا خطاب گورنمنٹ کے جانب سے عطا ہوا مدت تک الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو رہے۔

سر سید کے وفات کے بعد ۱۸۹۸ء مین آپ کالج سے علحدہ ہو کر حیدر آباد تشریف لے گئے۔ وہان سلسلہ آصفیہ مین دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ تصنیف آپکو مقرر ہوا۔ کچھ عرصے کے بعد تین سو روپیہ ہو گیا۔ عرصے تک وہین مقیم رہکر تصنیف و تالیف مین مصروف رہے۔ حیدر آباد سے واپس آکر لکہنؤ مین قیام کیا۔ اور ندوۃ العلماء کے کام مین مشغول ہوے۔ آخر عمر مین تمام تعلقات کو ترک کر کے سیرۃ نبوی کے تالیف و تصنیف مین مشغول ہوئے۔ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ کو ۱۵ دن اسہال کے عارضہ مین علیل رہکر اپنے وطن مالوف اعظم گڈھ مین انتقال کیا۔

آپ فطرۃً ذہین اور سلیم الطبع تھے۔ تاریخ اور فلسفہ سے آپکو ابتدا سے دلچسپی تھی۔ علوم مشرقیہ مین خاص استعداد تھی۔ طرز بیان آپکا سادہ مگر زوردار اور مدلل تھا۔ تحریر فلسفیانہ اور محققانہ تھی جس مین سچے تاریخی واقعات ہوتے تھے۔ رنگ آمیزی کو دخل نہ تھا۔

عربی نظم و نثر پر اچھی قدرت تھی۔ فارسی نظم کسی طرح کاملین اہل زبان سے الگ نہین ہو سکتی اردو مین انکا حسن بیان ایسا تھا کہ سرسید فرماتے تھے کہ اہل دہلی اسپر رشک کرتے ہین۔

تصنیفات آپکے بہت ہین حسب ذیل تصنیفات زیادہ مشہور ہین۔

سفرنامہ مصر و روم و شام۔ الفاروق۔ الغزالی۔ النعمان۔ المامون۔ الکلام الجزیہ۔ تاریخ اسلام۔ سوانح عمری مولنا روم۔ اورنگ زیب۔ موازنہ انیس و دبیر۔ شعر العجم ۴ جلدون مین۔ آپکی آخری تصنیف سیرۃ النبی۔ چار جلدون مین ہے جسکو ناتمام چھوڑا۔

میر انیس کی شاعری کے خصوصیات

فصاحت

علمائے ادب نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ لفظ مین جو حروف آئین اُن مین تنافر نہو۔ الفاظ نامانوس نہون۔ قواعد صرفی کے خلاف نہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے۔ اور چونکہ آوازین بعض شیرین دلاویز اور لطیف ہوتی ہین مثلاً طوطی اور بلبل کی آواز۔ اور مکروہ و ناگوار مثلاً کوّے اور گدھے کی آواز۔ اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہوتے ہین بعض شستہ سبک وشیرین۔ اور بعض ثقیل بھدے ناگوار پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہین۔ اور دوسرے کو غیر فصیح۔ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل و مکروہ نہین ہوتے

لیکن تحریر و تقریر مین اُن کا استعمال نہین ہوا ہے یا بہت کم ہوا ہے - اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کئے جاتے ہین تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین - اُن کو فن بلاغت کی اصطلاح مین غریب کہتے ہین - اور اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین -

میر انیس کی کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ اُنہون نے اردو شعرا مین سے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے - اور سیکڑون مختلف واقعات بیان کرنے کیوجہ سے ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ اُنکو استعمال کرنے پڑے - تاہم انکے تمام کلام مین غیر فصیح الفاظ نہایت کم پائے جاتے ہین - اکثر جگہ عربی فارسی کے الفاظ جو اُردو زبان مین کم مستعمل ہین ضرورت سے لانے پڑے ہین - لیکن اس قسم کے الفاظ جہان آئے ہین فارسی ترکیبون کے ساتھ آئے ہین جس سے اِنکی غرابت کم ہوگئی ہے - ورنہ اگر اُردو کی خاص ترکیب مین اُن الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو بالکل خلاف فصاحت ہوتا - مثلاً انگشتری - خاتم - رُخ - بادہ - ثنا - حسن - اور اس قسم کے سیکڑون ہزارون الفاظ ہین جو بجاے خود فصیح ہین لیکن ٹھیٹ اُردو مین انکا استعمال نہین ہوتا - میر ضمیر ایک موقع پر کہتے ہین ؎ ذریت رسول کی خاطر جلائی نار - نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے - لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اُردو مین مستعمل ہوتا ہے مثلاً نار دوزخ - نار جہنم - تو وہ غرابت نہین رہتی -

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے - بعض الفاظ فصیح ہین بعض فصیح تر - بعض اُس سے بھی فصیح تر - میر انیس صاحب کے کلام کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ وہ ہر موقع پر فصیح سے فصیح الفاظ ڈھونڈھ کر لاتے ہین - مرزا دبیر اور میر انیس کے ہم مضمون اشعار لو اگر مرزا صاحب کے یہان غریب اور ثقیل الفاظ ہونگے تو اُنکے مقابلہ مین میر صاحب کے ہان فصیح الفاظ ہونگے - اگر مرزا صاحب کے یہان فصیح الفاظ ہونگے تو میر صاحب

کے یہان فصیح تر ہونگے - مرزا دبیر کی تخصیص نہین تمام مرثیہ گویون کے مقابلہ مین میر انیس صاحب کے کلام کا یہی حال ہے -

ہم مثال کے طور پر دو چار شعر نقل کرتے ہین - جن سے فصاحت اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکے گا -

مرزا دبیر - کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین -

میر انیس - سائل کو کس نے دی ہے انگوٹھی نماز مین -

مرزا دبیر - آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو -

میر انیس - آنکھون مین یون پھرے کہ مژدہ کو خبر نہو -

مرزا دبیر - رویا مین بھی حسین کو رویا ہی کرتے ہین -

میر انیس - حسرت ہے کہ خواب مین بھی رو با کیجیے -

مرزا دبیر - جیسے مکان سے زلزلہ مین صاحب مکان -

میر انیس - جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے -

ابتذال

فصاحت کے متعلق ایک بڑا دھوکا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ فصاحت کے یہ معنی ہین کہ لفظ سادہ آسان کثیر الاستعمال ہو - اسلئے لوگ مبتذل اور سوقی الفاظ کو بھی فصیح سمجھ لیتے ہین - حالانکہ ان دونون مین سفید و سیاہ کا فرق ہے - مرزا دبیر صاحب جہان واقعہ نگاری اور معاملہ بندی مین میر انیس کی تقلید کرتے ہین اکثر اُنکے کلام مین مبتذل الفاظ آجاتے ہین مثلاً جہان حضرت شہر بانو نے حضرت عباس کی لاش پر توجہ کیا ہے - شہر بانو کے زبان سے فرماتے ہین - ع ہے ہے مرے دیور مرے دیور مرے دیور ایک اور جگہ فرماتے ہین - ع - نا ڑہ تو انکی سالگرہ کا نکال لا -

ابتذال کی صاف و روشن مثال نظیر اکبرآبادی کا کلام ہے۔ اگر یہ مبتذل نہوتا تو سادگی اور صفائی مین نظیر کا کلام میرانیس یا میرتقی سے ٹکر کھاتا۔

ابتذال کے معنی عام طور پر یہ سمجھے جاتے ہین کہ جو الفاظ عام لوگ استعمال کرتے ہین وہ مبتذل ہین۔ لیکن یہ صحیح نہین۔ سیکڑون الفاظ عوام کے مخصوص الفاظ ہین۔ لیکن سب مین ابتذال نہین پایا جاتا ابتذال کا معیار مذاق صحیح کے سوا کوئی چیز نہین۔ مذاق صحیح خود بتا دیتا ہے کہ یہ لفظ مبتذل اور پست اور سوقیانہ ہے۔

میر صاحب کو اگرچہ واقعہ نگاری کی وجہ سے نہایت چھوٹی چھوٹی چیزون اور ہر قسم کی جزئی جزئی واقعات اور حالات کو بیان کرنا پڑتا ہے لیکن یہ اُنکی انتہا درجہ کی قادر الکلامی ہے کہ پھربھی اُنکی شاعری کے دامن پر ابتذال کا دھبہ نہین آنے پاتا۔

کلام کی حفاظت

یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی۔ لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھہ وہ ترکیب مین آئے اُنکی ساخت۔ ہیئت۔ نشست۔ سُبکی اور گرانی کے ساتھہ اُسکو خاص تناسب اور توازن ہو۔ ورنہ فصاحت قائم نہ رہے گی۔ میرانیس کا مصرع ہے۔ ع۔ فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور۔ صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین۔ میرانیس نے جابجا ان دونون لفظون کو استعمال کیا ہے۔ اور ہم معنی ہونے کے حیثیت سے کیا ہے لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ استعمال کیا جائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا۔ میر صاحب کا ایک شعر ہے۔ ؎

طائر ہوا مین مست ہرن سبزہ زار مین ‏ ‏ ‏ جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

بیابان جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرعہ پھسپھسا ہو جاتا ہے۔

شبنم اور اوس ہم معنی ہیں اور برابر درجہ کے فصیح ہیں لیکن میر صاحب کے اس شعر میں ؎

کھاتا ہے اوس اوکھی سبزہ پڑا ہوا ٹھہرا ہوں میں تو واں صحرا پڑا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک میں مل جائے گی لیکن یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اسقدر فصیح ہے اس مصرعہ میں ع شبنم سے بھر دیئے کٹورے گلاب کے۔ شبنم کے بجائے لاؤ تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی۔

اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے اسلئے یہ ضرور ہے کہ جن الفاظ کے سلسلہ میں وہ ترکیب دیا جائے اُن آوازوں سے اسکو خاص تناسب بھی ہو۔ ورنہ گویا دو مخالف سروں کو ترکیب دینا ہوگا۔ نغمہ اور راگ مفرد آوازوں یا سروں کا نام ہے ہر سر بجائے خود دلکش اور دلآویز ہے لیکن اگر دو مخالف سروں کو باہم ترکیب دیا جائے تو دونوں مکروہ ہو جائینگے۔

راگ کے دلکش اور موثر ہونیکا سبب یہی ہے کہ جن سروں سے اسکی ترکیب ہو اُن میں نہایت تناسب توازن ہو۔ الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سُر ہیں اسلئے اُن کی لطافت شیرینی اور روانی اُسی وقت تک قایم رہتی ہے جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لے میں اُنکے مناسب ہوں۔

میرزا دبیر صاحب کا مشہور مصرعہ ہے ع زیر قدم والدہ فردوس بریں ہے
اس میں جتنے الفاظ ہیں۔ یعنی زیر۔ قدم۔ والدہ۔ فردوس۔ بریں سب بجائے خود فصیح ہیں لیکن اُنکے باہم ترکیب دینے سے جو مصرعہ پیدا ہوا ہے وہ اسقدر بھدا اور گران ہے کہ زبان اسکا تحمل نہیں کرسکتی۔ شاید تمکو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہے اسلئے ثقل پیدا ہوگیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں سیکڑوں شعروں

میں اسی قسم کی فارسی ترکیبیں ہیں۔ لیکن یہ ثقل نہیں پایا جاتا۔ مثلاً میر انیس صاحب
کہتے ہیں ؎

میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمد کا مکیں — میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں

پہلے مصرعہ میں فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے لیکن یہ
بھدا پن اور ثقل نہیں ہے۔

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ میں ایک خاص قسم کا تناسب توازن توافق پایا جاتا ہے
اسکے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہیں تو وہ پورا مصرع یا شعر فصیح کہا جاتا ہے۔ اور یہی چیز ہے
جسکو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلاویزی، برجستگی، سلاست اور روانی
سے تعبیر کرتے ہیں۔ الفاظ کے توازن اور تناسب سے کلام میں جو فرق پیدا
ہوجاتا ہے وہ ایک خاص مثال میں آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ میر انیس حضرت
علی اکبر کے اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہیں ع تھا بلبلِ
حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں۔ اسی مضمون کو میر صاحب دوسرے موقع پر اسطرح ادا
کرتے ہیں ع بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں۔ وہی مضمون ہے وہی
الفاظ ہیں لیکن ترکیب کی ساخت نے دونوں شعروں میں کس قدر فرق پیدا
کردیا ہے۔

میر انیس کا تمام کلام اس خوبی سے معمور ہے اور انکا ہر شعر اس وصف کا
مصداق ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہیں ؎

تعریف میں چشمہ کو سمندر سے ملا دوں — قطرہ کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرہ کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں — کانٹوں کی نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں

تھا فوج قاہرہ مین تلاطم کہ الحذر | تھین موج کی طرح سب اوہر کی صفین اُدہر
چکر مین بھی سپاہ کہ گردش مین تھا بھنور | پانی مین تھے ہنگ اُبھرتے نہ تھے مگر
فوجین فقط نہ بھاگی تہین مُنہ موڑ موڑ کے
دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے

چھایا تھا سب پہ رعب علمدار نوجوان | تسلیم کو جھکے ہوے تھے فوج کے نشان
گوشہ امان کا ڈہونڈ رہی تھی ہر اک کمان | ترکش بھی تھے پہر اس سے کھولے ہوے زبان
تیرون کا بیگمان تھا ارادہ گریز کا
مُنہ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا

کلام کی اصلی ترتیب کا قائم رہنا

ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے ۔ مثلاً فاعل ۔ مفعول ۔ مبتدا ۔ خبر ۔ متعلقات فعل جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین یہ ہی ترتیب شعر مین بھی قائم رہے اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ شعر مین اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے ۔ صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہے لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اُسکو نثر کرنا چاہین تو نہ ہوسکے ۔ اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہے ۔ اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہیئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی تو بہرحال اُس کے قریب قریب پہونچ جاے ۔ جس قدر اُسکا لحاظ رکھا جائے گا اوسی قدر شعر زیادہ صاف برجستہ روان اور ڈہلا ہوا ہوگا ۔ اور اردو مین جہانتک ہمکو معلوم ہے یہ صفت میر انیس صاحب

سے زیادہ کسی کلام مین نہین پائی جاتی -

روزمرہ اور محاورہ

جو الفاظ اور جو خاص ترکیبین اہل زبان کے بول چال مین زیادہ مستعمل اور متداول ہوتے ہین انکو روزمرہ کہتے ہین - روزمرہ اگرچہ ایک جداگانہ وصف سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ فصاحت ہی کا ایک فرد خاص ہے - یہ ظاہر ہے کہ عام بول چال مین وہی الفاظ زبان پر آئین گے جو سادہ صاف اور سہل الادا ہون - اور اگر انمین کچھ ثقل و گرانی بھی ہو تو رات دن کی بول چال اور کثرت استعمال سے وہ منجھکر صاف ہو جاتے ہین - روزمرہ کے لئے فصیح ہونا لازم ہے - میر انیس کے کلام مین نہایت کثرت سے روزمرہ اور محاورہ کا استعمال پایا جاتا ہے اور اُسپر اُنکو ناز بھی تھا - چنانچہ فرماتے ہین - ؎

مرجاتے ہین سُن سُکے روزمرہ میرا مرغان خوش الحان چمن بولین کیا

حسن کلام

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کیئے جائین - لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین - مہیب - پر رعب - سخت - نرم - شیرین - لطیف - اسی طرح الفاظ بھی صوت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین - بعض نرم شیرین اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہے - بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے - اسی بنا پر غزل مین سادہ شیرین سہل اور لطیف الفاظ استعمال کیئے جاتے ہین - قصیدہ مین زور اور شاندار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح رزم بزم مدح و ذم فخر و دعا وعظ و پند ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین - شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین

اور یہ اُنکے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہے لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہیں ہیں
لیکن ایک خاص رنگ اُن پر اسقدر چڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کے مضامین میں ایک ہی قسم
کے الفاظ اُن کی زبان سے ادا ہوتے ہیں - اُنکا کلام بھی ایک خاص رنگ کے بالکل
بے اثر ہوتا ہے یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہیں ہو سکی -

میر انیس صاحب نے رزم و بزم ہر جگہ نوحہ ہی لکھا ہے لیکن جہاں جس قسم کا
موقع ہوتا ہے اُسی قسم کے الفاظ اُنکے قلم سے نکلتے ہیں - رزمیہ شعر لکھتے ہیں تو فرماتے ہیں ع

طاقت اگر دکھاؤں رسالت مآب کی — رکھ دوں زمیں پہ چیر کے ڈھال آفتاب کی

جلال و غیظ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں ع

گم تھا نہنگ ہیبت سے کہ دیکھا تھا — جھکا اُٹھا کہ تنہا ہو [illegible] پیاسے
کیا جانے کس نے دکھایا ہے دلیری — سب دشت گونجتا ہے غضب ہے شیر کی

دیکھو ان اشعار میں جو الفاظ آئے ہیں جس طرح اُنکے مفہوم میں غیظ و غضب ہے
اُسی طرح الفاظ کی صورت و لہجہ سے بھی ہیبت و غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے -

(از [illegible])

مولانا غلام امام شہید

شاہ غلام محمد کے بیٹے ساکن قصبہ امیٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے - [illegible]
کے مشہور شاعر حاجی عاشق رسول کے لقب سے مشہور تھے - نظم میں قتیل اور مصحفی
کے شاگرد تھے - علوم متداولہ کی تحصیل مولوی حیدر علی صاحب سے کی تھی [illegible]
فارسی زبان خوب جانتے تھے - فارسی نظم و نثر میں آغا سید احمد [illegible] کے شاگرد تھے
سرکار نظام سے چار سو تیس روپیہ سال بلا شرط خدمت مقرر تھے آخر وقت تک پاتے
رہے - آپ کے آبا و اجداد سب کے سب متقین اور قناعت گزین تھے - لکھنؤ کے اطراف
میں اور آگرہ - مراد آباد - رام پور - حیدر آباد - الہ آباد - میں آپ کے مرید بہت تھے - سر سالار

جنگ بہادر۔ نواب کلب علی خان بہادر رئیس رامپور۔ سعید عالم خان رئیس سورت۔
اور اکثر اُمرا اور رؤسا آپکی بڑی عزت کرتے تھے پیرانہ سالی مین آپنے انتقال کیا۔
اردو نظم اور نثر رنگین جیسا کہ اُس زمانے کا رواج تھا اچھی لکھتے تھے۔ کلام اپنا
کبھی جمع نہین کیا۔ مجموعہ میلاد شریف اور انشاے بہار بیخزان اور قصائد و غزلیات کا ایک
مجموعہ آپکی یادگار ہے۔

تاج گنج کے روضے کی تعریف

آج قلم کا دماغ پھولون کی خوشبو سے معطر ہے۔ کاغذ کا صفحہ آنکھ کی سفیدی کی
طرح منور ہے۔ نظر کا ڈورا رگ گل کی طرح پر رنگین ہے نگاہ کا رشتہ گلدستہ کے مانند بہار مین
ہے کس واسطے کہ مجھے ایک باغ اور مکان کی صفت لکھنی منظور ہے جسکے سیر سے چشم مردم
مین نور ہے۔ اُسکے صحن اور دالان مین خدا کی قدرت کا گل کھلا ہے چمن اور میدان مین
صانع کی صنعت کا تماشا ہے۔ وہ کون مکان اور کیسا گلستان جو شاہجہان ایسے بادشاہِ
عالی جاہ کا قیام گاہ ہے۔ کون قصر اور کیسا ایوان جو جناب عالیہ بادشاہ بیگم کا آرامگاہ
ہے جس جگہ یہ دونون آفتاب ماہتاب سوتے ہین چاند اور سورج دن رات اُس
زمین کے نثار ہوتے ہین۔ تاج بی بی کا روضہ جہان مین مشہور ہے۔ اور ہر چمن اُسکی جنت
کی خوشبو سے معمور ہے۔ اکبر آباد کیا بلکہ سارے ہندوستان کو اس مکان سے عزت
ہوئی ہے۔ ہندوستان کیا بلکہ تمام روے زمین کو اُس سے زینت ہوئی ہے۔ اس چمن
کی ہوا نے جو کلیون کی بو باس سے خیال کے دماغ کو معطر کر دیا تو باغ کی فضا نے
دامن نظر کو گلچین کے دامن کی طرح پھولون سے بھر دیا۔
سبحان اللہ کیا روضہ ہے کہ رضوان جسکے لطف و لطافت سے راضی و خوشنود
ہے۔ بارک اللہ کیا باغ ہے جس مین بہشت کی ہر نعمت موجود ہے۔ سورج اس باغ کا

ایک زرد آلو ہے۔ چاند اس چمن کا گل شبو ہے۔ پہلے دروازے کی بلندی دیکھنے کو جو آسمان گردن اور سر اٹھائے تو اسکو آفتاب کی پگڑی سنبھالنی دشوار ہو جائے۔ دونون بازو کے سرے سے محراب کی چوٹی تک کلام مجید کا سورہ چوب قلم سے جو لکھا ہے عقل اس طلسمات سے حیران ہے کہ ہر حرف جیسا نزدیک سے نظر آتا ہے ویسا ہی دور سے دکھائی دیتا ہے۔ اس فن کے مبصر انصاف سے دیکھین کہ یہ بات کیسی مشکل اور کسطرح کی تقسیم کامل ہے۔ سنگ مرمر پر سنگ موسیٰ کی بچے کاری کہئے یا آنکھ کی سفید ی پر تپلیون کی سیاہی کی نموداری۔ حرف ہین یا کافور کے قرص پر مشک کے دانے پڑے ہین۔ لفظ ہین یا ہیرے کی تختی پر نیلم کے نگین جڑے ہین۔ مینار آسمان کی طرف تعجب کا ہاتھ اٹھائے ہے کہ یہ خم دیکھئے اور اس بارگاہ کے ہمسری کا دعویٰ اور دم دیکھئے۔ محراب کا خم ابرو سے اشارہ کر رہا ہے کہ اندر جاکر ذرا بہار کا عالم دیکھئے۔ نہین نہین غلطی ہوئی مجھسے۔ بلکہ محراب کا اشارہ یہ ہے کہ پہلے حواس کو یہان طاق پر رکھ جائیے تب آگے قدم بڑھائیے۔ پس جو ادھر چوکھٹ لانگنے کی عزیمت ہوئی تو ادھر عقل اور حکمت رخصت ہوئی۔ سیر سے سیر ہونا تو نگاہ کے ہاتھ ہے لیکن حیرت یہان ہر قدم کے ساتھ ہے۔ سب کے پہلے بہار کے علمدار بڑی شوکت اور شان کے ساتھ نظر پڑتے ہین یعنی دو رویہ سرو کے درخت نیکبخت جوان کی طرح حسن کے جوبن سے اکڑتے ہین۔ زمرد کے جھاڑ کی تو کیا حقیقت ہے جو اس کے ساتھ تشبیہ دون مگر ہان لکھون تو یون لکھون کہ اچھے اچھے سبز پوش ہر قطار مین کھڑے ہو کر ناز و انداز سے انگڑائیان لے رہے ہین۔ یا غلمان بہشت سے آکر آسمان کو اس باغ کی خوبیون کی خبر دے رہے ہین۔ نشو و نما جو ہر چیز کو بڑھاتی ہے شاید سرو ہی کے لباس مین کمر بستہ یہان آتی ہے۔ یا آب و ہوا کی لطافت سے سرو کے پردے مین آپ ہی بڑھی جاتی ہے۔ دونون قطار کے درمیان جو ایک حوض ازمین دوز اور طویل ہے گویا نہر سبیل اللہ سلسبیل ہے۔ صاف پانی سے بھرا

ہوا ہے - اسمین ہر سرو کے مقابل ایک ایک فوارہ چھوٹ رہا ہے - اُدہر سرو نے زمرد
کے فوارہ کا نقشہ اڑالیا - اودہر پانی کے فوارہ نے ہیرے کو پانی کرکے بہا دیا - بعد اسکے ایک
مربع حوض جو بہشت سُنہرا ہے نہایت خوبصورت اور خوشنما ہے - آئینہ اُسے دیکھ حیرت مین
آتا ہے نگاہ کا قدم پہسلا جاتا ہے - بہشت کی نہر اس کا خزانہ ہے آئینہ اُسکا آبدار خانہ ہے
بلکہ آئینہ مین یہ روانی کہان اور دموجون کی سلسلہ جنبانی کہان - پانی اُسکا دودہ سے
زیادہ مصفا ہے - برف سے زیادہ ٹھنڈا ہے - چونہ جو شیر خشت ہوجاے تو روا ہے -
پتھر جو یخ در بہشت بنجاے تو بجا ہے - چارون طرف سے فوارے چھوٹتے ہین - گویا
آسمان سے تارے ٹوٹتے ہین - پانی کی زمین سے پانی کا درخت نکلنا اور پانی ہی کے
پہل پہول سے پہولنا پہلنا خدا کی قدرت ہے - آئینے کے چشمے سے موج کا کہڑے ہوکر چلنا
اور ہوا کے ساتہہ زور کرکے اوچھلنا عجب حکمت ہے عقل نے جب فکر کے دریا مین غوطہ
لگایا تو روضے کے اُدہر حوض کے واقع ہونے کا سبب یون سمجھہ مین آیا کہ نگاہ پہلے اُسمین
نہاکر پاک ہولے تب روضے کے طواف کی آرزو کرے اور ناطقہ پہلے اسکے پانی سے کلیان
کرکے مُنہہ صاف کرلے تب بہار کی صفت مین گفتگو کرے - اس حوض کی یاد مین دریا کی
پسلی پھڑکتی ہے - سینے مین آگ بہڑکتی ہے - جوش کہا کر دیکھنے آتا ہے مگر دیوار سے سر ٹکراکر
پہر جاتا ہے جس طرف آنکھ اُٹھائیے ادہر جدہر خیال دوڑائیے - بیلا چنبیلی - موگرا - موتیا -
چنپا - جوہی - کیتکی - کیوڑا - گلاب - سدا بہار - گیندا - داؤدی - گل عباس - گل مہندی
نازبو - گل رعنا - گل فرنگ - گل چاندنی - شببو - کلغا - سیوتی - دوپہری - سورج مکھی -
لالہ نافرمان - سوسن ہزار زبان - نرگس حیران قسم قسم رنگ برنگ کے پہول پہول رہے
ہین - پیارے سہانے درختون پر صبح شام کی دہوپ چہاؤن کا عالم - پتون پر شبنم کی طراوٹ
اور نم - ڈالیون پر چڑیون کا غل - پریون کی آپس مین چہیڑ چہل - اور جوالون کے
غول - ہمجولیون کی ہنسی اور ٹہٹہول - کہین گل کے قہقہے کہین بلبل کے چہچہے ہین -

مور اُدہر شور کرتا ہے - اِدہر ستون کا جنون زور کرتا ہے - کوئل وہان کوک اُٹھتی ہے -
سینے مین یہان ہوک اُٹھتی ہے - پپیہا جو اُدہر بولا پی کہان - تو پہر یہان بدن مین جی کہان
ڈیٹی کی اُدہر نئے نئے طور پر دہن ہے - اِدہر حیات کے جانے کی اُدہیڑ بن ہے - طوطی کی
جو بات ہے گویا نبات ہے - مینا کو شیرین کلامی سے کام ہے - ناکا سون کا کام ہی تمام ہے
جگنو کا چمکنا - باغ کا مہکنا - دونون وقت کا ملنا - شبو کا لہکنا - سنبل کا بال بکہیرنا - مچھلیون کا
حوض مین تیرنا - ہوا کا چلنا - دل کا مچلنا - سبزی کا لہلہانا - چڑیون کا چہچہانا - شفق کا پہولنا -
گلزار خیال کا تماشا دکھاتا ہے - یہ سما دیکھ کر کوئی پہول سا پہولا نہین سماتا - کوئی بے گل
کی طرح گریبان پہاڑ کر نکلا جاتا ہے - بیلا بے لاگ دلکو کہینچتا ہے - چنبیلی کی البیلی وضع پر روح
شیدا ہے - مہندیون کی ٹٹیون پر چاندنی لوٹ پوٹ ہے - جسکی بہار سے چاند کے جگر مین
داغ اور دل پر چوٹ ہے - لالہ لعل سے بہتر سبزۂ مرد کا ہمسر - کیاریون کے کنارے
کی ہری دوب کا شانی مخمل سے زیادہ خوب و مرغوب - درختون کے تہالے ہین یا دودہ
کے بہرے ہوے پیالے ہین - آبشار ہے - یا آئینہ پشت بدبو وار ہے - پانی کی چادر پر جو
نقش و نگار ہے قلم قدرت کا یادگار ہے - نہر کی جو یہی اٹکہیلیون کی چال ہو تو دل کیونکر
نہ پامال ہو - مہتاب سرو کے ساتہہ ہم آغوش ہے یا کوئی جوان سبز رنگ بادلہ پوش ہے
گلنار کو دیکھکر لعل انگارون پر لوٹتا ہے - سبزے کے رشک سے زمرد زہر کھاتا ہے - یہ لالے
ہین یا آتش کے پرکالے ہین - جسکے دیکھنے سے جینے کے لالے پڑتے ہین - اور دل ہی
دل مین داغ بڑہتے ہین - چاندنی لے سبزہ مین کہیت کیا ہے - یا سبز مخمل پر قیش کتر کے
چہڑک دیا ہے - کلغے کو قلم کرکے ایسا برابر کیا ہے کہ اُسکے پتے اور پہولون سے گویا سبز اور سرخ
بوٹیون کا قالیچہ بچہا دیا ہے - مولسری کی بہینی بہینی خوشبو ہے تو صبا کو اسی کی جستجو ہے -
یہ ہارسنگہار کی گلکاریان ہین یا آگ کی چنگاریان ہین - بیر بہوٹیان رینگتی ہین یا یاقوت کا
خون بہ چلا - لالہ دار چمن مین کھلا یا چنار سے شعلہ نکل پڑا - اگر آب و ہوا کی لطافت یہی ہے

تو موتی صدف سے نکلکر کلیون کا روپ دکھائیگا۔ اور چمپئی کا کانٹا سرسبز ہوجائیگا۔ میوے کا
نام زبان پر آیا اور حلاوت کے مُنہ مین پانی بھر آیا۔ کولا۔ سنگترہ۔ رنگترہ۔ چکوترہ۔ نارنگی۔
لیموں۔ زردالو۔ شفتالو۔ انار۔ سیب۔ بہی۔ انگور۔ اننناس۔ ناشپاتی۔ کیلا۔ بیر۔ کمرکھ۔
شریفہ۔ کٹھل۔ بڑہل۔ انبہ۔ انبلی۔ جامن۔ پھلیندا۔ امرود۔ شہتوت۔ پونڈا۔ ککڑی۔
کوئی ایسا پھل نہین جو اس باغ مین نہوتا ہو۔ اور ساگ ترکاری سے لیکر جڑی بوٹی تک
کوئی ایسی شے نہین جسے باغبان نہ بوتا ہو۔ کہین کولے سنگترے سے چمن کا چمن آگ
بھبوکا ہوگیا۔ کہین فالسے کی رنگت سے زمین کا دامن ودا ہوگیا۔ سیب سے آسیب کی زحمت
دفع ہوجاتی ہے۔ بہی بدن مین فربہی لاتی ہے۔ ناشپاتی سے روح راحت پاتی ہے۔
انار نے خلق کے مُنہ یاقوت اور موتیون سے بھردئے۔ نازنینون کے دانت کھٹے کردئے۔
ادنیٰ میوہ یہان کا اخروٹ ہے۔ جس پر ستارون کا دل لوٹ پوٹ ہے۔ آسمان دن رات
سو سو طرح تاک جھانک مین رہا تب انگور کی ٹٹی سے ایک خوشہ پروین کا کچا پکا سو بار
اس پختہ کاری کے اتبک پچا نہ سکا۔ کیلا یہان ایک ایک گود مین ہزار ہزار کھلیتا ہے۔ ماہ نو
وہان آسمان پر کیلا نکلتا ہے۔ اس زمین کا اگر خربزہ یا سردا ہے پوست مین مغز اُس کا
تر حلوا ہے۔ ہندوانہ مرغ روح کا آشیانہ ہے جسمین ایک ہی جگہ موجود آب ودانہ ہے۔
شہتوت تمام عالم کا قوت۔ انجیر بالکل شکر و شیر۔ امرود حلوائے بے دود۔ انبہ نازنینون
کے ہونٹون پر مہر خاموشی ہے میرے سامنے شیرینی کا دعویٰ ناحق کوشی ہے۔ دوات قلم کی
زبان چوستی ہے۔ گویا نے شکر ٹھیرایا۔ قلم کاغذ کو چاٹتا ہے۔ آپ چیونٹا بنا اور اُسکو مصری
بنایا۔ مالی ڈالیان سرون پر لئے جابجا کھڑے ہین۔ انعام کے لئے اڑے ہین۔ کوئی
پھولون کا ہار لاتا ہے۔ کوئی گلدستہ دور سے دکھاتا ہے۔ پھر جو روضہ نظر آیا تو وہ سما آنکھون
مین سمایا کہ نہ دیدے خواب کی آنکھون سے کبھی دیکھا نہ شنیدے خیال کے کانون سے
کہین سنا۔ الٰہی یہ روضہ ہے یا خلد برین۔ آسمان ہے یا زمین۔ سنہر اکلس ہے یا سورج

کی کرن - گنبد ہے یا نور کا مسکن - قبرستان ہے یا روضۂ رضوان - مکان ہے یا جواہرات کی کان - جو پتھر ہے جواہرات سے بہتر ہے صبح نے مرمر کے ایسی صفائی پائی تب سنگ مرمر کی صورت بنائی - سنگ موسیٰ کو شعلۂ تجلی نے طور پر جلایا تب اس درگاہ کے صرف مین آیا - کلس کا سایہ دریا مین ایسا رہتا ہے جیسا برج آبی مین آفتاب - حوض مین چاند ایسا نظر آتا ہے جیسے دریا مین حباب - دیوار مین مُنہ نظر آتا ہے - گویا آئینہ ہے - جِلا کیا ہوا - گنبد سے دماغ تازہ ہوتا ہے گویا قرابہ ہے گلاب سے بھرا ہوا صبح کی طباشیر استر کاری کے صرف مین لائی گئی جو ابتک وہی نور کا عالم دکھاتی ہے - رات کا مشک اور شفق کی زعفران پیسکر گارے مین ملائی گئی جو آجتک وہی خوشبو دماغ مین آتی ہے - آفتاب کے ترنج کا عرق نچوڑکر ماہتاب کے پیالے مین موتی کی آب سے ملایا تھا جو چونے مین یہ نور اور ایسی صفائی ہے - بہشت کے کافور کو شفق کے ساتھہ آفتاب کے کھرل مین پیسکر صبح کے دامن مین چھانا تھا جو رنگ نے یہ آب و تاب پائی ہے - جالیون کی نزاکت مین عقل کام نہین کرتی کہ پتھر کو موم کر کے بال کا قلم پار کر دیا - یا خیال کا جالا سمجھ کر نگاہ کی نوک سے جیسا چاہا کام بنا لیا - ہر ایک جالی مین وہ ملاحت ہے کہ دیکھنے مین پتھر کی حالت ہے - کاغذ کی وصلی پر حرفون کا اُبھراپن تو معلوم بھی ہوتا ہے یہان پتھر پر پتھر کی پچے کاری کا نہ جوڑ نظر آتا ہے نہ پیوند اور نہ جوڑ کہین سے پست ہے نہ بلند - بس کر شہید بس کر - اب لکھنے کی مت ہوس کر -

(شہید)

رقعۂ تہنیت و تعزیت آمیز

مجموعۂ انشاے شیرین زبانی - دیباچۂ کتاب سخن معانی زاد حشمتہٗ - قلم بعد تشریح مراتب اشتیاق و آرزومندی کے تعزیت کے مضمون سے آنسو بھی بہاتا ہے اور کچھہ خوشی مین آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے - زمانہ مین خوشی و غم دونون کا چولی اور دامن کا

ساتھ ہے اور دنیا میں دھوپ چھاؤن کی طرح شادی کے ہاتھ بن ماتم کا ہاتھ ہے - دو پھول ایک ہی شاخ مین پھوٹے ہین ایک دولہا دلہن کے سہرے کے کام آتا ہے - دوسرا میت کی تربت پر چڑھایا جاتا ہے - دو موتی ایک سیپ مین پیدا ہوتے ہین ایک بادشاہ کے تاج مین لگاتے ہین دوسرے کو کہرل مین پیسکر دوا مین ملاتے ہین - ایک ہی کافور سے دو شمعین بنتی ہین - ایک محفل سرود کے کام آتی ہے دوسری مردے کے مزار پر جلائی جاتی ہے چمن مین کلی اگر کھل کھلا کر ہنستی ہے شبنم بے اختیار اسکے ہنسنے پر روتی ہے - جس باغ مین خزان ہو وہان بہار بھی ہے اور جہان گل ہو وہان خار بھی ہے - بادام کے پوست اور مغز کو دیکھیئے کہ نرمی اور سختی ایک ہی جگہ موجود ہے - برف کو سوچیے تو گرمی اور سردی اسکے ساتھ ہی موجود ہے - سرخی اور زردی گل رعنای و بیل ہے - تقدیر نے اگر صبح کو لباس سفید خوشی کا پہنایا تو شام کے واسطے جامہ سیاہ ماتمی بنایا - حاصل یہ کہ آپکے والد ماجد نے عین عید کے دن انتقال فرمایا - گویا ایسی گردش لیل و نہار کی خزان و بہار کا تماشا دکھایا - اور اس غم نے جتنا رلایا تھا آپکی شادی نے اتنا ہی ہنسایا - اس افسوس مین آسمان جو ماتمی لباس پہنے نظر آیا تو شفق کی سرخی نے وہین خوشی کا رنگ بھی دکھایا رنج مین دو ٹھہر جو پہلے منہ پر مارا تو پھر خوشی مین دہی دونون ہاتھ اٹھاکر یون دعا مانگی کہ خدا اُس مرحوم کو جنت نصیب کرے اور آپ سلامت رہین اور یہ شادی مبارک ہو - بندہ بھی اداے رسم فاتحہ خوانی و شرکت محفل شادمانی کے واسطے ضرور حاضر ہو گا - زیادہ والسلام -

(رشید)

خان بہادر منشی غلام غوث بیخبر

انکے مورث اعلی سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کے رہنے والے تھے - اور حکومت سلاطین مغلیہ مین اسکے بعض بزرگ عہدہ ہاے قضاے کشمیر پر نامور رہے - انکے والد

خواجہ حضور اللہ ترک وطن کرکے تبت چلے گئے۔ وہاں سے ریاست نیپال میں آئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ چنانچہ بیخبر سنہ ۱۲۴۰ھ میں وہیں پیدا ہوئے۔ ان کی چار برس کی عمر تھی کہ والد اور نانا کو گردش زمانہ نے ترک سکونت پر مجبور کیا۔ اور اس مرتبہ بنارس میں طرح اقامت ڈالی۔ یہیں سن شعور کو پہونچے۔ اور تعلیم کا سلسلہ تکمیل کو پہونچا۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں ملازمت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خان میر منشی لفٹننٹ گورنر شمال مغرب کے نائب مقرر ہوئے۔ انہیں ایام میں جب لارڈ الن برا نے گوالیار پر چڑھائی کی تو یہ گورنر جنرل کے منشی خانے میں منسلک ہو کر شریک مہم ہوئے اور جنگ کے خاتمہ پر صلہ کارگذاری خلعت پایا۔ پھر کئی سال بعد اپنے خالو کے بجائے میر منشی مقرر ہوئے۔ اور سنہ ۱۸۸۵ء تک برابر اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اور حکام میں اعلیٰ درجہ کا اعتبار اور وقار حاصل کیا۔ غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں خیر خواہی کے صلہ میں سند و خلعت ہفت پارچہ مرحمت ہوا۔ ملکہ معظمہ کے خطاب شاہی اختیار کرنے کے موقع پر آپکو تمغہ قیصری ملا۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں ۴۵ سال ملازمت کے بعد آپنے پنشن لی اور خان بہادر ذوالقدر کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

شاعری اور انشا پردازی میں آپکو ایک امتیازی درجہ حاصل تھا۔ غالب مرحوم سے دوستانہ تعلقات تھے۔ اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ خطوط کا طرز تحریر نہایت دلکش تھا۔ آپکی دو تصنیفیں خوشابۂ جگر۔ فغان بے خبر یادگار ہیں۔ آپ نے پیرانہ سالی میں سنہ ۱۹۰۱ء میں انتقال کیا۔

صبح اور دوپہر اور شام ہونیکا سماں

صبح

رات آخر ہوئی صبح صادق کا جلوہ نظر آنے لگا ستارے جو رات کی تاریکی میں چمک دمک دکھا رہے تھے اپنی روشنی کو پھیکی دیکھ کر شرمائے اور آہستہ آہستہ غائب ہوئے۔ جیسے چور نور کا تڑکا ہوتے ہی اپنے اپنے ٹھکانے کو بھاگتے ہیں شب کی سیاہی کا رنگ اڑا

مشرقی اُفق پر سفیدی نمودار ہوئی گویا محبوب صبح نے رات کے سیاہ بکھرے ہوے بالون کو
چہرے سے سمیٹ لیا۔ اور اسکی نورانی پیشانی نظر آنے لگی نسیم سحری معشوقون کی طرح
خوش خرامی کرتی ہوئی چلی۔ نرم نرم شاخین درختون کی مستون کے مانند جھومنے لگین
جانورون نے چہچہانا شروع کیا۔ باغ مین غنچے کھلنے لگے جیسے نیند سے کوئی آنکھ کھولے
دریا مین پتلی پتلی لہرین پڑین کاتب قدرت نے قلم شعاع سے زرنگار کرنے کے لئے صفحہ
آب پر مسطر کیا شاہی نوبتخانہ کے کوس و دُہل کی آواز بلند ہوئی۔ اُسکی سریلی آواز سے لوگ
نیند سے چونکے اور اپنے اپنے کام سے لگے۔ میکدہ کا دروازہ کھلا مغبچون نے صحن میخانہ
کی رُفت و رُوب کی۔ پیر مُغ نے صراحی اور ساغر سنبھالا میکشون نے شب کے خمار کی
سرگرانی دفع کرنے کی غرض سے صبوحی کی فکر مین اُس طرف کی راہ لی۔ اِدہر مرغ نے اذان
دی اُدہر موذن بہی اپنے دربے سے نکل صحن مسجد مین کہڑا ہوا اُس کے گلے سے گلا ملانے لگا۔
یہ سُنکر رات بہر کے جاگے ہوے عابد انگڑائیان لیکر سجادہ پر سے اُٹھے جُبّہ اور
عمامہ سنبہال عصا ہاتھ مین لے مسجد کی راہ ناپتے چلے۔ بتکدہ مین گھنٹے اور ناقوس بجے
برہمنون نے پہول اور سیندور بتون پر چڑہا کر بہیروی بھجن گانا شروع کیا۔ صنم پرستون
نے سجدۂ بت کے لئے آمادہ ہوکر بیت الصنم کا ارادہ کیا۔

دوپہر

دوپہر کا وقت ہوا۔ آفتاب سمت الراس پر آیا۔ زمین تپنے لگی۔ پانْون رکہتے ہوے
خوف آتا تہا کہ چہالے نہ پڑین بیٹھے ہوے جی ڈرتا تہا کہ سانس کی گرمی سے لب پر تبخالے
نہ پڑین۔ آسمان سے وہ آتش باری ہونے لگی کہ ہوا نے شعلہ جوالہ کی صورت پیدا کی۔ خاک
کے ذرّون نے چنگاریون سے ہیئت بدلی۔ جانورون نے ڈر سے اُڑنا موقوف کیا کہ
جسم جلکر کباب نہو۔ زمین کی دہشت سے سکتہ کی حالت ہوگئی کہ دہوپ کی گرمی سے

نگھل کر آب نہ ہو۔ دوکانداروں نے دوکانوں کے تختے لگا دیئے اور اُسکی آڑ مین پڑ رہے
لوگون کا گھرون سے نکلنا چلنا پھرنا بند ہوا۔ بازارین سنسان ہوگئین۔ دن نے رات کا
سناٹا پیدا کیا۔ شہر شہر خموشان کا نقشہ بن گیا۔ چوپائے سایہ مین کھڑے ہوکر ہانپنے
لگے۔ ہر درخت شکل چنار ہوگیا۔ دھوپ کی تابش سے معلوم ہوتا تھا کہ کھیت اجل رہا ہے۔
گھاس مرجھا کر زمین سے ایسی لپٹ گئی جیسے کسی نے کاٹ کے ڈال دی ہو۔ حوضون
کا پانی ایسا گرم ہوگیا کہ مسجدون پر حمامون کا گمان ہونے لگا۔ موذنون نے چپکی سادھی
عابد بھی عبادت چھوڑ کر قیلولہ کی سنت ادا کرنے کے بہانے سے لپٹ رہے۔ برہمن تبخانے
کے کونے مین یون خاموش ہوکر بیٹھا کہ بت بن گیا۔ میکدہ مین مُغ زانو پر سر رکھ کے اس
شکل سے ہو بیٹھا کہ معلوم ہوتا تھا ٹکے پر پیالہ اوندھا دیا۔ غریبون نے اپنے گھرون
مین گھاس کی ٹٹیان لگا لین۔ ٹی کی صراحیون پر کپڑا بھگو کے لپیٹ دیا امیرون نے
تہ خانون مین آرام فرمایا خس کی ٹٹیان چھڑکی جانے لگین۔ فراشی پنکھے کھینچنے لگے۔
خس کی خوشبو سے ہوا کے جھوکون پر ثلجہ کا یقین آنے لگا۔ صراحیان برف مین لگائی
گیئن۔ شربت کی قفلیان جمائی گیئن۔

شام

دن تمام ہوا۔ جُھٹ پٹے وقت نے رات کے آمد کی خبر دی۔ مغربی گوشہ سے
تاریکی کا جوش ہوا جیسے پہاڑ کے غار سے سیاہ ابر اُمنڈے۔ آفتاب دن کے تماشا ختم
ہونے سے ایسا اوداس ہوا کہ مُنہ پر زردی چھا گئی۔ باول ناخواستہ مغرب کو چلا۔
لیلائے لیل نے شرم سے کہ آفتاب جاتے ہوے اُسے دیکھ نہ لے سیاہ نقاب مُنہ پر
ڈالا۔ ہوا جو دن بھر زور شور سے چل رہی تھی دھیمی ہوئی۔ اور تھکے ہوے مسافر کیطرح
آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ درختون کے پتون نے کھڑکھڑانا دریا کے پانی نے لہرانا موقوف کیا

پالے ہوے جانور جو دن کو حیرانی کے صحرا مین کلیل کر رہے تھے اُن کو زندان خانہ نصیب ہوا جنگلی چوپایون نے درختون کے سایہ اور پہاڑ کے غارون مین پناہ لی۔طیور نے فضائے آسمان سے مُنہ موڑ کر کسی نے اپنے آشیانے کو رخ کیا کسی نے درخت پر بسیرا لیا۔ مسجدون مین قندیلین روشن ہوئین تبکدون مین سانجھی دگئی۔میخانون مین خم نے ثبات اور ساغر نے گردش سے ثوابت وسیار کے نقشے دکھائے۔قدح نے ماہ تمام کا کام کیا۔وہ روشنی پھیلائی کہ وہان اندہیرا ہونے نہ دیا۔آسمان پرستارون نے چراغان کردیا۔چراغون نے اپنی روشنی سے زمین کو آسمان بنادیا۔مسافرون بہر کے تھکے سرا رون مین آپڑے اُن کی دن بہر کی تھکانی آخر روز کا اضطراب کہ راہ مین رات نہو جائے منزل پر پہنچنے کی جلدی۔سرائے مین ناجنسون کی ہمسائگی بھٹیارون کی نازبرداری۔گھر کا دھیان۔اہل وعیال کا خیال۔وطن کی یاد۔یاران وطن کا تصور۔دل کی شکستگی ایک قیامت تھی۔اس مزے کو وہی جانتا ہے جس نے کبھی اپنے صبح وطن کو شام غربت سے بدلا ہے۔ (منشی غلام غوث بیخبر)

شہید کے انشاے بہار بیخزان کی تقریظ

مردم دیدہ آج گھر بیٹھے بہشت کی سیر کرتے ہین۔اللہ اللہ صفحہ قرطاس پر کیا جوش بہار سحابی ہے ہے تار نگاہ مین بے تکلف موتی پروے جاتے ہین۔واہ واکلک گہربار کی کیا دُرفشانی ہے۔سبحان اللہ یہ کیسی انشا ہے جسکے دیکھنے سے یہ لطف اُٹھتا ہے۔کتاب ہے یا گلزار بیخزان۔جس صفحہ کو دیکھیے حاشیہ فردوس کے روشون پر حاشیہ لکھتا ہے۔جدول کے خطون پر سلسبیل اور کوثر کا جی پانی پانی ہوتا ہے سطرین سنبلستان ہین۔الفاظ گلستان ہین۔حروف کی کششون پر سرو اور شمشاد کا یقین ہوتا ہے۔دائرون سے نرگستان آنکھون کے تلے پھر جاتا ہے۔حرفون کی سیاہی سے کاغذ کی سفیدی وہ کیفیت دکھاتی ہے

گویا درختون سے چاندنی نے کھیت کیا ہے - کاغذ کی سفیدی پر حرفون کی سیاہی کی وہ بہار
نظر آتی ہے جیسے صحن باغ پر بادل چھا رہا ہے - وہان قوت نامیہ سے درخت ہر سال پہولتے
پہلتے ہین - یہان فکر و ادراک سے جب دیکھئے فقرات برجستہ سے معانی تازہ نکلتے ہین - مجموعہ ہے
یا گنج شایگان - ہر باب مین ایسے ایسے بے بہا جواہر حکمت کے بہرے ہین کہ جسے دیکھ کے
جوہری عقل کی عقل چکراتی ہے - ہر فصل مین اتنے نقد کامل عیار دانش کے انبار دہرے
ہین کہ مقدار اُسکی صیرفی ذہن کے ذہن مین نہین آتی - یہ وہ جوہر ہے جسکے رکھنے کو حلقہ چشم
ورجاک ہو تو بجا ہے - اور یہ وہ نقد ہے جسکے پرکھنے کو سویدا ے دل محک ہو تو زیبا ہے شہر
علم کے مفلسون کو صلاے عام ہے کہ اسکی سیر کو آنکھین کھولین دامن نگاہ مین ہوتی رولین
دیار دانش کے ناداروں کو اجازت نامہ ہے کہ اس گنجینہ کے دیکھنے کو آئین جتنا حوصلہ ہو اٹھائین
خالی ہاتھ نہ جائین - کتاب ایسی کیون نہ ہو جب مصنف اسکا وہ ہے جسکی فصاحت نے سحبان
کے منہ مین قبر کی مٹی سے خاک بہری - اور جسکی جادو بیانی نے سحر بابل کی قدر مٹی کی یعنی فاضل
بے بدل - عالم عدیم المثل - منشی اعجاز نگار - شاعر سحر گفتار - مولانا غلام امام شہید - جن کا
ثانی فضل و کمال مین نہ دیدہ ہے نہ شنیدہ - تحریر عربی سے اُنکی عشی اور جریر کی پیٹھہ قبر مین لگی
تھی - نثر فارسی سے ظہوری اور طغرا خواب عدم مین چین سے نہ سوئے تھے - شعر سے انوری
کو بے نور - خاقانی کو ٹکڑ گدا کر دیا تھا - اب اُنکی اردو سے سودا کی روح کو سودا ہوگا - میر
اپنا مرنا غنیمت جانیگا - ہوس کو پہلے ہی خوب سوجھی جو یہ تخلص اختیار کیا یعنی در پردہ
معذرت چاہی کہ مین تو ہوس کرتا ہون کمال حق اور کسی کا ہے - سوز کو بھی کچھہ اُنکی خبر پہونچگیی
تھی کہ آتش رشک سے جلکر یہ تخلص اپنے حسب حال رکھا - ناسخ اب ہوتا تو منصفی سے
تخلص اپنا منسوخ مشہور کرتا - آتش نہ مرتا تو کیسا کیسا جلتا - اُنکی اس نثر نے رتبہ نظم کا کہو دیا
اُستادون کا سفینہ دریا مین ڈبو دیا - سچ تو یون ہے کہ اُنکی حیثیت اور اردو نویسی زمین آسمان
کا فرق ہے - اسپر بھی اگر تفنن طبیعت کے لئے اودہر کچھہ میل کرتے تو ایسی لکھتے کہ اُنکی اردو انشا

کے سامنے علامی اپنی انشا سے خط غلامی لکھتا۔ بہار دانش کی بہار پر خزان کا وقت آجاتا۔ سہ نثر ظہوری کو لوگ چھپا ڈالتے۔ طغرا کی تحریر کو خط باطل کی طرح مٹا ڈالتے۔ پر اس سے مجبور ہوے کہ فرمائش نثر عاری کی تھی۔ گو انہین اس سے عار تہا۔ پر حکم ماننا ناچار تھا لیکن ٹوٹ جائیگی چاہیے کہ اس سادگی مین سیکڑون طرحداری کا مزا بھرا ہے۔ اپنے نزدیک گو کچھ نہ لکھا ہو پر کیسا کچھ لکھا ہے۔ اگر انصاف کیجیے تو ایسی کتاب اردو مین آجتک کوئی نہین ہوئی۔ اردو کو رتبہ فارسی کا بخشتا ہے۔ اردو نویسون کو سامان انشا پردازی کا عطا کیا ہے۔ اسکی بدولت ہر ایک اردو نویس اب ایسا منشی بنیگا ہے کہ فارسی استادون کو انکے آگے سکتا ہے۔ ان مین سے کب کوئی ویسا لکھ سکتا ہے۔ بلکہ یہ کتاب اردو نویسون ہی کے حق مین مفید مطلب نہین ہے۔ ہر ایک قاعدہ اسکا فارسی والون کے حق مین بھی اکسیر کا نسخہ ہے۔ مصنف نے جو اس کتاب کی تصنیف عاجز کی تکلیف دینے سے اختیار فرمائی۔ میری زبان مین کیا تاب و توان ہے کہ اسکا شکر ادا کرون یہ تقریظ تو کیا اگر دفتر کے دفتر لکھون ایک حرف ادا نہو۔ اسلیئے دعا پہ ختم کرتا ہون۔ الٰہی جب تک معنی سخن مین اور سخن حرف مین حرف خط مین اور خط جانِ قالب کتاب مین رہے۔ دانشمندون کا تعویذ جان اس کتاب کا ہر ایک باب ہو۔ یہ دعا بیخبر کی مستجاب ہو۔

(منشی غلام غوث بیخبر)

خط مولنا غلام امام شہید کے نام

قبلہ۔ میری شوخی دیکھیئے یوسف کو آئینہ دکھاتا ہون۔ خورشید کو روشنی کی حکایت سُناتا ہون۔ گلزار مین پھول لے جاتا ہون۔ ختن مین مشک تحفہ بھیجتا ہون۔ دریا کے سامنے روانی کے معنی بیان کر رہا ہون۔ چاند کے روبرو نور افشانی کا معاملہ کرتا ہون۔ لعل کے حضور مین رنگ کی دوکان کھولتا ہون۔ قند کے مواجہ مین شیرینی تولتا ہون۔ مسیحا سے کہتا ہون جان بخشی کی روایت سنیئے۔ موسیٰ سے تمنا کرتا ہون کہ ید بیضا کی چمک دیکھیے

یعنی حضرت کا دیوان مرتب کر کے آپکے حضور مین پیش کرتا ہون - میرے لیئے اسکے دیباچہ لکہنے کا ارادہ کرنا ایسا تہا جیسے ایک فقیر شاہی خزانون کے اہتمام کا قصد کرے - ایک شبشہ گر ہیرا تراشنے کی آرزو مین مرے - اندہا چاہے کہ قدرت کے نظارہ سے حظ اُٹہائے گونگا چاہے کہ فصاحت کا سکہ بٹہائے - مگر چونکہ غلبہ شوق مین تمیز باقی نہین رہتی - یہ خیال نہین ہوتا کہ مین کیا ہون اور کیا کرتا ہون - دیباچہ بھی لکھ ڈالا - وہ اُسکے قابل تو کاہے کو ہے آپکے دیوان پر مرا دیباچہ ایسا ہے جیسے موتی کی لڑی مین سنگریزے کا آویزہ لگا ہو یا زربفت کے قبا مین چہینٹ کا حاشیہ ٹنکا ہو - مانی کی تصویر کے گرد ایک نومشق لکیرین بنا دے - سحبان کے کلام کی ایک ابجد خوان شرح لکہا دے - مگر اس نظر سے کہ ہر چیز اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے بدصورت کے مقابلہ مین حسین کے حسن کو اور رونق ہوتی ہے شب تار مین شمع کی روشنی زیادہ ضیا دیتی ہے - کہاری پانی پینے کے بعد قند کے شربت مین اور ہی مزا آتا ہے - صحرا نوردی کے بعد باغ کی سیر کا لطف کہا نہین جاتا ہے - خاطر مشکل پسند پسند کرتے تو ہو سکتا ہے - بیشک دیکہنے والون کو اسکی برائی اُسکی خوبی زیادہ دکہاویگی - ستارہ دیکہ کے جو چاند دیکہے اُسے روشنی زیادہ نظر آئیگی - میری خوش طالعی ہے اگر یہ قبول ہو - اُسکے لئے شرف ہے اگر دیوان مین داخل ہونے کی عزت اُسے حصول ہو - (غلام غوث بیخبر)

پنڈت رتن ناتھ در سرشار

لکہنؤ مین پیدا ہوے - ۴ برس کے سِن تہے جب اُنکے والد پنڈت بیجناتھ صاحب کا انتقال ہوا - آپ عربی فارسی مین اچہی لیاقت رکہتے تہے - انگریزی بہی جانتے تہے - شاعری مین اسیر کے شاگرد تہے - سنہ ۱۸۷۸ء مین آپ اودھ اخبار کے اڈیٹر ہوے - وہان سے علیحدگی کے بعد اپنا ایک خاص رسالہ خمکدہ سرشار نکالنے لگے سنہ ۱۸۹۵ء مین آپ حیدر آباد گئے - ہراکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد صاحب اُس زمانہ مین وزیر افواج تہے

سرشار وہین رہتے تھے ۱۹۰۲ء مین حیدرآباد ہی سے آپ راہی ملک بقا ہوے۔

آپ فسانہ نگاری کے طرز جدید کے موجد ہیں آپکی تصانیف سے سیر کہسار۔ جام سرشار۔ فسانہ آزاد مشہور ہین۔ ان سب مین بہتر تصنیف فسانہ آزاد ہے۔ اسمین جس واقعہ منظر۔ مناظر قدرت کو دکھلایا ہے اسکی ہوبہو تصویر کہینچ دی ہے واعظ۔ افیونی۔ سپاہی جسکی زبان کہی ہے پورا خاکہ اتار لیا ہے مستورات کی زبان ایسی صحیح طور سے ادا کیا ہے گویا بیگمات ہی کی زبان ہے۔ فسانہ آزاد لکھنؤ کے اوس وقت کی سوسائٹی کا دلچسپ مرقع ہے۔

لکھنؤ کا محرم الحرام

سینون مین جگر پہ تیر غم چلتے ہین
رخسارون پہ اشک شمع سان ڈہلتے ہین

کیون تعزیہ خانون مین نہ رونق ہوے یارو
دل بھی تو چراغون کی طرح جلتے ہین

میان آزاد سیلانی آدمی سیر سپاٹے پر ادہار کہاے ہوے مٹرگشتی کی دہن جو سمائی تو ریل کے انجن کی طرح چل کھڑے ہوے۔ اور سوچے کہ چلکے محرم لکھنؤ کا دیکھ لین۔ دیکھتے کیا ہین کہ گہر گہر شیون وشین۔ گہر گہر میں گریہ وزاری۔ اشکباری۔ جم غفیر مجمع کثیر ایک جلسے تن بول اٹھے اور کیون نہ ہو مجالس عزا کی دہوم دہام ہے۔ لکھنؤ کا محرم الحرام ہے۔ لکھنؤ کی سوزخوانی۔ لکھنؤ کی خوش بیانی۔ لکھنؤ کی عزاداری لکھنؤ کی سوگواری۔ از شام تا روم مشہور ہر مرز و بوم ہے۔ تعزیہ خانون مین دہوم۔ امام باڑون مین ہجوم ہے۔ اور ان سب مین حسین آباد مبارک کا البدر فی النجوم ہے۔ انکے ساتھ انکے ایک دوست ہولیے تھے۔ انکی بیقراری کا اسحال کچھ نہ پوچھیے وہ لکھنؤ سے واقف نہ تھے۔ دوڑے جاتے ہین کہ شہید کربلا کا واسطہ آل مصطفی کا صدقہ ہمین لکھنؤ کا محرم دکھا دو۔ مگر کوئی جگہ چہوٹنے نہ پائے۔ ایک شخص نے ایک آہ سرد کہینچکر کہا میان اب وہ لکھنؤ کہان۔ وہ لوگ کہان۔ وہ دن کہان۔ لکھنؤ کا محرم رنگیلے پیا جانعالم کے وقت مین دیکھتا تو ارنی گوے اوج طور بھی غش کر جاتا۔ بانکون کی شمشیر دو پیکر جب دیکھو

میان سے دو انگل باہر کسی نے ذرا ٹیکھی چتون کی اور انھون نے کھٹ سے سر ہی کاٹ لاہوا ہاتھ چھوٹا سنڈا اکھل گیا۔ ایک ایک گھنٹے مین مین جب خانہ جنگیون کی خبر آتی تھی۔ دکاندار جوتیان چھوڑ چھوڑ کر سٹک جاتے تھے۔ وہ دھم دھکا وہ بھیڑ بھڑ کا ہوتا تھا کہ واہ جی واہ۔ انتظام کرنا خالہ جی کا گھر نہ تھا۔ اب کوئی چون بھی نہین کرتا۔ ادنی ادنی آدمی ہزارون لٹا تا تھا۔ اب کوئی بہی ندر جین نہین نکالتا۔ اب انیس ہین نہ دبیر۔ مونس ہین نہ شبیر۔ ضمیر ہین نہ دلگیر ہے ع

افسوس جہان سے دوست کیا کیا نہ گئے | اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
تہا کون سا نخل جسنے دیکھی نہ خزان | وہ کون سے گل کھلے جو مرجہا نہ گئے

دبیر مبرور کی تربت کو خدا عنبرین کرے۔ واللہ خدائے سخن تھا۔ سر منبر ع جب قفل دہن کھلا جواہر نکلے۔ گویا کہ زبان کا گنجینہ ہے۔ اب ہی باجی پڑھی اور سامعین چار موجہ حیرت مین غرق ہو گئے۔ کہ الحمد اللہ یہ فصاحت یہ بلاغت۔ ع

مداح امیر ابن امیر آتا ہے | دربار مین شاہون کے فقیر آتا ہے
مشتاق سخن خلق چلی آتی ہے | لو منبر پڑھنے کو دبیر آتا ہے

اور انیس مرحوم کو خدا بخشے باللہ العظیم کلام کیا جواہرات کے ٹکڑے قند و نبات کے ریزے نور کے مرثیے ہین۔ ع جوہر شناس ہے تو انھین جو ہرون ہین قول فصحائے خطۂ پاک ایران تک کہتے ہین کہ کجا انیس کجا فردوسی۔ کجا کمر بند مرصع کجا شال اوسی۔ بزم مین وہ ڈھنگ رزم مین وہ رنگ کہ ع۔

مضمون انیس کا نہ چہرا اترا | اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشہ اترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی | تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اترا

لیکن ہائی لٹکا بھی تو کہان تک۔ اب بھی اس شہر کی ایسی عزاداری ہفت اقلیم مین نہین ہوتی۔ اب کہئے کہان کی سیدھیان ہین نجف اشرف۔ کربلا۔ کاظمین۔ میر باقر کے امام باڑے۔ چوٹیان جہان چلو داخل حسنات ہو واللہ بہشت کی بھی سیدھی راہ ہے۔ ع

دربار جناب مصطفےٰ کو دیکھا	ان آنکھوں سے شان کبریا کو دیکھا
فردوس میں پہونچے تو نجف میں پہونچے	جنت دیکھا جو کربلا کو دیکھا

رنگ رلیاں مناتے پیدل سے چلے جاتے تھے راہ میں وہ بھیڑ وہ ریل پیل کہ عیاذاً باللہ شانے سے شانہ چلتا تھا۔ ہوا جب پھر اپنی بسیار کہیں گذر پاے تو حقیقۃ النفس ہو جاے بانکے ترچھے۔ تیکھے تقات مقدس کس وناکس غریب و امیر برنا و پیر ایڈے سے چلے آتے ہیں جہ بہر دیکھو نرالی دہج مومن پاک مثل کعبہ سیاہ پوش۔ کوئی ماتم حسین میں برہنہ سر چلا جاتا ہے۔ کوئی حلہ پوش بہشت کی طرح ہرا ہرا جوڑا پھڑکاتا ہے۔

یہ لیجیے آغا باقر کے امام باڑے میں ہنسے سے داخل۔ اُہو ہو ہو۔ خدا کی قدرت مجسم نظر آتی ہے واہ میاں باقر کیوں نہو۔ نام کر گئے۔ چکاچوند کا عالم ہے لیکن گلی تنگ۔ تماشائیوں کی عقل دنگ ع جاے تنگ است و مردان بسیار۔ گر خلقت جس ٹھیکر و تخیر ہی آتی ہے۔ ناک ٹوٹے یا سر پھوٹے آغا باقر کا امام باڑہ ضرور دیکھیں گے۔ وہان سے جو طرارہ بہرا تو کچے پل پہونچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک پیر فرتوت و فیثاغورس کے ہمعصر بیٹھے اگلے وقتوں کے لوگوں کو رو رہے ہیں۔ واللہ لکھنؤ کے کمہار بڑے نادرہ کار ہیں ایسا اٹھ پایا کہ معلوم ہوتا ہے پوپلے منہ سے اب بولا اور اب بولا وہی برس کچے سے بال۔ وہی سفید بھویں وہی چتون وہی پیشانی کی شکن۔ وہی ہاتھوں کی جھریاں وہی کمر خم وہی سینہ جھکا ہوا۔ واہ رے کاریگر تو بھی اپنے فن میں یکتا ہے۔ اور تیرا بوٹا تو اللہ ہی اللہ۔

وہاں سے جو چلے تو داروغہ میر واجد علی صاحب مرحوم کے امام باڑہ میں آ گئے۔ یہاں سورج کی پڑہ جوبن تہا کہ آفتاب اگر ایک نظر چہپا کر وہ نور دیکھ پاتا تو مارے غیرت کے بحر ظلمات میں غوطے کھاتا بے تکلف کرسیوں پر جا ڈٹے۔ اہلکاران سلیقہ شعار نے چکنی ڈلی۔ الایچی پیشکش کی وہاں سے حسین آباد مبارک میں پہونچے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ یہ امام باڑہ ہے یا روضۂ رضوان۔ الٰہی یہ مکان ہے یا باغ جنان۔ ہر در و دیوار سے محمد علی شاہ فردوس آرامگاہ کا نام روشن ہے۔ امام باڑہ سجا سجایا دلہن کا ایسا جوبن ہے ہر جون پر شیلے موقوف تو منارہ نور علی نور۔ حیرت تھی کہ یہ کوہ نور

ہے یا شعلہ طور ہے سرخ قندیل یا یاقوت احمر ہے ابر اٹھا ہے چراغان کی قطار پر مہتاب پروانہ ہو جائے پھر نہر مصفا جو نظر آئی تو آنکھوں نے عجب طراوٹ پائی۔

بسنت کی بہار

اللہ اللہ کیا روح افزا بہار ہے جس طرف دیکھیے زعفران زار ہے صوفی صافی تا مرید مغبچہ بادہ فروش ہے بہار بسنت کا وہ جوش ہے کہ ساقی تک مدہوش ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ ہ

حکمرانی پر ہوا میل سلیمان بہار ۔۔۔ عشق پیچان بن گیا طغرائے فرمانِ بہار
زلف سنبل کو سمجھیے گوش گل کو جانیے ۔۔۔ نرگس شہلا کو کہیے چشم نشان بہار۔

بہار باغ کا عالم خطِ گلزار میں مسطور ہے صفحۂ قرطاس نورٌ علیٰ نور ہے۔ گلزار و بستان ہیں کہ جنت کے چمن۔ حور و غلمان ہیں یا نسرین و نسترن۔ فردوسی آئے تو گلچین ہو جائے رضوان دیکھے تو شرما ئے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کی کھٹرن۔ باد بہاری کے جھونکے سناسن۔ سبزے کی لہک۔ کاج جعفری کی جھک۔ کلیوں کا چٹکنا۔ پھولوں کا مہکنا۔ شاخ گل کی کج ادائی۔ سنبل کی آشفتگی۔ گلوں کی رعنائی۔ دزدیدہ نگاہوں سے نرگس شہلا کی نظارہ بازی۔ زبان حال سے سوسن کی زبان درازی۔ شاخ گل کا مستانہ وار جھومنا۔ اشجار پر میوہ کا زمین کو بار بار چومنا۔ سنبل کی سیہ مستی نرگس کی جام پرستی۔ نونہالان چمن کے ہاتھوں میں پھول کے جام جیسے رندان بے آشام۔ منقار بلبل نغمہ خیز۔ نائے موسیقار ترانہ ریز۔ طوطی کی خوش بیانی۔ عنادل کی غزل خوانی۔ کوئل کی کوکو۔ قمری کا نعرۂ حق سرہ۔ سبحان اللہ سبحان ہ

بہار آئی ہے عالم ہے گل و نسرین و سوسن پر ۔۔۔ جوانانِ چمن نازاں ہیں اپنے اپنے جوبن پر

عنادل جوش مسرت میں بے پر کی اڑاتے ہیں۔ غنچۂ گل سن سن کر زیر لب مسکراتے ہیں۔ شبنم کے قطرے ہرے ہرے پتوں پر اس طرح نمودار ہیں جیسے کسی سبز رنگ گلگوں کے ہاتھ میں لالی آبدار ہیں۔ درخت پھولے پھلے۔ سرو سہی سانچے میں ڈھلے۔ نسرین و نسترن کا حسن بے عیب و

داغ۔ نرگس و گل چمنستان کے چشم و چراغ ہ

وہ بہار آئی ہوئے نغمہ سرا مرغ چمن ۔۔۔ غیرتِ باغِ ارم آج ہے صحن گلشن
جوش ہے زمزمہ سنجی پہ ہین مرغانِ بہار ۔۔۔ کیا تعجب ہے جو گویا ہو زبانِ سوسن
کرم ابر بہاری سے ہے سیراب زمین ۔۔۔ خاک اڑکر نہین ہوتی ہے غبارِ دامن
نئے مضمون ادا کرتی ہے ریزے کی زبان ۔۔۔ کھولتا نکتۂ سربستہ ہے غنچہ کا دہن
آب شبنم سے کہان کاسۂ گل ہین لبریز ۔۔۔ جلترنگ آج بجانے کو ہے معشوقِ چمن
آبشارون کا سرآئینہ بجاتی ہے صبا ۔۔۔ تال دیتا ہے کفِ برگ سے ہر نخل چمن
کوئی افسانۂ زہاد نہین سنتا ہے ۔۔۔ خس و خاشاک سے کیا صاف ہے صحن گلشن
ایسے کثرت سے جو ہو بارش باران بہار ۔۔۔ زاہد خشک کا ممکن ہے نہو تر دامن

پھولون سے لبریز گلچینون کی جھولی ہے۔ باغبان کی آنکھون مین سرسون پھولی ہے
حوض باغ آئینہ کی صورت صاف۔ پانی مثل بلور شفاف۔ روشین صاف و پاک۔ پٹریان بے
خس و خاشاک۔ رنگیلے جوان نشاط گلگشت مین مخمور۔ بادۂ مسرت سے چور۔ لکھنؤ مین ہر گلی
کوچہ زعفران زار ہے۔ کیون نہو آخر بسنت کی بہار ہے۔ یون تو ہر سمت طبلے پر تھاپ
سارنگی کی چھیڑ چھاڑ او نغمہ سرائی کا انتظام ہے۔ مگر شاہ مینا صاحب کی درگاہ سب مین
انتخاب زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ اللہ اکبر گرد مزار کمین نوجوانون کی وہ ہجوم دہام
ہے کہ جس طرف دیکھئے اژدحام عام ہے۔ غٹ کے غٹ جوق جوق چلے جاتے ہین غول
کے غول امڈے آتے ہین۔ وہ بھیڑ بھڑکا۔ وہ دھکم دھکا۔ وہ ریل پیل۔ وہ شور وشر کہ
الامان۔ الحذر۔ ایک دوسرے کو ریلتا ہے۔ دوسرا تیسرے کو ڈھکیلتا ہے کہین قوال
حقانی غزلین گاتے صوفیون کو وجد مین لاتے ہین۔ کسی اہل دل کو حال آیا۔ کوئی آنسو
بھر لایا۔ ہو حق کا نعرہ بلند ہے۔ سرود و غنا کا لطف دوچند ہے۔ فقط۔

برات کی دہوم

ایک رئیس گردون مدار وامیر باوقار کی ایک دختر فرخندہ اختر تہی۔ رئیس موصوف نے اُسکو نباز و نعم پالا۔ جب لڑکی کچہہ سیانی ہوئی تو اُسکی شادی کی فکر پیدا ہوئی۔ بڑے بڑے نام آوردہ رؤسائے ذوی الاقتدار کے ہان سے پیغام آنے لگے دور دور تک اسکے حسن وجمال کی شہرت ہوئی۔ آخر کار ایک رئیس والاتبار جم اقتدار کے ساتہہ نسبت قرار پائی۔ پہر کیا تہا طرفین سے تیاریاں ہونے لگین۔ اب شوق کی اسدرجہ افزایش ہے کہ جی چاہتا ہے سب جمع جتھا لٹا دین آنکھ بند کر کے خرچنے لگین ایک نے اپنی ہزار روپیہ قرض لیئے۔ دوسرے نے تعلقے کے کوڑی کئے دونون لنگوٹی پر پہاگ کہیلنے لگے۔ جوڑے بنے۔ خدمتگارون ماماؤن چھیلون نوکرون چاکرون نے بیش بہا جوڑے پہڑکائے خوب انعام وخلعت پائے۔ برات کے دن بڑے کروفر سے برات سجی گئی۔ دونون طرف خوب ٹہاٹہہ تہے

الماس کے دان تہے جہاڑ فانوس	یان جلوہ فرش تخت طاؤس
مہتاب سے چاندنی کا دان فرش	یان چرخی سے چرخ ہین سرعرش
گلگون تہا کسی کا بادرفتار	گل رنگ کسی کا تہا ہوا دار
ہاتھی تہے تو مستیون کی دہمت تہی	گہوڑے تہے تو چابکی کی لت تہی
وہ ماہ کہ تہا سوار شبدیز	تہا پا برکاب شوق مہمیز

سب سے پہلے نشان کا ہاتھی شب رنگ مست صورت دیکہئے انسان ڈرجائے۔ اُسکے بعد بڑی دور تک جلوس کی بہار اور سانڈنیون کی قطار تہی۔ عربی۔ ترکی۔ تازی۔ ویلایکپ۔ انواع و اقسام کے رہوار بادرفتار خوشخرام و تیز لگام سازدار سجے سجائے پرے کے پرے جمائے چاندی کا گہنا پہنے دلہن کی ایسی صورت بنائے چھم چھم کرتے چمکتے جاتے ہین۔ آرایش کے تخت بڑے صناعان چابکدست کے بنائے ہوئے لطف جلوس دوبالا کرتے تہے معلوم ہوتا تہا گلزار ارم کے پہول پہولے ہین۔ سرو بنایا تو نقل کو اصل کر دکھایا۔ چانڈ و بازون کا تخت قابل دید تہا۔ کوئی نشے

ہین جہوم رہا ہے۔کوئی نے کو چوم رہا ہے۔کوئی گرہٹ تہا طبے غین ہے۔کوئی کنارا چوستا ہے۔بعینہ چانڈو خانے کی تصویر کھینچدی۔جز ہرے کا تیلی کا تخت۔رہس منڈل دیکہنے سے دلکو سرور حاصل ہوتا تھا۔سوارون کا تخت ستم ڈہاتا تہا۔سوار خاکی وردیان پہنے کرچ لٹکائے گھوڑے کی باگ اُٹھائے وہاوا بولا ہی چاہتے ہین۔قدم قدم پر آتشبازی چہوٹ رہی ہے۔انار آسمان کی خبر لاتے ہین۔پھلجھڑی کی تعریف ہین اچہے اچہے آتش زبانون کی زبان لال ہے۔چرخی کا چکر دیکھکر عقل چرخ تہی۔کامل فن آتشبازون نے بڑی دلسوزی سے آتشبازی بنائی تہی انار سے تختہ زمردین نظر آتا تہا۔باجے والون کی جماعت دہل کی دہوم۔تماشائیون کا ہجوم گورون کی لال لال وردیون سے گل لالہ کھلا تہا۔تلنگون کی کالی کالی کرتیون سے حاسدون کا منہ کالا تہا۔ایک سمت چوبدار عصاے نقرئی لئے پگڑیان جمائے گھوم رہے تھے۔دوسری سمت خاص بردار رنگین جہنڈیان اُٹھائے پہرتے تہے۔رئیس شریف عمائد لاتعد و غیر محدود تھے۔جملہ سامان لطف و مذاق موجود تھے۔نوشہ حسین و مہ جبین خلعت بیش بہا زیب تن کئے بصد طنطنہ و دبدبہ گلگون خوش عنان پر سوار تہا۔گھوڑا ایسا شائستہ کہ دودھ پیتا بچہ تک سوار ہو جاے۔پاؤن کی مہندی نے دلہن بنا دیا تہا۔

نوشہ کے گھوڑے کے بعد کئی ہاتھی تہے۔مکنا اور ایک دنتا اور دُم کٹا اور پاٹھا۔ انپر دس دس بارہ بارہ چودہ چودہ برس کے لڑکے سوار تہے۔الغرض خوب چکر کھا کر اور سوتون کو جگا کر برات دلہن کے مکان سے تہوڑی ہی دور رہ تہی کہ آتشبازی سے ایک ہاتھی بھڑکا۔دوسرے نے اُسکا ساتھ دیا۔فیلبان لاکھ تدبیرین کرتا ہے۔آنکس لگاتا ہے۔مگر وہ بری دہت میں ایک نہین سُنتے۔تیسرا ہاتھی لپکا تو ایک بوڑہیا چل گئی۔ایک نپشاخہ والا پس گیا۔دس دکانین تہ و بالا ہو گئین۔گھبراہٹ اور بد حواسی سے پندرہ بیس آدمی زخمی ہوے اتنے مین آرایش لٹنے لگی۔ہلڑ ہو گیا۔برقندازون کی ایک نہین چلتی۔آدہے تخت لٹ گئے چھ ٹوپیان اُتر گئین۔تین لڑکون کا زیور اُچکون نے ہتہیالیا۔ایک کا کان کٹ گیا۔

چلو ناک تو بچی مبارک - بارے خدا خدا کرکے دلہن کے مکان پر برات پہونچی ؎

در تک جو برات ادہر سے آئی | کی سب نے ادہر سے پیشوائی
باران گلاب و بارش گل | ہوکر بڑہے آگے باتجمل
قلیان سپید مشک بو دہوان دہار | بیڑے چکنے پان کے مزیدار
جب عقد کی اُنکی ساعت آئی | دو رشتون مین اک گرہ لگائی

میان آزاد گھنٹون یہ کیفیت چپکے چپکے دیکھا کئے اور یہ سوچنے لگے کہ اسقدر زر کثیر بے وجہ بلا سبب مفت بیکار ضایع ہوا - اور ہزارون روپیہ غارت کئے - اگر یہی زر خطیر امور رفاہ عام اور فائدہ انام مین صرف ہوتا تو سبحان اللہ - افسوس صد افسوس کہ ہندی اس ارائیش پر لٹو ہین ہمنے کہین سنا نہین کہ اس فضول دہوم وہام سے کسی ملک کو فائدہ پہونچا ہو - ؎

ادبار کا کٹکا حشم و جاہ مین ہے | بھاگو بھاگو کہ خود بدی راہ مین ہے
جاگو جاگو یہ خواب غفلت کیا | دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ مین ہے

ایسی براتین یہ دہوم دہام یہ رسوم مذموم درد انگیز حسرت خیز ہین - مگر اہل ہندان ہی کے ہاتھ بک گئے ہین - یہ اسی کو بڑا عروج سمجھتے ہین کہ تمام عمر کی آمدنی ایک برات کی نذر کردین - دو گھڑی کی واہ وا - اسکے بعد حال تباہ - عیاذاً باللہ - شادی کو غم سے مبدل کرنا کون دانائی ہے - لیکن حیف صد حیف کہ ہم ان امور پر نظر نہین ڈالتے -

مرزا محمد رفیع سودا

پیدایش دلّی ۱۱۲۵ھ **وفات لکھنؤ ۱۱۹۵ھ**

سودا تخلص۔ مرزا محمد رفیع نام۔ شہر دہلی کو انکے کمال سے فخر تھا۔ ان کے باپ مرزا محمد شفیع میرزایان کابل سے تھے۔ بزرگوں کا پیشہ سپہگری تھا۔ مرزا محمد شفیع بطریق تجارت وارد ہندوستان ہوئے ہند کی خاک دامنگیر نے ایسے قدم پکڑے کہ یہیں رہے۔

سودا ۱۱۲۵ھ ہجری مین دہلی مین پیدا ہوئے اور وہین پرورش اور تربیت پائی۔ کابلی دروازہ کے علاقہ مین انکا گھر تھا۔ بموجب رسم زمانہ پہلے سلیمان قلی خان وداد کے پھر شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ خان آرزو کے شاگرد نہ تھے مگر ان کی صحبت سے فائدے بہت حاصل کئے۔ چنانچہ پہلے فارسی شعر کہا کرتے تھے۔ خان آرزو کے فہمایش سے اُردو زبان مین شعر کہنے لگے۔ طبیعت کی مناسبت اور مشق کی کثرت سے دلی جیسے شہر مین انکی استادی نے خاص و عام سے اقرار لیا کہ انکے سامنے ہی انکی غزلین گھر گھر اور کوچہ و بازار مین خاص و عام کی زبانون پر جاری تھین۔

جب کلام کا شہرہ عالمگیر ہوا تو شاہ عالم بادشاہ اپنا کلام اصلاح کے لئے دینے لگے۔ مرزا بڑے نازک مزاج اور نہایت غیور تھے۔ ایک دن کسی بات پر بادشاہ سے ناراض ہوگئے ہرچند بادشاہ نے بلوایا نہ گئے۔ دہلی کے اکثر اُمرا خصوصاً مہربان خان وبسنت خان انکی بڑی قدر کرتے تھے۔ فارغ البالی سے بسر ہوتی تھی۔

جب انکے کلام کا شہرہ لکھنؤ تک پہونچا تو نواب شجاع الدولہ نے کمال اشتیاق سے خط لکھکر خرچ سفر بھیجا اور طلب کیا۔ انھین دلی چھوڑنا گوارا نہ ہوا جواب مین فقط اس رباعی پر حسن معذرت کو ختم کیا۔

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک — آوارہ ازین کوچہ بآن کو کب تک
حاصل یہی اس سے کہ دنیا ہووے — بالفرض ہوا یون بھی تو پھر تو کب تک

کئی برس کے بعد وہ قدردان مرگئے۔ زمانے بدل گئے۔ سودا بہت گھبرائے ساٹھ پینسٹھ

برس کی عمر مین انکو دلی چھوڑنا پڑا۔ چند روز فرخ آباد مین نواب بنگش کے پاس رہے وہانسے
لکھنؤ پہونچے نواب شجاع الدولہ کی ملازمت حاصل کی۔ وہ بہت اعزاز سے ملے اور انکے آنے پر
کمال خورسندی ظاہر کی۔ لیکن یا تو بے تکلفی سے یا طنز سے اتنا کہا کہ مرزا وہ رباعی تمھاری
ابتک میرے دل پر نقش ہے اور اُسی کو مکرر پڑھا۔ انھین اپنے حال پر بڑا رنج ہوا۔ اور بپاس
وضعداری پھر دربار نہ گئے یہانتک کہ شجاع الدولہ مرگئے۔ نواب شجاع الدولہ کے بعد اُنکے
بیٹے نواب آصف الدولہ نے چھ ہزار روپیہ وظیفہ مقرر کردیا اور نہایت عزت سے اُنکو رکھا۔
تقریبًا ۷۰ برس کی عمر مین ۱۱۹۵ھ مین وہین انتقال کیا۔

سودا۔ اُردو کے مسلم الثبوت استاد ہین۔ انھون نے تقریبًا تمام اصناف سخن مین
طبع آزمائی کی ہے۔ مگر اردو مین قصائد کا کہنا اور پھر اس دھوم دھام سے اعلی درجہ فصاحت
وبلاغت پر پہونچانا انکا پہلا فخر ہے۔ وہ اس میدان مین فارسی کے نامی شہسوارون کے ساتھ
عنان درعنان ہی نہین گئے بلکہ اکثر میدانون مین آگے نکل گئے ہین۔ انکے کلام کا زوروشور
انوری اور خاقانی کو دباتا ہے۔ اور نزاکت مضمون مین عرفی وظہوری کو شرماتا ہے۔

مرزا کے کلام کے خصوصیات۔ زبان پر حاکمانہ قدرت رکھتے ہین۔ کلام کا
زور مضمون کے نزاکت سے ایسا دست وگریبان ہے جیسے آگ کے شعلہ مین گرمی اور روشنی۔
بندش کی چستی اور ترکیب کی درستی سے لفظونکو اس دردبست کے ساتھ پہلو بہ پہلو جڑتے ہین گویا ولایتی
طپنچہ کی چاپین جڑی ہوئی ہین۔ اور یہ خاص انکا حصہ ہے۔ خیالات نازک اور مضامین تازہ
باندھتے ہین۔ تشبیہ اور استعارے بھی انکے کلام مین ہین مگر اتنے جیسا کھانے مین نمک۔
انکی طبیعت ایک ڈھنگ کی پابند نہ تھی نئے نئے خیال اور قافئے جس پہلو سے بجتے دیکھتے
جما دیتے تھے جن اشخاص نے زبان اُردو کو پاک صاف کیا ہے مرزا کا انمین پہلا نمبر ہے۔
انھون نے فارسی محاورون کو بھاشا مین کھپا کر ایسا ایک کیا ہے جو کہین سے جدا نہین
معلوم ہوتے۔ ہندی زبان کو فارسی محاورون اور استعارونسے نہایت زور بخشا۔ انھین کا
زور طبع تھا کہ جسکی نزاکت سے دو زبانین ترکیب پاکر تیسری زبان پیدا ہوگئی۔ اور ایسی قبولیت عام
حاصل ہوئی کہ آئندہ کے لئے وہی ہندوستان کی زبان ٹھہری جس نے حکام کے دربارون اور علوم
کے خزانون پر قبضہ کرلیا۔

مرزا قصیدے کے بادشاہ ہین مگر غزل مین میر کے برابر سوز وگداز نہین تصوف انکا حصہ نہین وہ میر درد کے حصہ کا مضمون ہے۔

قصیدہ - ۱

اُٹھ گیا بہمن و دی کا چمنستان سے عمل　　تیغ اردی نے کیا ملک خزان مستاصل

سجدۂ شکر مین ہے شاخ ثمردار ہر ایک　　دیکھ کر باغِ جہان مین کرم عز و جل

قوتِ نامیہ لیتی ہے نباتات کا عرض　　ڈال سے پات تلک پھول سے لیکر تا پھل

واسطے خلعتِ نوروز کے ہر باغ کے بیچ　　آب جو قطع لگے کرنے روش پر مخمل

بخشتی ہے گلِ نورستہ کی رنگ آمیزی　　پوششِ چھیٹ قلمکار بہر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمین پر ہے کہ جسکے آگے　　کار نقاشیِ مانی ہے دوم وہ اول

تار بارش مین پروتے ہین گہرہائے تگرگ　　ہار پہنانے کو اشجار کے ہر سو بادل

بار سے آب روان عکس ہجوم گل کے　　لوٹے ہے سبزہ پہ از بس کہ ہوا ہے بیکل

شاخ مین گل کے نزاکت یہ بہم ہے پہونچی　　شمع سان گرمیِ نظارہ سے جاتی ہی بگل

جوشِ روئیدگیِ خاک سے کچھ دور نہین　　شاخ ہین کا د زمین کے ہے جو پھوٹی کونپل

دمِ عیسیٰ سے فزون فیض ہوا ہی یان تک　　دین ہین قسم جمادات سے شاید ہو خلل

فکر رہتی ہے مجھے یہ کہ زبان سے اپنے　　کہین دعوائے خدائی نہ کرین لات و ہبل

حدِ ایام کی پیش از مدد نامیہ سے　　بچۂ مرغ چمن تخم سے آتا ہے نکل

سبز ہوتا ہے فصیحی کے سبب سے ہر بار　　جو زبان سے سخن اب طوطی کے آتا ہے نکل

دست گل خوردہ و شاخِ گل و گلزار بہم　　بجہان نشو و نما کرنے مین ہین ضرب مثل

غنچہ پہ کچھ نہین موقوف عجب فصل ہے یہ　　گل بہم پہونچے ہے عقدہ ہو کسی طرح کا حل

آوے ہے اُنکے نظر لاکھ طرح کا وہ پھول　　اُن گلون چھٹ جو نغمہ کے ہین صدا مستعمل

یاسمن رنگ جو رکھتی ہے خزان سے مانا　　چاہتی ہے بسماجت کرے سبزی سے بدل

چشم نرگس کی بصارت کے زبس ہی درپے　　غنچۂ لالہ نے سرمہ سے بھری ہے مکحل

اسقدر محو تماشا ہے کہ نرگس کی طرح — چشم سیار گلستان میں جھپکتی نہیں پل
آب جو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ہے — خطِ گلزار کے صفحہ پہ طلائی جدول
سایۂ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل پر — ساغرِ لعل میں جوں تیجے زمرد کو حل
رنگ نے رتبۂ آئینہ کیا ہے پیدا — تیغ کہسار ہوئی بس کہ ہوا سے صیقل
برگ برگِ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے — گل کو دیکھو تو نگہہ جا رہے سنبل پہ پھسل
لڑکھڑاتی ہوئی پھرتی ہے خیابان میں نسیم — پانوں رکھتی ہے صبا صحن میں گلشن کی سنبھل
اتنی ہے کثرتِ لغزش بزمینِ ہر باغ — جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سر کے بل
فیض تاثیر ہوا یہ ہے کہ اب حنظل سے — شہد ٹپکے جو لگے نشترِ زنبورِ عسل
دانہ جس شور زمین سے نہ پھلا دہقان سے — سبز وان دانۂ شبنم سے ہوا ہے جنگل
کشت کرنے میں ہر اک تخم سے از فیض ہوا — گرتے گرتے بزمین برگ برآتا ہے نکل
جوہری کو چمنستان جہان میں اس فصل — آگیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل
تا کجا شرح کرون میں کہ بقولِ عرفی — اخگر از فیض ہوا سبز شود در منقل

قصیدہ-۲

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی — نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا اگر اول ترک کیجو تب لباس اپنا — نہو جوں تیغ بے جوہر وگرنہ ننگ عریانی
فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہووے — نہیں کچھ جمع سے غنچہ کو حاصل جز پریشانی
خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کی — نہ جھاڑے آستینِ کہکشاں شاہونکی پیشانی
عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم — سدا خورشید کی جاگہ پر مساوی ہے زرافشانی
کرے ہے کلفتِ ایام ضائع قدر مردونکی — ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ گم جاتی ہی پہچانی
اکیلا ہوکے رہ دنیا میں گر چاہے بہت جینا — ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمرِ خضر طولانی

اذیت وصل مین دونی جدائی سے ہو عاشق کو | بہت رہتا ہے نالان فصل گل مین مرغ بستانی

مو قرجان ارباب ہنر کو ہے لباسی مین | کہ ہو جو تیغ یا جوہر اُسے عزت بہ عُریانی

برنگ کوہ رہ خاموش حرف ناسزا سنکر | کہ تا ابد کو صدائے عیب سے کھینچے پشیمانی

یہ روشن ہے برنگ شمع ربط باد و آتش سے | موافق گر نہ ہووے دوست ہووہ دشمن جانی

نہین غیر از ہوا کوئی ترقی بخش آتش کا | نفس جبتک ہے داغ دل سے فرصت کیونکہ ہو یافی

کرے ہے دہر زینت ظالمون پر تیرہ روزی کو | کہ زیبا ترک چشم یار سرمہ ہے صفاہانی

طلوع مہر ہو پامال حسرت آسمان اوپر | لکھونگا پھر غزل گر اس زمین مین مطلع ثانی

عجب نادان ہین جنکو عجب ہے تاج سلطانی | فلک بال ہما کو پل مین سونپے ہے مگس رانی

نہین معلوم اُن نے خاک مین کیا کیا ملا دیکھا | کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

ہماری آہ دل ترا نہ نرما دے تو یا قسمت | وگرنہ دیکھ آئینہ کو پتھر ہوگئے پانی

تری زلفون سے اپنی روسیاہی کہہ نہین سکتا | کہ ہے جمعیت خاطر مجھے اُن کی پریشانی

زمانہ مین نہین کھلتا ہے کار بستہ حیران ہون | گرہ غنچے کی کھووے ہے صبا یہ ہو نکر باسانی

جنون سے ! قد سے سر تا قدم کاہیدہ اتنا ہون | کہ اعضا دیدۂ زنجیر کی کرتے ہین مژگانی

نہ رکھا جگ مین رسم دوستی اندوہ روزی نے | مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی

سیہ بختی مین اے سودا نہین طول امل لازم | نمط خامی کی سر کٹوائیگی ایسی زبان دانی

سمجھ اے ناقباحت فہم کبتک یہ بیان ہوگا | ادائے چین پیشانی و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوبان کے | نہین ہے اُنسے ہرگز فائدہ غیر از پشیمانی

نظر رکھنے سے حاصل اُنکے چشم و زلف کے اوپر | مگر بیمار ہووے صعب یا کھینچے پریشانی

غزلیات

مقدور نہین اُسکی تجلی کے بیان کا | جون شمع سراپا ہو اگر صرف زبان کا

پردے کو تعین کے در دل سے اُٹھا دے
کھلتا ہے ابھی پل مین طلسمات جہان کا

ٹک دیکھ صنم خانۂ عشق آنکے اے شیخ
جون شمع حرم رنگ جھلکتا ہے بتان کا

اس گلشنِ ہستی مین عجب دید ہے لیکن
جب چشم کھلی گُل کی تو موسم ہے خزان کا

دکھلاییے ہیجا کے تجھے مصر کا بازار
لیکن نہین خواہان کوئی وان جنس گران کا

سودا جو کبھی گوش سے ہمت کے سنے تو
مضمون یہی ہے جرسِ دل کی فغان کا

ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہے راہ
دنیا سے گذرنا سفر ایسا ہے یہان کا

۲

کرتا ہون سیر جب سے باغ جہان بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہان بنایا

اک نام تو سنا ہے دیکھا نہین کسو نے
حق نے نشانِ عنقا تیرا وہان بنایا

جتنے ہین خوبرویان سب دلستان ہین لیکن
اللہ نے تجھی کو اک جان ستان بنایا

جنسِ دُوم کو اول بزاز کھولتا ہے
یوسف سے تو بہا مین تجکو گران بنایا

صدقے مین تیرے یارب ہم سون کو کرکے پیدا
گلے کا آپ کو تین اک پاسبان بنایا

دیر و حرم کو دیکھا اللہ رے فضولی
یہ کیا ضرور تھا جب دل کا مکان بنایا

تو مت پکار اُس کو اے باغبان کہ ہمنے
نزدیک آتشِ گل آپ آشیان بنایا

عالم کے قمری آسا ہے طوق بندگی کا
قامت کو تیرے جب سے سرو روان بنایا

اکثر نشان بنے ہین عالم مین نام خاطر
تو نے سخن کو سودا اپنا نشان بنایا

۳

اعمال سے مین اپنے بہت بے خبر چلا
آیا تھا آہ کس لئے اور کیا مین کر چلا

ہے فکر وصل صبح تو اندوہ ہجر شام
اس روز و شب کے دھندہین مین اب تو مر چلا

مجلس سے مجکو اُٹھتے جلیسو نکے سامنے
عزت کبھو نہ دی یہ کہ پوچھے کدھر چلا

کیا اس چمن مین آن کے لیجائیگا کوئی
دامن کو میرے سامنے گل جھاڑ کر چلا

۴

سیرِ چمن عمر جو کی ہمنے تو کیا ہیچ
رنگین ہے جوانی کا گل اسمین سو قبا ہیچ

شیشے کو بھی توڑو تو نکلتی ہے اک آواز
عاشق ہی کا وہ دل ہے کہ ٹوٹے تو صدا ہیچ

اسبابِ جہان دل نے کیا جب نظر انداز
پوچھا جو مین کیا دیکھے ہے دیوانے کہا ہیچ

اس جامہ پہ اتنا نہ اچھر بلبلے کی طرح
جامہ یہ تیرا پوچ ہے تو غیر ہوا ہیچ

کیا قافلۂ عمر سبک رو ہے کہ جس مین
چاہے جو سنے سامعہ آواز درا ہیچ

شاہان سے سوال اپنا رعونت شکنی ہے
کونین تلک ورنہ ہے پیشِ فقرا ہیچ

۵

دلِ نا آشنا ہے نالہ سے صد رہ جرس بہتر
نہو مژگان جو خون آغشتہ اُنسے خار و خس بہتر

نہ دیکھی خوشدلی جز یک تبسم ہمنے غنچے مین
ہوا سے اس چمن کے ہے دلا ترکِ ہوس بہتر

وفا ہے گل مین نے چشمِ مروت باغبانمین ہے
نکل بلبل کہ ہے اس باغ سے کنجِ قفس بہتر

نظر مین انکے جنکو دولت استغنائی بخشی ہے
مگس سے ہے ہما بہتر ہما سے ہے مگس بہتر

بلند آتش جہان ہووے ہولے جنبشِ لب سے
تو اپنی فہم ناقص مین ہے وان ضبطِ نفس بہتر

بگردِ دل ہے طوفِ کعبہ سے نزد اپنے اے منعم
بسانِ دانہاے سبحہ پھرتا پیش و پس بہتر

کہے ہے دیکھ کر شانے کو یہ سودای دیوانہ
شبِ تاریک مین تنہا نہین گشت ای عس بہتر

۶

جاتے ہین لوگ قافلہ کے پیش و پس چلے
دنیا عجب سرا ہے جہان آ کے بس چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے
ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوے قفس چلے

اے غنچہ آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ
جمعیتِ دلی پہ ترے پھول ہنس چلے

تیرے سخن کو مین بسر و چشم ناصحا
مانون ہزار بار اگر دل سے بس چلے

نکلا جو دل سے نالہ تو سینے سے دوڑی اشک
سُن مردمان قافلہ بانگِ جرس چلے

صیاد اب تو کیجے قفس سے ہمین رہا ظالم پھڑک پھڑک کے پروبال گھس چلے
کام اُس گلی مین سر سے یہ سودا گذر چکا کیا تاب اک قدم جو اُدھر بوالہوس چلے

خواجہ میر درد

پیدائش دہلی ۱۱۳۱ھ وفات دہلی ۱۱۹۹ھ

درد تخلص۔ خواجہ میر نام۔ زبان اردو کے چار رکنون مین سے ایک رکن ہین۔ خواجہ محمد ناصر عندلیب انکے باپ تھے اور شاہ گلشن صاحب سے نسبت ارادت رکھتے تھے خاندان انکا دلی مین بباعث پیری و مریدی کے نہایت معزز اور معظم تھا۔ علوم رسمی سے آگاہ تھے۔

انکا دیوان اردو مختصر ہے سوا غزلیات اور ترجیع بند اور رباعیون کے اور کچھ نہین۔ قصائد مثنوی وغیرہ کہ عادت شعرائی ہے انھون نے نہین لکھی۔ باوجود اسکے سودا اور میر تقی کی غزلون پر جو غزلین لکھی ہین ہرگز اُن سے کم نہین۔

تصنیف کا شوق طبیعت مین خداداد تھا علم تصوف مین بہت سے رسالے اور بڑی بڑی کتابین اُنکی یادگار ہین۔ انکی غزل ہر شعر شعر کی ہوتی ہے مگر انتخاب ہوتی ہے۔ خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحرون مین جو اکثر غزلین کہتے تھے گویا تلوارون کی آبداری نشترین بھر دیتے تھے۔ خیالات انکے سنجیدہ اور متین تھے۔ کسی کی ہجو سے سودا کی طرح انکی زبان آلودہ نہین ہوئی۔ تصوف جیسا انھون نے کہا اردو مین آجتک کسی سے نہین ہوا۔

خواجہ صاحب ۲۴ صفر یوم جمعہ ۱۱۹۹ھ ۶۸ برس کی عمر مین شہر دہلی مین فوت ہوئے۔ کسی مرید با اعتقاد نے تاریخ کہی۔ ع حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب۔

غزلیات

مقدور ہمین کب تری وصفون کے رقم کا حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اُس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے کیا تاب گذر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن — آباد تجھی سے تو ہے گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب سے — اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا
مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی — کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

۲

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بتخانہ تھا — ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحبخانہ تھا
وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا — خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں — آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ — وہ دل خالی جو تیرا خاص خلوتخانہ تھا
بھول جا خوش رہ عبث وہ سابقے مت یاد کر — درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

۳

اکسیر پر مُہوّس اتنا نہ ناز کرنا — بہتر ہے کیمیا سے دلکا گداز کرنا
کب دل ملے کسیکا ہم غمزدوں سے کھلکر — ہے اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا
اے آنسوؤ نہ آوے کچھ دلکی بات منھ پر — لڑکے ہو تم کہیں مت افشائے راز کرنا
تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہے تفرقہ میں — اے امتیاز ناداں ٹک امتیاز کرنا
ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ — جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

۴

مثلِ نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا — ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا
یارب یہ دل ہے یا کوئی مہمانسرائے ہے — غم رہ گیا کبھو کبھو آرام رہ گیا
ساقی مرے بھی دل کیطرف ٹک نگاہ کر — لب تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا
سو بار سوزِ دل نے مجھے دی آگ پر ہنوز — دل وہ کباب ہے کہ جگر خام رہ گیا
ہم کب کے چل بسے تھے پہ ای مژدۂ وصال — کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا

از بسکہ ہم نے حرف دوئی کا اُٹھا دیا — اے درد اپنے وقت مین ایہام رہ گیا

۵

جگ مین آکر اِدھر اُدھر دیکھا — تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — جس طرف تونے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری — آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا
اُن لبون نے نہ کی مسیحائی — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
زور عاشق مزاج ہے کوئی — درد کو قصہ مختصر دیکھا

۶

اگر یون ہی یہ دل ستاتا رہیگا — تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہیگا
مین جاتا ہون دلکو ترے پاس چھوڑے — مری یاد تجبکو دلاتا رہیگا
گلی سے ترے دلکو لے تو چلا ہون — مین پہونچونگا جبتک یہ آتا رہیگا
جفا سے غرض امتحانِ وفا ہے — تو کہہ کب تلک آزماتا رہیگا
قفس مین کوئی تمسے اے ہمصفیرو — خبر گل کی ہم کو سناتا رہیگا
خفا ہوکے اے درد مر تو چلا تو — کہان تک غم اپنا چھپاتا رہیگا

۷

دنیا مین کون کون نہ یکبار ہو گیا — پر منھ پھر اس طرف نہ کیا اُسنے جو گیا
پھرتی ہے میری خاک صبا دربدر لئے — اے چشم اشکبار یہ کیا تجکو ہو گیا
آگاہ اس جہان سے نہین غیر بیخودان — جاگا وہ ہی اُدھر سے جو موند آنکھ سو گیا
طوفان نوح نے تو ڈوبائی زمین فقط — مین ننگ خلق ساری خدائی ڈبو گیا
واعظ کسے ڈرائے ہے یوم الحساب سے — گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا
پھولیگی اس زبان سے گلزار معرفت — یان مین زمین شعر مین یہ تخم بو گیا

آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاج دھر | مین گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا
اے درد جسکی آنکھ کھلی اس جہانمین | شبنم کی طرح جان کو اپنے وہ رو گیا

۸

تجھی کو جو یان جلوہ فرما نہ دیکھا | برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ | کہ جسکو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا
یگانہ ہے تو آہ بیگانگی مین | کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
اذیت مصیبت ملامت بلائین | ترے عشق مین ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجکو داغون سے سرو چراغان | کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے | ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہی ہم | کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا
شب و روز اے درد درپے ہون اُسکے | کسو نے جسے یان نہ سمجھا نہ دیکھا

۹

جون نور نظر ترا تصور | تھا پیش نظر جدھر گئے ہم
جز اہل صفا بتا تو جون عکس | اے آئینہ کس کے گھر گئے ہم
کسنے یہ ہمین بھلا دیا ہے | معلوم نہین کدھر گئے ہم
تھا عالم جبر کیا بتاوین | کس طور سے زیست کر گئے ہم
جس طرح ہوا اُسی طرح سے | پیمانۂ عمر بھر گئے ہم
افسوس کہ درد اُسکو جب تک | ہووے ہے خبر گذر گئے ہم

۱۰

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم | تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
جون آئینہ جس پہ یان نظر کی | ساتھ اپنے دوچار ہو گئے ہم

ماتم کدۂ جہان مین چون ابر ۔۔۔ اپنے تئین آپ رو گئے ہم

ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا ۔۔۔ پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یارون ہی سے درد ہے یہ چرچا ۔۔۔ پھر کوئی نہین ہے جو گئے ہم

۱۱

چمن مین صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم ۔۔۔ بہارِ باغ تو یون ہی رہی لیکن کدھر شبنم

عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی ۔۔۔ تعجب کی ہے جاگہ یہ پڑی خورشید پر شبنم

ہمین تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا ۔۔۔ اِدھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی اُدھر شبنم

کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف باطن کی ۔۔۔ ہوئی آتش سے گل کے بیٹھنے رشکِ شرر شبنم

بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیوینگے ۔۔۔ کسی عاشق کے رونے سے نہین رکھتی خبر شبنم

نہین اسباب کچھ لازم سبکسارونکے اُٹھنے کو ۔۔۔ گئی اُڑ دیکھتے اپنے بغیراز بال و پر شبنم

نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اُسکا ۔۔۔ نہ پلٹی پھر صبا ایدھر نہ آئی پھر نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہمنے بھید یان کی شادی و غم کا ۔۔۔ سحر خندان ہے کیون روتی ہی کسکو یاد کر شبنم

۱۲

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہین ۔۔۔ یہی بساط مین ہم خاکسار رکھتے ہین

بسانِ کاغذِ آتش زدہ ہے گلرو ۔۔۔ ترے جلے بھنے اور ہی بہار رکھتے ہین

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ ۔۔۔ سب اہل قبر اسیکا خمار رکھتے ہین

جہان کے باغ سے ہم دل سوا نہ پھل پایا ۔۔۔ فقط یہی ثمر داغدار رکھتے ہین

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کرین تجھپر ۔۔۔ مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہین

فلک سمجھ تو سہی ہمسے اور گلوگیری ۔۔۔ یہ ایک جیب ہے سو تار تار رکھتے ہین

نہ برق ہین نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیلاب ۔۔۔ وہ کچھ ہین پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہین

جنھونکے دلمین جگہ کی ہے نقش عبرت نے ۔۔۔ سدا نظر مین وہ لوحِ مزار رکھتے ہین

وہ زندگی کی طرح ایکدم نہین رہتا　　اگرچہ درد اُسے ہم ہزار رکھتے ہین

۱۳

مژگان تر ہون یا رگ تاک بریدہ ہون　　جو کچھ کہ ہون سو ہون غرض آفت رسیدہ ہون
کھینچے ہے درد آپ کو میری فنرو تنی　　اُفتادہ ہون پہ سایۂ قد کشیدہ ہون
ہر شام مثل شام ہون مین تیرہ روزگار　　ہر صبح مثل صبح گریبان دریدہ ہون
کرتی ہے بوے گل تو مرے ساتھ اختلاط　　پر آہ مین تو موج نسیم وزیدہ ہون
یہ چاہتی ہے تو تپشِ دل کہ بعد مرگ　　کنج مزار مین بھی نہ مین آرمیدہ ہون
اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے　　مین غمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہون

۱۴

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کرین　　دل ہی نہین رہا ہے جو کچھ آرزو کرین
مٹ جائین ایک آن مین کثرت نمائیان　　ہم آئینہ کے سامنے جب آ کے ہو کرین
تر دامنی پہ شیخ ہمارے نہ جا ابھی　　دامن نچوڑ دون تو فرشتے وضو کرین
سرتاقدم زبان ہین جون شمع گو کہ ہم　　پر یہ کہان مجال جو کچھ گفتگو کرین
ہرچند آئینہ ہون پر اتنا ہون ناقبول　　منہ پھیر لے وہ جسکے مجھے روبرو کرین
نہ گل کو ہے ثبات نہ ہمکو ہے اعتبار　　کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کرین
ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر　　اے درد آ کے بیعتِ دستِ سبو کرین

۱۵

کیا فرق داغ و گل مین کہ جس گل مین بو نہو　　کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل مین تو نہو
جو کچھ کہ ہمنے کی ہے تمنا ملی مگر　　یہ آرزو رہی ہے کہ کچھ آرزو نہو
جون شمع جمع ہووین گر اہلِ زبان ہزار　　آپس مین چاہیے کہ کبھی گفتگو نہو
جون صبح چاک سینہ مرا اے رفوگران　　یان تو کسو کے ہاتھ بھی ہرگز رفو نہو

اے درد زنگ صورت اگر اسمین جا کرے — اہل صفا ہین آئینۂ دل کو رو نہو

۱۶

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے — لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونون جہان کے — خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہین ہے فقط تو ہی آئینہ — یان تک بھی جسکی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے

اس ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمین — اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

گلگیر منھ پسار نہ تو شمع کی طرف — اُسکی زبان ہی اُسے کام نہنگ ہے

عالم سے اختیار کی ہر چند صلح کل — پر اپنے ساتھ مجکو شب و روز جنگ ہے

مین کیا کہون تجھے نظر آیا نہین ہی کیا — اس گلشنِ جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

غنچۂ شگفتہ ہووے ہی ہووے کہ اُسمین درد — دیکھا چمن مین جا کے تو کچھ اور رنگ ہے

۱۷

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے — مشکل ہے جی مین بیٹھے سوچ سے نکل سکے

نشو و نما کی کسکو امید اے بہاریان — مین خشک شاخ ہون کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

تحریک ہے یہ اُس یدِ قدرت کی ورنہ کب — بے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے

مثلِ حباب جبکہ نظر سے گیا گیا — مین وہ غریق ہون کہ ڈوبا اُچھل سکے

گرنے نہ دیوین خلق کی نظرون سے دلکو ہم — کوئی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے

روشن ضمیر جتنے ہین عالم مین جون نجوم — چرخ آسیا سے اپنے یہ دانے نہ دل سکے

کرتے عبث ہو شیشہ گران سنگ کو گداز — پگھلائیے جو تمسے کوئی دل پگھل سکے

کہہ اور بھی غزل کوئی پر اس ردیف مین — اے درد قافیہ کو اگر تو بدل سکے

۱۸

ارض و سما کہان تری وسعت کو پا سکے — میرا ہی دل ہے وہ کہ جہان تو سما سکے

۱۵

وحدت مین تیرے حرف دوئی کا نہ آسکے — آئینہ کیا مجال تجھے منھ دکھا سکے

مین وہ فتادہ ہون کہ بغیر از فنا مجھے — نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

قاصد نہین یہ کام ترا ۔ اپنی راہ لے — اُسکا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار — اپنے تئین بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک فہم یان — دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کرکے بات بٹھائی پہ کیا حصول — دل سے اُٹھا غلاف اگر تو اُٹھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بیخود ہے جسکو حشر — اے درد چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

۱۶

تہمتِ چند اپنے ذمے دھر چلے — جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھون مر چلے

کیا ہمین کام ان گلون سے ای صبا — ایک دم آئے ادھر او دھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یان کا بس — تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم مین — چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈتے ہین آپسے اُسکو پرے — شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم جہان مین آئے تھے تنہا و لے — ساتھ اپنے اب اُسے لیکر چلے

جون شرر اے ہستی بے بود یان — بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یان لگ رہا ہے چل چلاؤ — جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب — کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

رباعیات

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان مین دیکھا — جو کچھ کہ سُنا تجھ مین سوا انسان مین دیکھا

جون غنچہ بجز اک دل صد چاک نہ پایا — منھ ڈال کے جب مین نے گریبان مین دیکھا

۲

دل نالان کو یاد کر کے صبا — اتنا کہنا جہان وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ — اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

۳

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ — بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ
آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہ یار — جون آئینہ ہر ایک گذر مین صفا کو دیکھ

۴

یہی پیغام درد کا کہنا — گر کوئی کوے یار مین گذرے
کون سی رات آن ملئے گا — دن بہت انتظار مین گذرے

۵

ہمارے جامۂ تن مین نہین کچھ اور بس باقی — گریبان مین ہے مثل صبح اک تار نفس باقی
یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اسقدر بھڑکا — نہ چھوڑا سر زمین دل مین کوئی خار و خس باقی

۶

گر معرفت کا چشم بصیرت مین نور ہے — تو جس طرف کو دیکھئے اسکا ظہور ہے
آتی ہے دل مین اور ہی صورت نظر مجھے — شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے

۷

پیدا کرے ہر چند تقدس بندہ — مشکل ہے کہ ہو حرص سے دل پر کندا
جنت مین بھی اکل و شرب سے کب ہی نجات — دوزخ کا بہشت مین بھی ہوگا دھندا

۸

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی — اے درد کہان ہے زندگانی اپنی

کل اور کوئی بیان کریگا او سکو کہتے ہین اب آپ ہم کہانی اپنی

۹

ہر بت سکے لیئے کب تئین مرتا رہیئے کب تک یہ کفر دل مین بھرتے رہیئے

اب درد جو کچھ کہ زندگی باقی ہے اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیئے

میر محمد تقی میر

پیدایش اکبر آباد ۱۱۲۵ھ وفات لکھنؤ ۱۲۲۵ھ

میر تخلص. محمد تقی نام. خلف میر عبداللہ شرفاے اکبر آباد سے تھے. باپ کے مرنے کے بعد دلی مین آئے اور سراج الدین علی خان آرزو (جو انکے رشتہ دار تھے) کے پاس انھون نے اور انکی شاعری نے پرورش پائی. فن شاعری مین وہ کمال پیدا کیا کہ ہرچند انکا تخلص میر تھا مگر گنجیفہ سخن کی بازی مین آفتاب ہو کر چمکے قدردانی نے انکے کلام کو جواہر اور موتیون کے نگاہون دیکھا. اور نام کو پھولون کی مہک بنا کر اڑایا. ہندوستان مین یہ بات انھین کو نصیب ہوئی ہے کہ مسافر غزلون کو تحفہ کے طور پر شہر سے شہر مین لیجاتے تھے.

دلی کی سلطنت کے زوال کی وجہ سے تنگدستی سے پریشان ہو کر ۱۱۹۰ھ مین لکھنؤ آئے. ایک سراے مین اترے معلوم ہوا کہ آج یہان ایک جگہ مشاعرہ ہے. اسی وقت غزل لکھی اور مشاعرہ مین جا کر شامل ہوئے. انکی قدیمانہ وضع کو دیکھکر سب ہنسنے لگے میر صاحب بیچارے غریب الوطن زمانے کے ہاتھ سے پہلے ہی شکستہ دل تھے اور بھی دلتنگ ہوے. اور ایک طرف بیٹھ گئے. شمع انکے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی. اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہان ہے. میر صاحب نے فوراً ہی یہ قطعہ کہکر غزل طرحی مین داخل کیا.

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلی جو ایک شہر تھا عالم مین انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہان روزگار کے

اُس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ہم رہنے والے ہین اُسی اجڑے دیار کے

سب کو حال معلوم ہوا. بہت معذرت کی. کمال کے طالب تھے صبح ہوتے ہوتے شہر مین شہرا ہو گیا کہ میر صاحب تشریف لائے. رفتہ رفتہ نواب آصف الدولہ مرحوم نے سُنا اور

دو سو روپیہ مہینہ کردیا۔ لیکن بد دماغی اور نازک مزاجی نے جو انکے ذاتی مصاحب تھے یہاں بھی انکا ساتھ نہ چھوڑا۔ ایک دن نواب صاحب سے کسی بات پر بگڑ گئی دربار کا آنا جانا چھوڑ دیا۔ اور بدستور اپنے گھر میں بیٹھے رہے۔ اور فقر و فاقہ میں گذارہ کرتے رہے۔ آخر ۱۲۲۵ھ میں فوت ہوئے۔ سو برس کی عمر پائی۔ ناسخ نے تاریخ کہی ع۔

واویلا مرد شہ شاعران

کلام کے خصوصیات - میر صاحب کی زبان شستہ کلام صاف بیان ایسا پاکیزہ جیسے باتیں کرتے ہیں۔ دل کے خیالات کو جو سب کی طبیعتوں کے مطابق ہیں محاورے کا رنگ دیکر باتوں باتوں میں ادا کر دیتے ہیں۔ اور زبان میں خدا نے ایسی تاثیر دیدی ہے کہ وہی باتیں ایک مضمون بن جاتی ہیں۔ اسی واسطے انھیں بہ نسبت اور شعرا کے اصلیت کچھ زیادہ قائم رہتی ہے بلکہ اکثر جگہہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گویا نیچرکی تصویر کھینچ رہے ہیں یہی سبب ہے کہ دلوں پر اثر بھی زیادہ کرتی ہیں۔ وہ گویا اردو کے سعدی ہیں۔

ایشیا کے تمام شعرا حسرت مایوسی ناکامی کا دکھڑا روتے ہیں مگر انکے تمام مضامین خیالی ہیں اور میر صاحب کے حالی اس لئے کہ میر صاحب کی ساری عمر مصیبت اور غم میں گذری اور انکی طبیعت قدرتی درد خیز اور دل حسرت انگیز تھا کہ غزل کی جان ہے انکا کلام صاف کہہ دیتا ہے کہ جس دل سے نکل کر آیا ہوں وہ غم و درد کا پتلا نہیں۔ حسرت و اندوہ کا جنازہ تھا۔ ہمیشہ وہی خیالات بسے رہتے تھے۔ بس جو دل پر گذرتے تھے وہی زبان سے کہدیتے تھے کہ سننے والوں کے لئے نشتر کا کام کر جاتے تھے۔

انکی غزلیں ہر بحر میں ہیں۔ کہیں شربت اور کہیں شیر و شکر ہیں۔ مگر چھوٹی چھوٹی بحر میں فقط آبحیات بہاتے ہیں۔ جو لفظ منھ سے نکلتا ہے تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا ہے۔ انکی غزل اصول غزلیت کے لحاظ میں سودا سے بہتر ہے۔ انکا صاف اور سلجھا ہوا کلام اپنی سادگی میں ایک انداز دکھاتا ہے۔ اور فکر کو بجائے کاہش کے لذت بخشتا ہے۔ اسی واسطے خواص میں معزز اور عوام میں ہر دلعزیز رہے۔

چونکہ مطالب کی دقت۔ مضامین کی بلند پروازی۔ الفاظ کی شان و شکوہ بندش کی چستی۔ لازمہ قصائد کا ہے۔ وہ طبیعت کی شگفتگی اور جوش و خروش کا ثمر ہوتا ہے اسی واسطے میر صاحب کے قصیدے کم ہیں۔ اور اسی قدر درجہ میں بھی کم ہیں۔ انھوں نے

طالب سخن پرورش کر دیا ہے کہ قصیدہ اور غزل کے دو میدانوں میں دن اور رات کا فرق ہے۔ اور اسی منزل میں آ کر سودا اور میر کے کلام کا حال کھلتا ہے۔ نقادان سخن کی یہ راست بات ہے کہ جو مرتبہ مرزا کا قصیدہ میں ہے وہی مرتبہ میر کا غزل میں ہے۔

غزلیات

تھا مستعار حسن سے اُسکے جو نور تھا ۔ خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا

ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا ۔ پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا

پہونچا جو آپ کو تو میں پہونچا خدا کے تئیں ۔ معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم ۔ یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا

مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر ۔ کیا شمع کیا پتنگ ہر اک بے حضور تھا

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا ۔ یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر ۔ میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہمیں میں میر ۔ سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

۲

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاجوری کا ۔ کل اُسپہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت ۔ اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

زندان میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی ۔ اب سنگ مداوا ہے اُس آشفتہ سری کا

ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا ۔ انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا

[illegible] ال ہی گزرے ۔ مقدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا

اس رنگ سے جھمکے ہے پلک پر کہ کہے تو ۔ ٹکڑا ہے ترا اشک عقیق جگری کا

کل سیر کیا ہمنے سمندر کو بھی جا کر ۔ تھا دست نگر پنجۂ مژگان کی تری کا

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام ۔ آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ٹک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا

۳

بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا
جیتے رہے تھے کیون ہم جو یہ عذاب دیکھا

پودا ستم کا جس نے اس باغ مین لگایا
اپنے کیے کا اُن نے ثمرہ شتاب دیکھا

آباد جس مین تمکو دیکھا تھا ایک مدت
اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا

لیتے ہی نام اسکا سوتے سے چونک اُٹھے ہو
ہے خیر میر صاحب کچھ تمنے خواب دیکھا

۴

جب جنون سے ہمین توسل تھا
اپنی زنجیر پائی کا غل تھا

بستر اِتھا چمن مین جون بلبل
نالہ سرمایۂ توکل تھا

اک نگہ کو وفا نہ کی گویا
موسم گل سفیر بلبل تھا

اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار
یاد ایام جب تحمل تھا

خوب دریافت جو کیا ہمنے
وقت خوش میر نکہتِ گل تھا

۵

دل و دماغ ہے اب کسکو زندگانی کا
جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا

اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب رہے خاموش
سخن رہیگا سدا میری کم زبانی کا

ہزار جان سے قربان بے پری کے ہین
خیال بھی کبھو گذرا نہ پر فشانی کا

نمود کرکے وہین بحر غم مین بیٹھ گیا
کہے تو میر بھی اک بلبلا تھا پانی کا

۶

گل و بلبل بہار مین دیکھا
ایک تجکو ہزار مین دیکھا

جل گیا دل سفید ہین آنکھین
یہ تو کچھ انتظار مین دیکھا

آبلے کا بھی ہونا دامن گیر
تیرے کوچے کے خار مین دیکھا

تیرہ عالم ہوا یہ روز سیاہ — اپنے دل کے غبار میں دیکھا
جن بلاؤں کو میر سنتے تھے — اُن کو اُس روزگار میں دیکھا

۷

غلط تھا آپ سے غافل گذرنا — نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا
چمن کی وضع نے ہمکو کیا داغ — کہ ہر غنچہ دل پُر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا — جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا
کروگے یاد باتیں تو کہوگے — کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا
جہان پُر ہے فسانے سے ہمارے — دماغ عشق ہمکو بھی کبھو تھا
مگر دیوانہ تھا گل بھی کسو کا — کہ پیراہن بھی سو جاگہ رفو تھا
نہ دیکھا میر آوارہ کو لیکن — غبار اک ناتوان سا کو بکو تھا

۸

ابتداے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح کے اک شور ہے — یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمین — تخمِ خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا
یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں — داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہی کیا
غیرتِ یوسف ہی یہ وقتِ عزیز — میر اسکو رائگان کھوتا ہے کیا

۹

بارہا گور دل جھُکا لایا — اب کی شرطِ وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل — سارے عالم میں میں دکھا لایا
دل کہ یک قطرہ خون نہیں ہے بیش — ایک عالم کے سر بلا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی — اُسکو یہ ناتوان اُٹھا لایا

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر — اور بھی خاک میں ملا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار — عشق کی کون انتہا لایا
اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میر — پھر ملینگے اگر خدا لایا

۱۰

غم رہا جب تک کہ دم مین دم رہا — دل کے جانے کا نہایت غم رہا
حسن تھا تیرا بہت عالم فریب — خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا
دل نہ پہونچا گوشۂ داماں تلک — قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا
سنتے ہیں لیلی کے خیمے کو سیاہ — اسمین مجنوں کا مگر ماتم رہا
جامۂ احرام زاہد پر نہ جا — تھا حرم مین لیک نا محرم رہا
میرے رونے کی حقیقت جسمین تھی — ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
صبح پیری شام ہونے آئی میر — تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

۱۱

غلط ہے عشق میں اے بوالہوس اندیشہ راحت کا — رواج اس ملک میں ہے درد و داغ و رنج و کلفت کا
زمیں اک صفحۂ تصویر بیہوشاں سے مانا ہے — یہ مجلس جب سے ہے اچھا نہیں کچھ رنگ صحبت کا
جہاں جلوے سے اس محبوب کے یکسر لبالب ہے — نظر پیدا کر اول پھر تماشا دیکھ قدرت کا
ہنوز آوارۂ لیلی رہی جان رفتہ مجنوں کی — موئے پر بھی رہا ہوتا نہیں وابستہ الفت کا
خرابی دل کی اس حد ہے کہ یہ سمجھا نہیں جاتا — کہ آبادی بھی یاں تھی یا کہ ویرانہ تھا مدت کا
قدم ٹک دیکھکر رکھ میر سر دل سے نکالیگا — پلک سے شوخ تر کانٹا ہے صحرائے محبت کا

۱۲

جو اس شور سے میر روتا رہیگا — تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہیگا
میں وہ رونیوالا جہاں سے چلا ہوں — جسے ابر ہر سال روتا رہیگا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح — تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہیگا

بس اے گریہ آنکھیں تری کیا نہیں ہیں — کہاں تک جہان کو ڈبوتا رہیگا

مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے — جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا

بس اے میر مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو — تو کب تک یہ موتی پروتا رہیگا

۱۳

اللہ رے غرور ناز تیرا — مطلق نہیں ہم سے ساز تیرا

ہم سے کہ تجھی کو جانتے ہیں — پاتا نہیں احتراز تیرا

کچھ عشق و ہوس میں فرق بھی کر — کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا

کہتے نہ تھے میر مت کڑھا کر — دل ہو نہ گیا گداز تیرا

۱۴

ہستی اپنی حباب کی سی ہے — یہ نمایش سراب کی سی ہے

چشم دل کھول اس ہی عالم پر — یاں کی اوقات خواب کی سی ہے

بار بار اسکے در پہ جاتا ہوں — حالت اب اضطراب کی سی ہے

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز — اسی خانہ خراب کی سی ہے

آتش غم میں دل بھنا شاید — دیر سے بو کباب کی سی ہے

دیکھئے ابر کی طرح اب کی — میری چشم پر آب کی سی ہے

میر ان نیم باز آنکھوں میں — ساری مستی شراب کی سی ہے

۱۵

فقیرانہ آئے صدا کر چلے — کہ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم — سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی — کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

وہ کیا چیز ہے آہ جسکے لئے | ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ | سو تم ہم سے مُنہ بھی چھپا کر چلے
بہت آرزو تھی گلی کی تری | سو یان سے لہو مین نہا کر چلے
دکھائی دئے یون کہ بیخود کیا | ہمین آپ سے بھی جدا کر چلے
جبین سجدہ کرتے ہی کرتے گئی | حقِ بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یان تک کہ اے بت تجھے | نظر مین سبھون کے خدا کر چلے
جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یون | چمن مین جہان کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستان شکر ہے | ہمین داغ اپنا دکھا کر چلے
گئی عمر در فکر بندِ غزل | سو اس فن کو ایسا بڑھا کر چلے
کہین کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میر | جہان مین تم آئے تھے کیا کر چلے

شیخ امام بخش ناسخ

پیدایش فیض آباد — وفات لکھنؤ ۱۲۵۴ھ

شیخ صاحب کی شاعری کا وطن لکھنؤ ہے مگر کمال سے لاہور کو فخر کرنا چاہیئے جو کہ انکے والد کا وطن تھا۔ خاندان کے باب مین فقط اسقدر کہہ سکتے ہین کہ یہ خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے تھے۔ اور بعض اشخاص یہ کہتے ہین کہ اُس دولتمند لاولد نے متبنیٰ کیا تھا۔ اصلی والد عالم غربت مین مغرب سے مشرق کو گئے۔ فیض آباد مین انکی قسمت سے یہ ستارہ چمکا کہ فلک نظم کا آفتاب ہوا۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال | کہ آگ لینے کو جائین پیمبری ہو جائے

غریب باپ سے صاحب نصیب بیٹے کے سوا وہان بھی نصیبہ نے رفاقت نہ کی۔ مگر اُس دولتمند سوداگر نے کہ لاولد تھا بلند اقبال لڑکے کو فرزندی مین لیکر ایسا تعلیم وتربیت کیا کہ بڑے ہو کر شیخ امام بخش ناسخ ہو گئے۔ اور اس مجازی باپ کی بدولت

دنیا کے ضروریات سے بے نیاز رہے۔ لکھنؤ کے دارالخلافت ہوجانے سے وہاں آئے اور وہین عمر بسر کی۔ ٹکسال ایک محلہ مشہور ہے اسمین بیٹھکر شعر کے چاندی سونے پر سکہ لگاتے تھے۔ اور کھوٹے کھرے مضمون کو پرکھتے تھے۔

فارسی کتابین حافظ وارث علی لکھنوی سے پڑھی تھین۔ اور علماے فرنگی محل سے بھی تحصیلی کتابین حاصل کی تھین۔ اگرچہ عربی استعداد فاضلانہ نہ تھی مگر رواج علم اور صحبت کی برکت سے فنِ شاعری کی ضروریات سے پوری واقفیت تھی۔ اور نظم سخن مین انکی نہایت پابندی کرتے تھے۔

شاعری مین کسی کے شاگرد نہ تھے۔ مگر ابتدا سے شعر کا عشق تھا۔ شوق ہمیشہ مشاعرہ مین لیجاکر دل مین امنگ اور طبیعت مین جوش بڑھاتا تھا۔ اور آسودہ حالی اکثر شعرا۔ اہل فہم اور اہل کمال کو اِن کے گھر کھینچ لائی۔ انکی صحبتون مین طبیعت خود بخود اصلاح پاگئی۔ رفتہ رفتہ خود اصلاحین دینے لگے۔

کسی کی نوکری نہین کی۔ سرمایہ خداداد اور جوہر شناسون کی قدردانی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ پہلی دفعہ الہ آباد مین آئے ہوے تھے۔ راجہ چندو لال نے ۱۲ ہزار روپئے بھیجکر بلا بھیجا۔ انھون نے لکھا کہ مین نے سید کا دامن پکڑا ہے اسے چھوڑکر نہین آسکتا۔ یہان سے جاؤنگا تو لکھنؤ ہی جاؤنگا۔ راجہ موصوف نے پھر خط لکھا بلکہ ۱۵ ہزار روپئے بھیجکر بڑے اصرار سے کہا کہ یہان تشریف لائینگا تو ملک الشعرا کا خطاب دلواؤنگا۔ حاضری دربار کی قید نہ ہوگی۔ ملاقات آپکی خوشی پر رہیگی۔ انھون نے منظور نہ کیا۔

۱۲۵۴ھ ہجری مین انتقال فرمایا۔ میر علی اوسط رشک نے تاریخ لکھی۔ ع
ولاشعرگوئی اُٹھی لکھنؤ سے

عمر مین اختلاف ہے بعض کہتے ہین ۷۴۔ ۷۵ برس کی عمر تھی۔ مولٰنا ذوقی لکھتے ہین کہ تقریبًا سو برس کی عمر ہوگی۔

۲۔ دیوان ہین مگر دو مشہور ہین۔ ان مین غزلون۔ رباعیون۔ تاریخون کے سوا اور قسم کی نظم نہین۔ قصائد کا شوق نہ تھا۔ ہجو کے کانٹون سے انکا باغ پاک ہے۔ عمومًا کلام انکا شاعری کے ظاہری عیبون اور لفظی سقمون سے بہت پاک ہے۔ اور

اس امر مین انھین اتنی کوشش ہے کہ اگرچہ ترکیب کی چستی یا کلام کی گرمی مین فرق آجاے مگر اصول ہاتھ سے نہین جانے دیتے۔ غزلون مین شوکت الفاظ۔ بلند پروازی۔ نازک خیالی بہت ہے اور نمک ظرافت کا چٹخارا اور تاثیر کم۔ شوکت الفاظ کہتی ہے کہ اگر وہ قصیدہ کہتے تو خوب کہتے۔

اس عہد تک شعراے لکھنؤ ان استادون کے شاگرد تھے جنکا دریاے کمال دلی کے سرچشمہ سے نکلا تھا۔ اور فصحاے لکھنؤ بھی ہر محاورے کے لئے دلی ہی کو فخر سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ اکثر انھین بزرگون کے فرزند تھے جنھین زمانہ کی گردش نے اُڑا کر وہان پھینکدیا تھا۔ شیخ صاحب اور خواجہ حیدر علی آتش کے کمال نے لکھنؤ کو دلی کی قید پابندی سے آزاد کرکے استقلال کی سند دی اور وہی مستند ہوئی۔

انکے چند مشہور شاگرد ہین۔ خواجہ وزیر۔ برق۔ رشک۔ بحر۔ منیر شکوہ آبادی۔ نادر۔ یہ سب صاحب دیوان اور بجاے خود استاد ہین۔

غزلیات

دشمنی سر ہے تری گردن کشی مانند شمع
افسر زر شوق سے رکھ پر نہ اتنا سر اُٹھا

زندگی مین صرف کرتا ہو سکدوشی حصول
مثل قارون خاک مین جا کر نہ بار زر اٹھا

چاہیے تعمیر دل جو ساتھ اُٹھا لیجائیگا
یون خرابی کے لئے دیوار اٹھا یا در اُٹھا

بات جن نازک مزاجون سے نہ اُٹھتی تھی کبھی
بوجھ اُنسے سیکڑون من خاک کا کیونکر اُٹھا

کیا سخن سنجی سے حاصل جب سخندان ہی نہین
زانوِ فکرت سے اے ناسخ تو اپنا سر اُٹھا

۲

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب ایسا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا

باعث چاک کتان ہوتا ہے جلوہ ماہ کا
وان چھپا وہ ماہ یان دل پارہ پارہ ہو گیا

ایک درہم اور داخل گنج قارون مین ہوا — پست ایسا تیرے طالع کا ستارہ ہو گیا
بے ثباتی جو ہوئی عالم کی ثابت ای فلک — آفتاب اپنی نظر مین اک شرارہ ہو گیا

۳

میکشو جس وقت ساقی کا کرم ہو جائیگا — پھر مرا جام گدائی جام جم ہو جائیگا
پھیر دیگا دن ہمارے جب مقلب دہر کا — داغ افلاس اپنے سینے مین درم ہو جائیگا
سینہ کے کھلنے کی علامت ہے شفق کا پھولنا — لال چہرہ وہ ہوا رونا بھی کم ہو جائیگا
شکر و شکوہ ہے سو وہ جا دیگا ای ناسخ یہی — دوست و دشمن کا وجود اک دن عدم ہو جائیگا

۴

انسان کو انسان سے کینہ نہین اچھا — جس سینہ مین کینہ ہو وہ سینہ نہین اچھا
آواز یہ آتی ہے لب آب بقا سے — مرنا ہی یہان خوب ہے جینا نہین اچھا
پھونچا ہے کوئی اوج حقیقت کو کب اس سے — واعظ ترے منبر کا یہ زینہ نہین اچھا
ہو سیر جو منظور دلا بحر جہان کی — جز کشتی درویش سفینہ نہین اچھا
بے ہند بھلا کیا ترے رہنے کو کہ ناسخ — مکہ نہین اچھا کہ مدینہ نہین اچھا

۵

ہو وطن مین خاک میرے گوہر مضمون کی قدر — لعل قیمت کو پہونچا ہے بدخشان چھوڑ کر
ہوتی ہے غربت مین ثروت پر بڑی ایذا کے بعد — رنج اٹھائے کسقدر یوسف نے کنعان چھوڑ کر
اعتماد اصلا نہین گرچہ ہے جہان زیر نگین — اٹھ گیا دنیا سے خاتم کو سلیمان چھوڑ کر
آج تو پوشاک پر مرتا ہے تو کل دیکھیو — جائیگا نباش تیری لاش عریان چھوڑ کر

۶

مین وہ شوریدہ سر دیوانہ تھا جو بعد مردن بھی — چڑھا جاتے ہین پتھر لوگ آ کر میری مدفن پر
ہمارے نالہاے پر اثر کی طرز اڑاتی ہے — گریبان چاک ہو گل کا نہ کیون بلبل کے شیون پر

جہان مین تیرہ دل جو ہین وہی بیرنج رہتے ہین
کہ نازل ہوتی ہے آفت ہوا کی شمع روشن پر

ہمارے زخم کے نظارے کی کب تاب ہے اُسکو
تو اے جراح پہلے باندھ پٹی چشم سوزن پر

کسی کا درد ہوتا ہے کسی کو کب زمانے مین
کہ جام و گل ہین خندان شیشہ و بلبل کی شیون پر

اگر ہوتا ہے اک دانہ بھی دس مین میری قسمت کا
فلک بجلی گرا دیتا ہے ناسخ میرے خرمن پر

۷

خاکسارون سے ہے ہر جا سرکشون کی سرکشی
وہ زمین ہے کون جسپر آسمان ہوتا نہین

جو سعادتمند ہین رہتے ہین وہ بے خانمان
دہر مین پیدا ہما کا آشیان ہوتا نہین

جتنے ہین صاحب سخن انکی طبیعت نرم ہے
ہے دلیل اسپر زبان مین استخوان ہوتا نہین

دم ہے جبتک جسم عاشق مین ہے خامی کی دلیل
خوب جل جاتی ہے جو شے پھر دھوان ہوتا نہین

عشق کا ہو درد اے ناسخ نہ کیونکر لا دوا
زخم ہائے تیر مژگان کا نشان ہوتا نہین

۸

سواے مکر زمانے مین رسم و راہ نہین
وہ کون جا ہے جہان چاہ زیر کاہ نہین

مین گو کہ حسن سے ظاہر مین مثل ماہ نہین
ہزار شکر کہ باطن مرا سیاہ نہین

ہوئی ہے مجکو جرس سے یہ بات اب ثابت
شکستہ دل جو ہوا اُسکے لب پہ آہ نہین

جگر کے داغ ہین بے لطف گر نہ ہو ناسور
جہان مین کون ہے وہ باغ جسمین چاہ نہین

ہمیشہ کام مین غیرون کے ہین سعادتمند
ہما کو اپنے لئے فکر عز و جاہ نہین

ہجوم فوج عدو سے جائین اے ناسخ
سواے قلعۂ مرقد کہین پناہ نہین

۹

مرد وارستہ کہین قید مکان کرتا نہین
طائر نکہت خیال آشیان کرتا نہین

روز اک شام و سحر کرتا ہے پیدا بہر خلق
صبح میری شام غم کو آسمان کرتا نہین

ہے ہر اک آفت سے ایمن مسکن اہل فنا
باغ جنت کو خدا ہرگز خزان کرتا نہین

رحم کر عشاق پر گر چاہیے عمرِ دراز — پیرِ گردون طفلِ ظالم کو جوان کرتا نہین
عیب اپنے آپ کر دیتے ہین ہم بدست فاش — شیشۂ مے جسطرح مے کو نہان کرتا نہین
جامِ مے مین دیکھتا ہون مین جہانکو مثلِ جم — گو سکندر کی طرح سیرِ جہان کرتا نہین

١٠

دل مین پوشیدہ تپِ عشقِ بتان رکھتے ہین — آگ ہم سنگ کے مانند نہان رکھتے ہین
سنے سواری تری دیکھین تو ہون گردِ دنبال — ہاتھ مین صبر کی جو لوگ عنان رکھتے ہین
بزمِ جانان مین کبھی بات نہ نکلی منہ سے — کہنے کو شمع کے مانند زبان رکھتے ہین
مثلِ پروانہ نہین کچھ زر و مال اپنے پاس — ہم فقط تجھ پہ فدا کرنے کو جان رکھتے ہین
طائرِ روح کو کر دیتے ہین کیونکر بسمل — تیر رکھتے ہین پری رو نہ کمان رکھتے ہین
تازگی ہے سخنِ کہنہ مین یہ بعد وفات — لوگ اکثر مرے جینے کا گمان رکھتے ہین
عوضِ ملکِ جہان ملکِ سخن ہے ناسخ — گو نہین حکم روان طبع روان رکھتے ہین

١١

خوش قدون کی خاک یہ اُٹھتی ہے ہر دم سرو قد — گردبادا سے غفلت اس بیابان مین نہین
آج نقاشی کے چھت لگوا نہین مانع کوئی — کل بجز خفاش لیکن سقفِ ایوان مین نہین
دیکھنا کل آپ سے کوئی نہ رکھیگا قدم — آج جائیگی اجازت جس گلستان مین نہین
دوست دشمن سب کے سب ہین رفتنی مثلِ نسیم — گل تو کیا کانٹا بھی اکدن اس گلستان مین نہین
نامِ حاتم رہ گیا ہے ہو گیا برباد تخت — آدمی کیا دیو بھی ملکِ سلیمان مین نہین
مورچھل نادان ہلاتے ہین کسے حیران ہون — ہڈیان بھی تربتِ فغفور و خاقان مین نہین
دُم دبا جاتے تھے جنکے سامنے شیرِ ژیان — غیر روباہ و شغال اب اُنکے ایوان مین نہین
آمدِ موسیٰ و ہارون کی قوی ہے یہ دلیل — کونسا فرعون ہے جو فکرِ سامان مین نہین
جو ترا جی چاہتا ہے بس وہی کرتا ہے تو — وہ پری ہے تو کہ فرمانِ سلیمان مین نہین

بے وطن ہو کر زمانہ میں ہوئے نالان بشر | آشنا نالون سے ہر گز نے نیستان میں نہین
مثل مجنون کس لئے صحرا بصحرا ہے خراب | کیا رسائی تجکو ناسخ کوے جانان میں نہین

۱۲

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہان نہین | جس سرزمین کے ہم ہین وہان آسمان نہین
دو روز ایک وضع پہ رنگِ جہان نہین | وہ کون سا چمن ہے کہ جسکو خزان نہین
عبرت کی جا ہے لاکھون ہی طفل جوان نہین | پیری مین بھی خیال اجل کا یہان نہین
ہر گل ہے اس چمن سے گریزان برنگ بو | سروِ چمن ہے کون جو سروِ روان نہین
آنکھون سے فائدہ جو نہین تیری گرد راہ | حاصل جہان سے کیا جو ترا آستان نہین
حاصل تجھے بصارت یعقوب ہو اگر | یوسف بغیر کوئی یہان کاروان نہین
منعم کے شکر مین بھی ہلائین کبھی کبھی | تنہا برائے لذت دنیا زبان نہین
پژمردہ ایک ہے تو شگفتہ ہے دوسرا | باغ جہان مین فصل بہار خزان نہین
زر دار جو ہین کیون نہ ہون خندان برنگ گل | باغ جہان مین زر بھی کم از زعفران نہین
جنکے سرون پہ آپ ہُمَا سایہ ران رہے ہما | اُنکا لحد مین آج کوئی استخوان نہین

۱۳

یہ جسم زار ہے یون پیرہن کے پردے مین | کہ جیسے روح نہان ہے بدن کے پردے مین
سوائے اہلِ سخن ہو مشاہدہ کسکو | نہان ہے شاہدِ معنی سخن کے پردے مین
تلاش جسکی ہے دن رات تجکو اے غافل | چھپا ہوا ہے وہ تیرے ہی تن کے پردے مین
جو عندلیب کے آنکھون نے دیکھے اور سمجھے | ظہور ہے اُسی گل کا چمن کے پردے مین
چمن مین لائی صبا کسکی بو جو آج شمیم | دمک رہی ہے گلِ یاسمن کے پردے مین

خبر نہ شام غریبی کی مجکو تھی ناسخ
چھپی ہوئی تھی یہ صبحِ وطن کے پردے مین

۱۴

بیان کیا ہو سکے عمرِ رواں کی مجھ سے چالاکی
کہ اس توسن سے اُگا ہے نہ ترکی کو نہ تازی کو

اکیلا دل مرا فوجِ تمنا کے مقابل ہے
الٰہی کیجیو تو فتحیاب اُس مردِ غازی کو

ثمر پختہ جو ہے اے خام طبعو باغِ عالم میں
نہ کیونکر خاکساری سے وہ بدلے سرفرازی کو

۱۵

اجل سر پر کھڑی ہے خوابِ غفلت میں زمانہ ہے
چھپر کھٹ کے عوض لازم جنازے کا بنانا ہے

دکھا دیتا ہے کافورِ سحر روز آسماں سب کو
ولیکن غافل اپنی غسلِ میت سے زمانہ ہے

میں وہ ہوں مردِ نیکی کہ میری قبر کے اوپر
بنے ہے برق جھالر ابرِ رحمت شامیانہ ہے

نہ ہوگا مزرعِ اعمال زاہد بار ور ہرگز
کہ سرسبزی سے ہے محروم سبحہ کا جو دانہ ہے

جو مالک گنجِ زر کا ہو بجا ہے سرکشی اسکو
کہ فوارے کو دیکھو پاس پانی کا خزانہ ہے

ہوا ثابت جو دیکھا اژدہا و گنج کو باہم
جو موذی ہیں ہمیشہ انکے قبضے میں خزانہ ہے

غبارِ راہ ہم سمجھیں نہ کیونکر جسمِ فانی کو
رگِ جاں توسنِ عمرِ رواں کو تازیانہ ہے

نکلتا ہے جو ہر گل زر بکف گلزارِ عالم میں
خدا جانے زمیں میں دفن یہ کیسا خزانہ ہے

اشارہ آمد و رفتِ نفس کا ہے یہی ہر دم
بدن میں دم جو آیا ہے مقرر اسکو جانا ہے

کمی ہوتی نہیں نقدِ سخن کی بات بھی ناسخ
ازل سے اپنے قابو میں معانی کا خزانہ ہے

۱۶

طالبِ دیدار جسکا ہے وہ اندر تجھ میں ہے
جلوۂ برقِ تجلی تھا شرارِ طور سے

خلق کے اعمال بد کرتے ہیں ایسا انقلاب
جائے آتش جوش پانی کا ہوا تنور سے

منعمِ مسدودی کے گھر کو اہلِ حاجت لوٹ لیں
مانگتا ہے کب کوئی بیا کیسۂ زنبور سے

بانٹ لے کوئی کسی کا درد یہ ممکن نہیں
بارِ غم دنیا میں اُٹھوائے نہیں مزدور سے

دیکھتا ہوں جب کلام اُسکو بہت آتا ہے یاد
انس تھا مجکو نہایت ناسخِ مغفور سے

دیکھنا اے اہلِ عبرت انتقامِ آسمان ۔۔۔ لیتے ہین جام گدا خاکِ سرِ فغفور سے

۱۷

تو عنِ عمرِ روان ایسا ہی گر چالاک ہے ۔۔۔ گردسان برباد اک دن میری مُشتِ خاک ہے

آئینے کو دوست رکھتے ہین جہانکے خوب و زشت ۔۔۔ دل ہوا جب صاف بس عالم سے جھگڑا پاک ہے

اسفل و اعلیٰ جو ہین ملجائینگے سب خاک مین ۔۔۔ آسمان اس رتبۂ عالی پہ زیرِ خاک ہے

پست تر کرنیکو گردون سکو کرتا ہے بلند ۔۔۔ اشک بھی اس رتبۂ عالی پہ زیرِ خاک ہے

روح ہے ہر جسم مین مشتاق اخبارِ اجل ۔۔۔ اسلئے یہ آمد و رفتِ نفس کی ڈاک ہے

۱۸

کیا ہوں اشکون سے مرے دیدۂ بینا خالی ۔۔۔ غمِ فرقت سے نہین ہے کوئی سینہ خالی

قلزمِ دہر مین رکھتا ہے تجبر و محفوظ ۔۔۔ غرق کم ہوتا ہے دریا مین سفینہ خالی

کبھی ہوگی نہ یہان گنجِ معانی کی کمی ۔۔۔ ورنہ ہو صرف سے قارون کا خزانہ خالی

ایک کے نفع سے ہے ایک کو نقصان یہان ۔۔۔ جام بھر جاے جو ساقی تو ہو مینا خالی

کیا بھلا مہر و محبت کو جگہہ ہو ناسخ ۔۔۔ یار کے سینے کو کرتا نہین کینہ خالی

خواجہ حیدر علی آتش

پیدایش دلی ۔۔۔ وفات لکھنؤ ۱۲۶۳ھ

آتش تخلص۔ خواجہ حیدر علی نام۔ آپ دلی کے رہنے والے تھے۔ لکھنؤ مین جاکر سکونت اختیار کی۔ خواجہ زادان کا خاندان تھا۔ جس مین مسند فقر بھی قائم تھی۔ اور سلسلہ پیری مریدی کا بھی تھا۔ مگر شاعری اختیار کی اور خاندانی طریقہ کو سلام کرکے اسمین سے فقط آزادی و بے پروائی کو رفاقت مین لے لیا۔ مصحفی کے شاگرد تھے۔ اور حق یہ ہے کہ انکی آتش بیانی نے استاد کے نام کو روشن کیا۔ بلکہ کلام کی گرمی اور چمک کی دمک نے استاد شاگرد کے کلام مین اندھیرے اُجالے کا امتیاز دکھایا۔

علمی استعداد معمولی تھی مشق کی کثرت سے اپنے زمانہ مین مسلم الثبوت استاد ہوگئے اور سیکڑون شاگرد مثل میر وزیر علی صبا۔ رند۔ خلیل۔ جلیل۔ شناور۔ بسمل۔ نادر مرزا کے انکے دامن تربیت مین پرورش پا کر استاد کہلائے۔

۱۲۶۳ھ ہجری مین ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے۔ یکایک ایسا موت کا جھونکا آیا کہ شعلہ کی طرح بجھ کر رہ گئے۔ آتش کے گھر مین راکھ کے ڈھیر کے سوا اور کیا ہوتا تھا میر علی اوسط رشک نے تاریخ لکھی۔ ع۔ خواجہ حیدر علی اے وا مردند۔

تمام عمر کی کمائی جسے حیات جاودانی کا مول کہنا چاہیے ایک دیوان غزلون کا ہے جو کہ انکے سامنے رائج ہو گیا تھا۔ دوسرا تتمہ ہے کہ پیچھے مرتب ہوا۔ جو کلام انکا ہے حقیقت مین محاورہ اُردو کا دستور العمل ہے اور انشا پردازی ہند کا اعلیٰ نمونہ شرفائے لکھنو کی بول چال کا انداز اس سے معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح لوگ باتین کرتے ہین اسطرح انھون نے شعر کہدئے ہین۔ انکے کلام نے پسند خاص اور قبول عام کی سند حاصل کی انکا کلام مضامین بلند سے خالی نہین۔ طرز بیان صاف ہے۔ سیدھی سی بات کو پیچ نہین دیتے ترکیبون مین استعارے اور تشبیہین فارسیت کے بھی موجود ہین مگر قریب الفہم۔

غزلیات

عاجز نواز دوسرا تجھ سا نہین کوئی — رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا
باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا — مشکل کے وقت تو ہوا حامی خلیل کا
موسےٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی — فرعون کو تو نے غرق کیا رود نیل کا
طوفان مین ناخدائی کی کشتیِ نوح کی — تھا جواب ہی نہین تجھ سے کفیل کا
سائل ہون مجھکو قید کم و بیش کی نہین — مختار ہے کریم کثیر و قلیل کا
دیکھا تو خار و گل کا مقام ایک شاخ ہے — دل توڑتا نہین تو عزیز و ذلیل کا

آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے
محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

۲

محبت کا ترے بندہ ہر اک کو اے صنم پایا | برابر گردنِ شاہ و گدا دونوں کو خم پایا
برنگِ شمع جس نے دل جلایا تیری دوری مین | تو اُس نے منزلِ مقصود کو زیرِ قدم پایا
نشانہ تیرِ ہمت کا ہے میرا اخترِ طالع | اُٹھاؤں داغ مین تو آسمان سمجھے درم پایا
ہزاروں حسرتین جاوینگی میری ساتھ دنیا سے | شرار و برق سے بھی عرصۂ ہستی کو کم پایا
سوائے رنج کچھ حاصل نہین ہوا اس خرابے مین | غنیمت جان جو آرام تو نے کوئی دم پایا
نظر آیا تماشائے جہان جب بند کین آنکھین | صفائے قلب سے پہلو مین ہمنے جامِ جم پایا
جلایا اور مارا حُسن کی نیرنگ سازی نے | کبھی برقِ غضب اسکو کبھی ابرِ کرم پایا
فراق انجام کار آغازِ وصلت کا بلا شک ہے | بہت رویا مین روح و تن کو جب مشتاق ہم پایا
ہوا ہرگز نہ خطِ شوق کا سامان درست آتش | سیاہی ہو گئی نایاب اگر ہمنے قلم پایا

۳

حُسنِ پری ایک جلوۂ مستانہ ہے اُسکا | ہوشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُسکا
وہ شوخ نہان گنج کے مانند ہے اُسمین | معمورۂ عالم جو ہے ویرانہ ہے اُسکا
جو چشم کہ حیران ہوئی آئینہ ہے اُسکی | جو سینہ کہ صدچاک ہوا شانہ ہے اُسکا
دل قصرِ شہنشاہ ہے وہ شوخ اُسمین شہنشاہ | عرصہ یہ دو عالم کا جلوخانہ ہے اُسکا
وہ یاد ہے اُسکی کہ بُھلا دے دو جہان کو | حالت کو کرے غیر وہ یارانہ ہے اُسکا
یوسف نہین جو ہاتھ لگے چند درم سے | قیمت جو دو عالم کی ہے بیعانہ ہے اُسکا
آوارگیِ نکہتِ گل ہے یہ اشارہ | جامہ سے وہ باہر ہے جو دیوانہ ہے اُسکا
یہ حال ہوا اُس کے فقیرون سے ہویدا | آلودۂ دنیا جو ہے بیگانہ ہے اُسکا

شکرانۂ ساقیِ ازل کرتا ہے آتش
لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اُسکا

۴

حباب آسا مین دم بھرتا ہون تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرہ کو دریا کی جدائی کا

تعلق روح سے مجکو جسد کا ناگوارا ہے
زمانے مین چلن ہے چار دن کی آشنائی کا

ہوئی منظور محتاجی نہ تجکو اپنے سائل کی
بنایا کاسۂ سر واژگون کاسہ گدائی کا

نظر آتی ہین ہر سو صورتین ہی صورتین مجکو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا

نکل اے جان تن سے تا وصالِ یار حاصل ہو
چمن کی سیر ہے انجام بلبل کو رہائی کا

شکستِ خاطرِ احباب ہوتی ہی درست اس سے
توجہ مین ترے اے یار اثر ہے مومیائی کا

دل اپنا آئینہ سے صاف عشقِ پاک رکھتا ہے
تماشا دیکھتا ہے حُسن اسمین خود نمائی کا

نہین دیکھا ہے لیکن تجکو پہچانا ہی آتش نے
بجا ہے اے صنم جو تجکو دعویٰ ہو خدائی کا

۵

غبارِ راہ ہو کر چشم مردم مین محل پایا
نہالِ خاکساری کو لگا کر ہمنے پھل پایا

برنگِ شمع ہم دل سوختون نے بزم عالم مین
زبان کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل پایا

شکستہ دل ہو انسان عوض ہر شی کا ملتا ہے
موا فرزند اگر تو داغ دل نعم البدل پایا

رعونت کونسی شے پر ہو ان عزلت گزینون کو
حصیر کہنہ دیکھا دست خشک و پاے شل پایا

غضب ہے منزلِ ہستی مین آسائش طلب ہونا
ہجوم خواب سے رہرو نے آخر کو خلل پایا

ہمیشہ جوشِ گریہ سے رہا پانی مین ای آتش
کبھی تازہ نہ لیکن اپنے دل کا یہ کنول پایا

۶

سُن تو سہی جہان مین ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجکو خلق خدا غائبانہ کیا

زیرِ زمین سے آتا ہے جو گل سو زر بکف
قارون نے راستے مین لٹایا خزانہ کیا

اڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپ عمر
مہمیز کس کو کہتے ہین اور تازیانہ کیا

چارون طرف سے صورتِ جانان ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا

صیاد اسیر دام رگِ گل ہے عندلیب ‫ دکھلا رہا ہے چھپ کے اُسے دام ودانہ کیا
طبل و علم ہی پاس ہے اپنے نہ ملک و مال ‫ ہم سے خلاف ہو کے کریگا زمانہ کیا
آتی ہے کس طرح سے مری قبض روح کو ‫ دیکھون تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا
ہوتا ہے زرد سُن کے جو نامرد مدعی ‫ رستم کی داستان ہے ہمارا فسانہ کیا
صیاد گلعذار دکھاتا ہے سیر باغ ‫ بلبل قفس مین یاد کرے آشیانہ کیا
یون مدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے ‫ آتش غزل یہ تو نے کہی عاشقانہ کیا

۷

فریب کو دلِ اہلِ صفا مین راہ نہین ‫ وہ دشت ہے کہ جہان آب زیر کاہ نہین
بدن سا شہر نہین دل سا بادشاہ نہین ‫ حواس خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہین
صدا یہ قبر سے بیدار دل کے آتی ہے ‫ عمل جو نیک ہون تو ایسی خوابگاہ نہین
عذاب گور ہے دنیا کے رنج سے بدتر ‫ سوا خدا کے کرم کے کہین پناہ نہین
فقیر بنکے قدم اسمین مارا ے آتش ‫ طریق احمدِ مرسل ہے شاہراہ نہین

۸

جانبِ دشت عدم خیمہ روان کرنے دو ‫ وحشتِ دل کو علاجِ خفقان کرنے دو
سوز دل میری طرح سے نہ بیان ہووےگا ‫ شمع کافور کو بھی چرب زبان کرنے دو
کوہ غم ٹوٹنے پر آہ ہے یاں کم ظرفی ‫ ٹھیس سے کاسۂ چینی کو فغان کرنے دو
سامنے آہی گیا لشکرِ اندوہ و ملال ‫ اب تو سیدھی مری آنکھونکو نشان کرنے دو
آخرِ کار تہِ خاک ہے مسکن سب کا ‫ اہل دولت کو بلند آج مکان کرنے دو
پھوٹ بہنے دو انھین یار کے آگے آتش ‫ دل کا احوال بھی آنکھون کو بیان کرنے دو

۹

کام ہمت سے جوانمرد اگر لیتا ہے ‫ سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے

ناگوارا کو جو کرتا ہے گوارا انسان | زہر کھا کر مزۂ شیر و شکر لیتا ہے
منزل فقر و فنا جاے ادب ہے غافل | بادشہ تخت سے یان اپنے اُتر لیتا ہے
عقل کر دیتی ہے انسان کی جہالت زایل | موت سے جان چھپانے کو سپر لیتا ہے
غیرت نالۂ و فریاد نہ کھواے آتش | آشنا کوئی نہین کون خبر لیتا ہے

۱۰

یہ کس رشکِ مسیحا کا مکان ہے | زمین یان کی چہارم آسمان ہے
خدا پنہان ہے عالم آشکارا | نہان ہے گنج ویرانہ عیان ہے
دلِ روشن ہے روشن گھر کی منزل | یہ آئینہ سکندر کا مکان ہے
تکلف سے بری ہے حُسن ذاتی | قباے گل مین گل بوٹا کہان ہے
برنگِ بو ہون گلشن مین مین بلبل | بغل غنچہ کی میرا آشیان ہے
شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ | قناعت بھی بہار بے خزان ہے
بہت آتا ہے یاد اے صبر مشکین | خدا خوش رکھے تجکو تو جہان ہے
تعلق ہوتا ہے خوشبو سے اسکے | کسی گلرو کا غنچہ عطر دان ہے
وطن مین اپنے اہلِ شوق کیطرح | سفر مین روز و شب ریگِ روان ہے
سحر ہووے کہین شبنم کرے کوچ | گل و بلبل کے دریا درمیان ہے
سعادت مند قسمت پر ہین شاکر | ہما کو مغز بادام استخوان ہے
جرس کے ساتھ دل رہتے ہین نالان | مرے یوسف کا عاشق کاروان ہے
قدِ محبوب کو شاعر کہین سرد | قیامت کا یہ اے آتش زیان ہے

۱۱

بازار دہر مین تری منزل کہان نہ تھی | یوسف نہ جسمین ہو کوئی ایسی دکان نہ تھی
منزل ہی دور ہے جو یہ پہونچی نہین ہنوز | دم لینے والی راہ مین عمرِ روان نہ تھی

دکھلائے سیر آنکھوں کو بامِ مراد کی | ایسی کوئی کمند کوئی نردبان نہ تھی
رہجانا پیچھے جسم کا جان سے عجب نہیں | کس کاروان کی گرد پسِ کاروان نہ تھی
نافہمی کی دلیل ہے یہ سجدہ سے ابا | ابلیس کو حقیقتِ آدم عیان نہ تھی
افسوس کیا جوانی رفتہ کا کیجئے | وہ کون سی بہار تھی جسکو خزان نہ تھی
نالون سے ایک دن نہ گئے گرمِ گوش یار | آتش مگر تمھارے دہن مین زبان نہ تھی

۱۲

مسافر کی طرح رہ خانہ بردوش | نہین جائے اقامت دار فانی
یقین ہے دیدۂ باریک بین کو | کرے عینک طلب یہ ناتوانی
یہ مشتِ خاک ہو مقبول درگاہ | صبا کی چاہتا ہون مہربانی
سفیدی مو کی ہو کافور ہر چند | کوئی مٹتا ہے داغِ نوجوانی
نہ خوش ہو فربہی تن سے غافل | سبک کرتی ہے مردے کو گرانی
موے جو پیشتر مرنے سے وہ لوگ | کفن سمجھے قبائے زندگانی
ہوا کوئی نہ حالِ دل سے آگاہ | رہی مشتاق گوش اپنی کہانی
خدا کے حکم سے ہے قوتِ نطق | کلام اپنا ہے ہاتف کی زبانی
مرا دیوان ہے اسے آتش خزانہ | ہر اک بیت اسمین ہے گنجِ معانی

خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق

پیدایش دلی ۱۲۰۴ھ | وفات دلی ۱۲۷۱ھ

شیخ محمد رمضان کے لڑکے تھے۔ جو ایک غریب سپاہی تھے۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ مین دہلی مین پیدا ہوئے۔ ابتداءً حافظ غلام رسول صاحب شوق سے پڑھتے تھے انھین کی خدمت مین شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ اسی محلہ مین میر کاظم حسین صاحب بیقرار

ایک انکے ہمسبق تھے وہ بھی حافظ غلام رسول صاحب سے اصلاح لیا کرتے تھے ایکدن وہ ایک غزل کہکر لائے غزل اچھی تھی۔ شیخ نے سنکر کہا کہ خوب گرم شعر کہتے ہیں۔ انھون نے کہا کہ ہم تو شاہ نصیر کے شاگرد ہو گئے شیخ مرحوم کو بھی شوق ہوا اُن کے ساتھ جاکر شاگرد ہوگئے۔ برابر اصلاح لیتے رہے۔ ایک بار مرزا رفیع السودا کے غزل پر غزل کہی شاہ صاحب کے پاس لے گئے انھون نے خفا ہوکر غزل پھینکدی کہ استاد کی غزل پر غزل کہتا ہے۔ اب تو مرزا رفیع سے بھی اونچا اُڑنے لگا۔ یہ وہان سے چپکے چلے آئے۔ اُس دن سے کسی سے اصلاح نہین لی۔ خود کہتے اور مشاعرون مین پڑھتے یہانتک کہ طبیعت کی شوخی اور شعر کی گرمی سننے والون کے دلون پر اثر برق کیطرح دوڑی اور کلام کا چرچا بڑھا۔

اکبر شاہ کے ولیعہد مرزا ابوظفر کہ بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے شعر کے شیدا تھے اور ظفر تخلص سے ملک شہرت کو تسخیر کیا تھا۔ دربار شاہی مین جو جو کہنہ مشق شاعر تھے سب وہین آکر جمع ہوتے تھے اپنے اپنے کلام سناتے تھے میر کاظم حسین بیقرار ولیعہد کے ملازم خاص تھے انکی وساطت سے یہ قلعہ مین پہونچے۔ اور اکثر دربار ولیعہدی مین جانے لگے شاہ نصیر کہ ولیعہد کی غزل کو اصلاح دیا کرتے تھے دکن چلے گئے۔ میر کاظم حسین صاحب میر منشی ہوکر شکارپور سندہ وغیرہ چلے گئے۔ چند روز کے بعد ایک دن ولیعہد نے ایک غزل جیب سے نکال کر دی کہ ذرا اسے بنا دو۔ یہ وہین بیٹھ گئے اور غزل بناکر سنائی۔ ولیعہد بہادر بہت خوش ہوئے۔ اور کہا کہ بھئی کبھی کبھی تم آکر ہماری غزل بنا جایا کرو۔ پھر برابر انھین سے اصلاح لیتے رہے۔ چند سال کے بعد ایک قصیدہ اکبر شاہ کے دربار مین کہکر سنایا جسکے مختلف شعرون مین انواع واقسام کے صنایع وبدایع صرف کئے تھے۔ مطلع اُسکا یہ تھا۔

جبکہ سرطان واسد مہر کا ٹھہرا مسکن آب وایلولہ ہوئے نشو نمائے گلشن

اسپر بادشاہ نے خاقانی ہند کا خطاب عطا کیا۔ اُسوقت شیخ مرحوم کی عمر ۱۹ برس کی تھی۔

جب مرزا ابوظفر بادشاہ ہوکر بہادر شاہ ہوئے تو پہلے اُنھون نے قصیدہ گذرانا۔ اسپر تنخواہ مین ایک معتد بہ اضافہ ہوا۔ آخر ایام مین ایک دفعہ بادشاہ بیمار ہوئے۔ جب شفا پائی اور انھون نے ایک قصیدہ تہنیت کا کہکر نذر گذرانا تو خلعت کے علاوہ خطاب خان بہادر

اور ایک ہاتھی معہ حوضۂ نقرئی انعام ہوا۔ پھر ایک بڑے زور شور کا قصیدہ کہکر گذرانا جسکا مطلع یہ ہے۔ ع شب کو مین اپنے سرِ بسترِ خوابِ راحت ۔ اسپر ایک گانون جاگیر مین عطا ہوا۔

۲۴ صفر ۱۲۷۱ھ جمعرات کا دن تھا ۱۷ دن بیمار رہکر وفات پائی۔ مرنے سے تین گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا۔

کہتے ہین آج ذوق جہان سے گذر گیا ۔ کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

علوم متداولہ مین مہارت کامل رکھتے تھے تصوف خوب جانتے تھے۔ نجوم رمل موسیقی مین بھی دخل تھا۔ غزلون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام جوہر انکے کلام کا تازگی مضمون۔ صفائی کلام ۔ چستی ترکیب۔ خوبی محاورہ ہے ۔ مگر حقیقت مین رنگ مختلف وقتون مین مختلف رہا۔ قصائد مین اصلی میلان انکی طبیعت کا سودا کے انداز پر زیادہ تھا سودا کے بعد شیخ مرحوم کے سوا کسی نے اسپر قلم نہین اُٹھایا۔

کلام کو دیکھکر یہ عام انداز معلوم ہوتا ہے کہ مضامین کے ستارے آسمان سے اُتارے ہین۔ مگر اپنے لفظون کی ترکیب سے اُنھین ایسی شان وشکوہ کی کرسیون پر بٹھایا ہے کہ پہلے سے بھی اونچے نظر آتے ہین۔ انھین قادرالکلامی کے دربار سے ملکِ سخن پر حکومت مل گئی ہے۔ کہ ہر قسم کے خیال کو جس رنگ سے چاہتے ہین کہہ جاتے ہین۔ کبھی تشبیہہ کے رنگ سے سجا کر استعارہ کی بو سے بساتے ہین۔ کبھی بالکل سادے لباس مین جلوہ دکھاتے ہین مگر ایسا کچھ کہہ جاتے ہین کہ دل مین نشتر سا کھٹک جاتا ہے۔ اور مُنہ سے کبھی واہ اور کبھی آہ نکلتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انکے ہونٹون مین شستہ اور برجستہ لفظون کے خزانے بھرے ہین۔ اور ترکیب الفاظ کے ہزارون رنگ ہین۔ مگر جسے جہان سجتا دیکھتے ہین وہ گویا وہین کے لئے ہوتا ہے۔ وہ طبیب کامل کی طرح ہر مضمون کی طبیعت کو پہچانتے تھے کہ کون ہے کہ سادگی مین رنگ دیجائیگا۔ اور کون رنگینی مین کامل مصور کی تیزی قلم کو اُسکے رنگون کی شوخی روشن کرتی ہے۔ اسی طرح انکے مضمون کی باریکی کو اُنکے الفاظ کی لطافت جلوہ دیتی ہے۔ اُنھین اس بات کا کمال تھا کہ باریک سے باریک مطلب اور پیچیدہ سے پیچیدہ مضمون کو اس صفائی سے ادا کر جاتے تھے گویا ایک شربت کا گھونٹ تھا کہ کانون کے رستہ سے پلا دیا۔ ہر ایک نازک اور باریک خیال کو

محاورہ اور ضرب المثل میں اس طرح ترکیب دیتے جیسے آئینہ گر شیشہ کو قلعی سے ترکیب دیکر آئینہ بناتا ہے۔ اسی واسطے ہر ایک شخص کے سمجھ میں آتا ہے اور دل پر اثر بھی کرتا ہے۔

قصیدہ

مرزا ابوظفر بہادر شاہ نے عالم ولی عہدی میں بیماری کے بعد غسل صحت کیا تھا۔ اُسکی مبارکباد میں یہ قصیدہ لکھا گیا تھا۔

واہ وا کیا معتدل ہے باغ عالم میں ہوا — مثل نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موج صبا

بھرتی ہے کیا کیا مسیحائی کا دم بادِ بہار — بنگیا گلزارِ عالم رشک صد دارالشفا

ہے گلوں کے حق میں شبنم مرہمِ زخمِ جگر — شاخ بشکستہ کو ہے باران کا قطرہ مومیا

ہو گیا موقوف یہ سودا کا بالکل احتراق — لالہ ہے داغِ سیہ پانے لگا نشو و نما

ہو گیا زایل مزاجِ دہر سے یا نتک جنون — بید مجنون کا بھی صحرا میں نہیں باقی پتا

ہوتا ہے لطفِ ہوا سے اسقدر پیدا لہو — برگ میں ہر نخل کے سرخی ہے جون برگِ حنا

پائی یہ اصلاح صفرا نے کہ دنیا میں کہین — زرد چشم اب دیکھنے کو بھی نہیں ہے کہربا

ہر مزاجِ بلغمی میں ہوتی ہے تولید خون — چاندنی کا پھول ہو گر ارغوانی ہے بجا

نام کو اشیا میں نہ تلخی رہی نہ سمیت — بن گئی تریاک افیون زہر میٹھا ہو گیا

کیا عجب جدوار کی تاثیر گر رکھے زقوم — کیا عجب گر آبِ حنظل دیوے شربت کا مزا

نیش کی جا نوش ہو دنبالۂ زنبور میں — کام میں افعی کے ہو مہرہ بجائے آبلہ

راحت و آرام کا اس دور میں ہے دور دورہ — چاہیئے واقف نہ ہو دوران سر سے آسیا

موتیا بند آنکھ میں اپنی جو رکھتی ہے صدف — اب رکھے ہے روشنی مثلِ دلِ اہلِ صفا

آ گیا اصلاح پر ایسا زمانے کا مزاج — تا زبانِ خامہ بھی آتا نہیں حرفِ دوا

نسخہ پر لکھنے نہیں پاتا ہو الشافی طبیب — کہتا ہے بیمار بس کر مجھکو بالکل ہے شفا

فرق جا یا یہانتک اعضائے بدن سے درد نے — درد کے جو حرف ہیں وہ آپ ہی سب ہیں جُدا

لاغرون کو ہو کمالِ تاب و طاقت یہ شتاب ‖ جیسے دو ہفتہ کا ہلال اک شب مین ہو بدر الدجا

صبح صادق کے ہے گو سر مین سفیدی آ گئی ‖ لیکن اس پیری مین بھی صادق ہے ایسی اشتہا

بھوک کی شدت سے اُسکو ایک نفس فرصت نہو ‖ قرص سے خورشید کے جبتک نہ کر لے ناشتا

رات بھر ٹونگا کیا انجم کے دانے چرخ پیر ‖ پھر جو دیکھا صبح کو اصلا شکم مین کچھ نہ تھا

پہونچی یہ تفتیح کی نوبت کہ نوبت خانہ مین ‖ لیتی ہے جی کھول کر کیا کیا ڈکارین کرنا

کوس پھولا ہے خوشی سے نفخ کا کیا دخل ہے ‖ جون حباب اسکی نہین مطلق شکم مین امتلا

ہضم کامل اسقدر معدہ نے پہونچایا بہم ‖ جید الکیموس ہے جو حلق سے اتری غذا

ہے مزاجِ اہلِ عالم یہ قریبِ اعتدال ‖ ساتون اقلیمین ہین گویا اب بخطِ استوا

رکھیگا تعویذ اور گنڈا کوئی کیون اپنے پاس ‖ باغ عالم مین بھی عالم جو صحت کا رہا

دیگا طاؤس اپنے بازو پہ سو ساری نقش دھو ‖ پھینکدیگی توڑ کر گنڈا گلے سے فاختہ

اسقدر جاتی رہی عالم سے بیماری کہ آج ‖ نام گلشن مین نہین ہے نرگسِ بیمار کا

واقعی کس طرح سے صحت نہ اک عالم کو ہو ‖ جبکہ ہو اُسکی نویدِ غسلِ صحت جانفزا

وہ ولیعہدِ زمان مرزا محمد بو ظفر ‖ اُسکی قوت گر ضعیفونکو پہنچاوے اقویا

تقویت کا یہ اثر ہو عام - جو ہین برگ زرد ‖ ہون مقویِ دل و جان مثل اوراق طلا

شادی صحت سے اوسکی آج ہو کر شاد شاد ‖ تہنیت خوانی مین ہین سرگرم سب مرغ سرا

مین بھی اس رشکِ چمن محفل مین وہ مطلع پڑھون ‖ بلبلِ تصویر سنکر بول اُٹھے مرحبا

مطلع دوم

آج ہے عالم مین وہ روز سعادت انتما ‖ دے اگر زاغ و زغن بیضہ تو پیدا ہو ہما

مژدۂ جان بخش صحت ہے ترا ماء الحیات ‖ جس سے جون سیماب کشتہ مردہ دل زندہ ہوا

ہے بقائے عمر سے تیری بقائے عمرِ خلق ‖ ذات ہے تیری جہان مین چشمۂ آبِ بقا

قطرہ افشانی سے آبِ غسلِ صحت کے ترے ‖ ہون دُرِ خوش آب پیدا اسقدر قوت فزا

ہو وہی استغنا جو پاتو ہو بن وہ ہوتی اگر | بخشے سہرابِ کہن کو پھر جوانی کے قوا

جسم کو گل کر کے دھویا تو نے جسدم وقتِ غسل | گرد کلفت کو دلِ عالم سے گویا دھو دیا

دل عدوِ سنگدل کا تھا شقاوت سے جو سخت | زیرِ پا پامال ہوتا تھا برنگِ سنگِ پا

خوردہ گل کی حبابی تصدق کے لیے | دے گیا ابرِ بہاری نذر دُرِ بے بہا

شادی صحت کا تری گیا ہو عالم کہ آج | جوشِ عشرت سے یہ عالم بن گیا عشرت سرا

چھیڑتے تارِ شجر کو گر ناخن موجِ نسیم | بزم مین پیدا ہو تار ساز مطرب کی صدا

لب پہ ساغر کے ہے جون موجِ قہقہ موجِ مے | شورِ قلقل لب پہ ہے مینائے مے کے قہقہا

بزم قہقہوں سے شوقِ خیالی کی طرح | حلقۂ رقاصگان ہے زیرِ گردون جابجا

کر رہا صحنِ چمن ہی مین ہے کیا طاؤس رقص | آشیانہ مین ہے رقصان طائرِ قبلہ نما

خانہ ہائے چشم مین پتلیوں کا رقص ہے | ہے جو منظورِ نظر سب کو تماشا رقص کا

چھوٹی آتشبازی ایسی جگی گلکاری کو دیکھ | رات کو کہتے تھے آپس مین ثریا و سہا

صنعِ آتشبار پر حیرت زدہ ہوتی ہے عقل | سنگِ پارس سے کہین پارہ کو پیدا تھا کیا

ہو گئی تاثیر اسکی یہ کہ ہر گل ریزے سے | ریزۂ فولاد نکلے بنکے گلہائے طلا

گنج چھٹتے تھے ستارونکے عجب انداز سے | ماہ پارونکا تھا گویا خندۂ دندان نما

مُنہ سے کیا جو تنگ ہے ہتاب کے ہتاب ہو | غازہ سے ہر چند چمکے رنگِ روے مہ لقا

برج جو اڑکر ہوئے قندیلِ شب زیرِ فلک | برج تھے جتنے فلک پر سب کو روشن کر دیا

فی الحقیقت یہ وہ شادی ہے کہ اسکے روبرو | جشن جمشیدی کا کچھ مطلق نہین رتبہ رہا

ہے زبانِ خامہ عاجز آگے بس تعریف مین | ذوق کہتا ہے اٹھا کر ذوق مین دستِ دعا

رکھے صحت سے ہمیشہ شافیِ مطلق تجھے | جو ترے بدخواہ ہون وہ رنج مین ہون مبتلا

قصیدہ مسدس دعائیہ

سریر آرائے گردون جبتلک سلطان خاور ہو | قمر دستورِ اعظم صدرِ اعلی سعد اکبر ہو

عطارد میر منشی زہرہ تا ناظر آسمان پر ہو　　زحل میر عمارت ترک گردون میر لشکر ہو

سر ہفت آسمان جبتک کہ دورِ ہفت اختر ہو

الٰہی یہ بہادر شاہ شاہِ ہفت کشور ہو

رہے نام سلیمان تا نگین حکمرانی سے　　رہے نام فریدون تا درفش کاویانی سے

رہے دارا کو تا نام آوری تاجِ کیانی سے　　سکندر تا ہو نامی سکۂ کشورستانی سے

ترا اے خسروِ والاحشم عالم مسخر ہو

سریر سلطنت پر تو ہمیشہ داد گستر ہو

بخارِ ارض سے تا ابر ہو اور ابر مین پانی　　روان پانی سے تا دریا ہو اور دریا کو طغیانی

زمین مین تا ہو کان اور کان مین ہو جوہر کانی　　سپے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی

تری شمشیر جوہر دار مین نصرت کا جوہر ہو

ترے قبضہ مین بحر پُر گہر ہو کان پُر زر ہو

رکھین تا عود کو آتش پہ اور آتش کو مجمر مین　　گلِ تر تا ہو گلدان مین ترے ہو تا گلِ تر مین

رہے نافہ مین مشکِ اذفر اور بو مشکِ اذفر مین　　صدف مین تا ہو گوہر اور ہو تا آب گوہر مین

ترے ابرِ کرم سے باغِ عالم تازہ و تر ہو

شمیمِ خلق سے تیرے جہان یکسر معطر ہو

طریقِ رہبری مین خضر ہو جبتک ہدایت فن　　سہارا ہووے تا بحرِ غریقِ الیاس کا دامن

رہے ادریس تا قطعِ تعلق سے جنان مسکن　　مسیحا کا ہو بالاخانہ تا خورشید سے روشن

چراغِ عمر سے تیرے جہان سارا منور ہو

فروغِ اسلام کو ہو رونقِ دینِ پیمبر ہو

شفق گلگونہ ہو جبتک سحر کے روئے نیکو کو　　کرے آراستہ تا شام اپنے موئے گیسو کو

ثریا [illegible] تا [illegible] آسمان کے ہووے بازو کو　　کرے وسمہ سے تا قوس قزح سبز اپنے ابرو کو

لب بد خواہ و دشمن کے لہو سے تیرا خنجر ہو
بسر بدخواہ خندق تیرے انگشت سنان پر ہو

گلستان میں ہو تا گل اور گل سے شاخ ہو پیدا — نیستان میں ہو نا نے اور نے سے نغمہ ہو پیدا
نہال تاک میں انگور ہو انگور میں صہبا — نشہ صہبا میں ہو اور ہو نشہ جبتک نشاط افزا

شراب عیش سے خالی کبھی تیرا نہ ساغر ہو
ہمیشہ جشن جمشیدی سے تیرا جشن بہتر ہو

قلم تا راستی پیشہ ہو اور کاغذ صفا آئین — قلمزن تا ہو مشک افشان و کاغذ خطاسی مشک آگین
زبان پر تا سخن ہو اور سخن میں معنی رنگین — سخن تا داد چاہے اور تا اہل سخن تحسین

ترا مداح دائم خسروا ذوقؔ سخنور ہو
ہمیشہ تہنیت خوان ہو دعا گو ہو ثنا گو ہو

سہرا

نواب زینت محل کو بادشاہ کے مزاج میں بہت دخل تھا۔ مرزا جوان بخت اُنکے بیٹے تھے اور باوجودیکہ بہت مرشدزادون سے چھوٹے تھے مگر بیگم کی خاطر سے اُنکی ولی عہدی کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ اُنکی شادی کا موقع آیا۔ بڑی دھوم دھام کے سامان ہوئے۔ بیگم کی ایما سے غالب مرحوم نے یہ سہرا لکھکر زرنگار کاغذ پر لکھکر ایک سونے کی کشتی میں رکھکر بڑے تکلف کے ساتھ حضور میں گذرانا۔

خوش ہو اے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا — باندھ شہزادے جوان بخت کے سر پر سہرا
کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے — ہے ترے حسن دل افروز کا زیور سہرا
سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرف کلاہ — مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا
ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہونگے موتی — ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
رُخ پہ دولھا کے جو گرمی سے پسینا ٹپکا — ہے رگ ابر گہر بار سراسر سہرا
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جائے — رُک گیا آن کے دامن کے برابر سہرا

جی مین اترائین نہ موتی کہ ہمین ہین اک چیز ‏ ‏ ‏ ‏ چاہئے پھولون کا بھی ایک مقرر سہرا

جبکہ اپنے مین سمائین نہ خوشی کے مارے ‏ ‏ ‏ ‏ گوندھے پھولون کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا

رخِ روشن کی دمک گوہرِ غلطان کی چمک ‏ ‏ ‏ ‏ کیون نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر سہرا

تار ریشم کا نہین ہے یہ رگِ ابرِ بہار ‏ ‏ ‏ ‏ لائیگا تابِ گرانباریِ گوہر سہرا

ہم سخن فہم ہین غالب کے طرفدار نہین ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھین اس سہرے سے کہدے کوئی بہتر سہرا

جب سہرے کو ملاحظہ فرمایا تو مقطع کو دیکھکر حضور کو بھی خیال بلکہ ملال ہوا۔ ذوق مرحوم حسب معمول حضور مین گئے تو وہ سہرا دیا کہ اُستاد اسے تو دیکھو۔ انھون نے پڑھا اور بموجب عادت کے عرض کی۔ پیر و مرشد درست۔ بادشاہ نے کہا تم بھی ایک سہرا کہدو۔ عرض کی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ ابھی لکھدو۔ اور کہا کہ مقطع کو بھی دیکھا۔ عرض کی حضور دیکھا۔ غرض بیٹھ گئے اور عرض کیا۔

اے جوان بخت مبارک تجھے سر پر سہرا ‏ ‏ ‏ ‏ آج ہے یمن و سعادت کا ترے سر سہرا

آج وہ دن ہے کہ لائے دُرِ انجم سے فلک ‏ ‏ ‏ ‏ کشتیِ زر مین مہ نو کی لگا کر سہرا

تابشِ حُسن سے مانندِ شعاعِ خورشید ‏ ‏ ‏ ‏ رُخِ پُر نور پہ ہے تیرے منور سہرا

وہ کہے صلِ علی۔ یہ کہے سبحان اللہ ‏ ‏ ‏ ‏ دیکھے مُکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تا بنے اور بنی مین رہے اخلاص بہم ‏ ‏ ‏ ‏ گوندھیئے سورۂ اخلاص کو پڑھکر سہرا

دھوم ہے گلشنِ آفاق مین اس سہرے کی ‏ ‏ ‏ ‏ گائین مرغانِ نوا سنج نہ کیونکر سہرا

روئے فرخ پہ جو ہین تیرے برستے انوار ‏ ‏ ‏ ‏ تار بارش سے بنا ایک سراسر سہرا

ایک کو ایک پہ تزئین ہے دمِ آرایش ‏ ‏ ‏ ‏ سر پہ دستار ہے دستار کے اوپر سہرا

ایک گوہر بھی نہین صدکانِ گہر مین چھوڑا ‏ ‏ ‏ ‏ تیرا بنوایا ہے لے لے کے جو گوہر سہرا

پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہوئی بادِ بہار ‏ ‏ ‏ ‏ اللہ اللہ رے پھولون کا معطر سہرا

سر پہ طرہ ہے مزین تو گلے مین بدھی ‏ ‏ ‏ ‏ کنگنا ہاتھ مین زیبا ہے تو سر پر سہرا

رونمائی مین تجھے دے مہ و خورشید و فلک ‏ ‏ ‏ ‏ کھولدے مُنہ کو جو تو مُنہ سے اُٹھا کر سہرا

کثرتِ تارِ نظر سے ہے تماشا یون سکے — دمِ نظارہ ترے روے نکو پر سہرا
دُرِ خوشِ آبِ مضامین سے بنا کر لایا — واسطے تیرے ترا ذوقِ ثنا گر سہرا
جنکو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنادو انکو — دیکھو اس طرح سے کہتے ہین سخنور سہرا

مرزا بڑے اداشناس تھے۔ جب انکو اسکی خبر ہوئی۔ سمجھے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا کچھ اور
یہ قطعہ لکھکر حضور مین گذرانا۔ سب طرف سے تعریفین ہوئین۔

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی — اپنا بیانِ حسنِ طبیعت نہین مجھے
سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہگری — کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہین مجھے
آزادہ رو ہون اور مرا مسلک ہے صلح کل — ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہین مجھے
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہون — مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہین مجھے
استادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال — یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہین مجھے
جامِ جہان نما ہے شہنشاہ کا ضمیر — سوگند اور گواہی کی حاجت نہین مجھے
مین کون اور ریختہ ہان اس سے مدعا — جز انبساطِ خاطرِ حضرت نہین مجھے
سہرا لکھا گیا ز رہِ امتثالِ امر — دیکھا کہ چارہ غیرِ اطاعت نہین مجھے
مقطع مین آپڑی ہے سخن گسترانہ بات — مقصود اس سے قطعِ محبت نہین مجھے
روے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ — سودا نہین جنون نہین وحشت نہین مجھے
قسمت بری سہی پہ طبیعت بری نہین — ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہین مجھے
صادق ہون اپنے قول کا غالب خدا گواہ — کہتا ہون سچ کہ جھوٹ کی عادت نہین مجھے

غزلیات

اُسے ہمنے بہت ڈھونڈا نہ پایا — اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
جس انسان کو سگِ دنیا نہ پایا — فرشتہ اُسکا ہمپایہ نہ پایا
مقدر ہی پہ گر سود و زیان ہے — تو ہمنے یان نہ کچھ کھویا نہ پایا

سراغِ عمرِ رفتہ ہاتھ کیا آئے | کہین جسکا نشانِ پا نہ پایا
کرے کیا سیر دل ملکِ فنا کی | کہ اس بازار مین سودا نہ پایا
رہ گم شد گشتگی مین ہم نے اپنا | غبارِ راہ بھی عنقا نہ پایا
رہا ٹیڑھا مثالِ نیشِ کژدم | کبھی کج فہم کو سیدھا نہ پایا
فلک کے گنبدِ بے در سے ہم تو | نکلجاتے مگر رستہ نہ پایا
جہان دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا | کہین ہمنے تجھے تنہا نہ پایا
چراغِ داغ لیکر دل مین ڈھونڈا | اثر پر صبر و طاقت کا نہ پایا
وہ از خود رفتہ ہون جسکو خودی نے | خدائی مین اگر ڈھونڈا نہ پایا
یہی ہر دم ہے زخمِ دل کو رونا | دہن پایا لبِ گویا نہ پایا
کبھی تو اور کبھی تیرا رہا غم | غرض خالی دلِ شیدا نہ پایا
نظیر اُسکا کہان عالم مین اے ذوق | کہین ایسا نہ پائے گا نہ پایا

۲

مرے سینہ سے تیرا تیر جب اے جنگجو نکلا | دہانِ زخم سے خون ہوکے حرفِ آرزو نکلا
مرا گھر تیرا منزلگاہ ہو ایسے کہان طالع | خدا جانے کدھر کا چاند آج اے ماہرو نکلا
پھرا گر آسمان تو شوق مین تیرے ہے سر گردان | اگر خورشید نکلا تیرا گرمِ جستجو نکلا
مئے عشرت کا تھا خمخانہ افلاک پر دھوکا | کہ تھا لبریز غم اس خمکدہ سے جب سبو نکلا
کہین تجھکو نہ پایا گرچہ ہمنے اک جہان ڈھونڈا | پھر آخر دل ہی مین دیکھا بغل ہی مین سے تو نکلا
خجل اپنے گناہون سے ہون یہانتک مین کہ جب رویا | تو جو آنسو مری آنکھون سے نکلا سرخرو نکلا
گھسے سب ناخنِ تدبیر اور ٹوٹی سرِ سوزن | مگر تھا دل مین جو کانٹا نہ وہ ہرگز کبھو نکلا

اُسے عیار پایا یار سمجھے ذوق ہم جس کو
جسے یان دوست اپنا ہم نے جانا وہ عدو نکلا

٣

لکھئے اُسے خط مین کہ ستم اُٹھ نہین سکتا
پر ضعف سے ہاتھون سے قلم اُٹھ نہین سکتا

بیمار ترا صورت تصویر نہالی
کیا اُٹھے سر بستر غم اُٹھ نہین سکتا

آتی ہے صدائے جرس ناقۂ لیلےٰ
پر حیف کہ مجنون کا قدم اُٹھ نہین سکتا

جون دانۂ روئیدہ تہ خاک ہمارا
سر زیر گران بار الم اُٹھ نہین سکتا

ہر داغ معاصی مرا اُس دامن تر سے
جون حرف سر کاغذ نم اُٹھ نہین سکتا

اتنا ہون ترے تیغ کا شرمندۂ احسان
سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہین سکتا

پردہ در کعبہ سے اٹھانا تو ہے آسان
پر پردۂ رخسار صنم اُٹھ نہین سکتا

کیون اتنا گران بار ہے جو زاد سفر بھی
اے راہ رو ملک عدم اُٹھ نہین سکتا

دنیا کا زر و مال کیا جمع تو کیا ذوق
کچھ فائدہ بے دست کرم اُٹھ نہین سکتا

٤

نالہ کہتا ہے کہ تا چرخ زحل جاؤنگا
بلکہ مین توڑ کے اُسکو بھی نکل جاؤنگا

آج اگر راہ نہ پاؤنگا تو کل جاؤنگا
کوچۂ یار مین پر سر ہی کے بل جاؤنگا

دل سے کہتا ہون کہ تو ساتھ نہ لیجا مجکو
جا کے مین وان ترے قابو سے نکل جاؤنگا

مدرسہ مین بھی اگر جاؤنگا تو جائے کتاب
شیشۂ بادہ لئے زیر بغل جاؤنگا

دل یہ کہتا ہے مجھے سینۂ روزن سی نکال
ورنہ خون ہو کے مین آنکھون سے نکل جاؤنگا

آنکھ سے اشک صفت مجکو گرا کر نہ اُٹھا
دل نہین مین کہ سنبھالے سے سنبھل جاؤنگا

گر پڑا آگ مین پروانہ دم گرمی شوق
سمجھا اتنا بھی نہ کم بخت کہ جل جاؤنگا

کہتا پیراہن گل ہے یہ نزاکت سے نسیم
ہاتھ مجکو نہ لگانا کہ نکل جاؤنگا

سنتے ہو زاہد و ناصح جو ہین سمجھاتے مجھے
کیا بدل دیوینگے یہ اور مین بدل جاؤنگا

مین وہ مشتاق شہادت ہون کہ سر دینے کو
پاسے کویان تہ شمشیر اجل جاؤنگا

جنبشِ برگ صفت باغ جہانمین اے ذوق — کچھ نہ ہاتھ آئیگا تو ہاتھ تو مل جائیگا

۵

ابر کیا۔ آنسو بہانا کوئی ہم سے سیکھ جائے — برق کیا ہے۔ تلملانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

پوچھے ملا سے جسے کرنا ہو سجدہ سہو کا — سیکھے گر اپنا بھلانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

تیر و پیکان جتنے دلمین تھے دئے ہمنے نکال — اپنے ہاتھون گھر لٹانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

دیکھ کر قاتل کو بھر لائے خراشِ دلمین خون — سچ تو یون ہے مسکرانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

خط مین لکھوا کر انھین بھیجا تو مطلع درد کا — درد دل اپنا جتانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ سے — دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

جب کہا مرتا ہون۔ وہ بولے مرا سر کاٹ کر — جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

وہان ملے ابرو۔ یہان پھیری گلے پر ہمنے تیغ — بات کا ایسا بھی پانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

سنکر آمد اُنکی ازخود رفتہ ہوجاتے ہین ہم — پیشوا لینے کو جانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

ہمسے پہلے ہی کہا تھا تو کریگا ہم کو قتل — تیورون کا تاڑ جانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

جو سکھایا اپنی قسمت نے وگرنہ اُسکو غیر — کیا سکھائیگا سکھانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

کیا ہوا اے ذوق ہین جون مردمک ہم روسیاہ — لیکن آنکھون مین سمانا کوئی ہمسے سیکھ جائے

۶

سر بوقت ذبح اپنا اُسکے زیر پائے ہے — یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رخصت اے زندان جنون زنجیر در کھڑکائے ہے — مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

واہ وا شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک — استخوان میرا ہما کس کس مزے سے کھائے ہے

دم کی ہے سینہ مین آکر ضعف سے یہ گفتگو — دیکھئے لب تک خدا کس طرح سے پہنچائے ہے

بس کرم سوز دروں بہہ جائینگے دل اور جگر — رحم جوشِ گریہ۔ چھاتی پھر اُٹھی بھر آئے ہے

بلبے استغنا کہ وہ یان آتے آتے رہ گئے — اُف رے بیتابی۔ کہ یان تو دم ہی نکلا جائے ہے

نزع میں بھی ذوق کو تیرا ہی بس ہے انتظار | جانبِ در دیکھ لے ہے جبکہ ہوش آجائے ہے

۷

دیوان چندو لال مدار المہام دربار حیدرآباد نے کئی ہزار روپیے بھیجکر بلا بھیجا۔ اور مصرع اپنی طرح مشاعرہ کا بھیجا۔ ذوق مرحوم نے زمین مذکور میں دو غزلہ لکھکر بھیجدیا۔ اور روپیہ نہ لیا۔ اُسی سے یہ چند اشعار انتخاب کر کے یہان لکھے گئے۔

کل گئے تھے تم جسے بیمارِ ہجران چھوڑ کر | چل بسا وہ آج سب ہستی کا سامان چھوڑ کر
طفلِ اشک ایسا گرا دامانِ مژگان چھوڑ کر | پھر نہ اُٹھا کوچۂ چاکِ گریبان چھوڑ کر
کام یہ تیرا ہی تھا رحمت ہوا سے ابرِ کرم | ورنہ جائے داغِ عصیان بیرِ دامن چھوڑ کر
مین ہون وہ گمنام جب دفتر مین نام آیا مرا | رہ گیا بس منشیِ قدرت جگہہ وان چھوڑ کر
اہلِ جوہر کو وطن مین رہنے دیتا گر فلک | لعل کیون اس رنگ سے آتا بدخشان چھوڑ کر
گر خدا دیوے قناعت ماہ یک ہفتہ کی طرح | دوڑے ساری کو بھی آدھی نہ انسان چھوڑ کر
گرچہ ہے ملکِ دکن مین ان دنون قدرِ سخن | کون جائے ذوق پر دلی کی گلیان چھوڑ کر

۸

بلبل ہون صحنِ باغ سے دور اور شکستہ پر | پروانہ ہون چراغ سے دور اور شکستہ پر
کیا ڈھونڈے دشت گم شدگی مین مجھے کہ ہے | عنقا مرے سراغ سے دور اور شکستہ پر
اس مرغِ ناتوان پہ ہے حسرت جو رہ گیا | مرغان کوہ و راغ سے دور اور شکستہ پر
ساقی بطِ شراب ہے تجھ بن پڑی ہوئی | خم سے الگ ایاغ سے دور اور شکستہ پر
خود اڑ کے پہونچے نامہ جو ہو مرغِ نامہ بر | اُس شوخ خوش دماغ سے دور اور شکستہ پر
کرتا ہے دل کا قصد کمان دار تیرا تیر | پر ہے نشانِ داغ سے دور اور شکستہ پر

اے ذوق میرے طائرِ دل کو کہان فراغ
کوسون ہے وہ فراغ سے دور اور شکستہ پر

۹

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دنیا سے دل لگے
پر کیا کرین جو کام نہ بے دل لگی چلے

کم ہونگے اس بساط پہ ہم جیسے بد قمار
جو چال ہم چلے سو نہایت بُری چلے

ہو عمر خضر بھی تو کہین گے بوقتِ مرگ
ہم کیا رہے یہان ابھی آئے ابھی چلے

نازان نہ ہو خرد پہ جو ہونا ہو وہ ہی ہو
دانش تری نہ کچھ مری دانشوری چلے

دنیا نے کس کا آہ فنا مین دیا ہے ساتھ
تم بھی چلے چلو یونہین جبتک چلی چلے

جاتے ہوائے شوق مین ہین اس چمن سے ذوق
اپنی بلا سے بادِ صبا اب کبھی چلے

انتخاب از کلیات غالب

قصیدہ

ہان مہِ نو سنین ہم اُسکا نام
جسکو تو جھک کے کر رہا ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہان رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ ایام

اُڑکے جاتا کہان کہ تارون کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

عذر مین تین دن نہ آنے کے
لیکے آیا ہے عید کا پیغام

اُسکو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

ایک مین تھا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

راز دل مجھ سے کیون چھپاتا ہے
مجکو سمجھا ہے کیا کہین نمام

جانتا ہون کہ آج دنیا مین
ایک ہی ہے امیدگاہِ انام

مینے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
غالب اُسکا مگر نہین ہے غلام

جانتا ہون کہ جانتا ہے تو — تب کہا ہے بطرز استفہام
مہر تابان کو ہو تو ہو اے ماہ — قرب ہر روزہ بر سبیل دوام
تجھکو کیا پایہ روشناسی کا — جز بہ تقریب عید ماہ صیام
جانتا ہون کہ اُسکے فیض سے تو — پھر بنا چاہتا ہے ماہ تمام
ماہ بن ماہتاب بن مین کون — مجھکو کیا بانٹ دیگا کیا انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے — اور کے لین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزوے بخشش خاص — گر تجھے ہے امید بخشش عام
جو کہ بخشیگا تجھکو فرّ فروغ — کیا نہ دیگا مجھے مے گلفام
جبکہ چودہ منازلِ فلکی — کر چکی قطع تیری تیزی گام
تیرے پرتو سے ہون فروغ پذیر — کوے و مشکوے و صحن و منظر و بام
دیکھنا میرے ہاتھ مین لبریز — اپنی صورت کا اک بلورین جام

آفتاب

صبحدم دروازۂ خاور کھلا — مہر عالمتاب کا منظر کھلا
خسروِ انجم کے آیا صرف مین — شب کو تھا گنجینۂ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک کیمیا کی سی نمود — صبح کو رازِ مہ و اختر کھلا
ہین کواکب کچھ نظر آتے ہین کچھ — دیتے ہین دھوکا یہ بازیگر کھلا
سطح گردون پر پڑا تھا رات کو — موتیون کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر — اک نگارِ آتشین رخ سر کھلا
تھی نظربندی کیا جب ردِ سحر — بادۂ گلرنگ کا ساغر کھلا

لا کے ساقی نے صبوحی کے لیے
رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا

در صفت انبہ

ہاں دلِ دردمند زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درِ خزینۂ راز

خامے کا صفحہ پر رواں ہونا
شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے
نکتہ ہائے خرد فزا لکھیے

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے
خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے

آم کا کون مردِ میداں ہے
ثمر و شاخ گوے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں
آئے یہ گوے اور یہ میداں

آم کے آگے پیش جاوے خاک
پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے
شرم سے پانی پانی ہونا ہے

مجھ سے پوچھو تمھیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اس مین نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں آئے تب ہو اسکی بہار

اور دوڑایئے قیاس کہاں
جانِ شیریں میں یہ مٹھاس کہاں

جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
کوہکن باوجود غمگینی

جان دینے میں اسکو یکتا جان
پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
کہ دواخانۂ ازل میں مگر

آتشِ گل پہ قند کا ہے قوام
شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے
باغبانوں نے باغِ جنت سے

انگبیں کے بہ حکمِ رب الناس
بھر کے بھیجے ہیں سر بمہر گلاس

یا لگا کر خضر نے شاخِ نبات
مدتوں تک دیا ہے آبِ حیات

تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

تھا ترنجِ زر ایک خسرو پاس　　رنگ کا زرد پر کہان بو باس
آم کو دیکھتا اگر یک بار　　پھینک دیتا طلاے دست افشار
رونقِ کارگاہ برگ و نوا　　نازشِ دودمان آب و ہوا
رہروِ راہِ خلد کا توشہ　　طوبیٰ و سدرہ کا جگر گوشہ
صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم　　ناز پروردۂ بہار ہے آم

قطعہ

اے تازہ واردان ہواے بساط دل　　زنہار اگر تمھین ہوس ناے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو　　میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط　　دامان باغبان و کفِ گلفروش ہے
لطفِ خرام ساقی و ذوقِ صداے چنگ　　یہ جنتِ نگاہ وہ فردوس گوش ہے
یا صبحدم جو دیکھیے آکر تو بزم مین　　نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی　　اک شمع رہگئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
آتے ہین غیب سے یہ مضامین خیال مین　　غالب صریر خامہ نواے سروش ہے

غزلیات

دوست غمخواری مین میری سعی فرمائینگے کیا　　زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئینگے کیا
بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک　　ہم کہینگے حال دل اور آپ فرمائینگے کیا
حضرت ناصح گر آوین دیدہ و دل فرش راہ　　کوئی مجکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائینگے کیا
آج وان تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہون مین　　عذر میرے قتل کرنے مین وہ اب لائینگے کیا
گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یون سہی　　یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائینگے کیا
خانہ زاد زلف ہین زنجیر سے بھاگینگے کیون　　ہین گرفتارِ وفا زندان سے گھبرائینگے کیا
ہے اب اس معمورہ مین قحط غم الفت اسد　　ہمنے مانا یہ کہ دلی مین رہین کھائینگے کیا

٢

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا	اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا	کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
یہ کہان کی دوستی ہے کہ بنے ہین دوست ناصح	کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا	جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
کہون کس سے مین کہ کیا ہے شبِ غم بری بلا ہے	مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیون نہ غرق دریا	نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہین مزار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا	جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہین دوچار ہوتا
یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب	تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

٣

ہے بسکہ ہر اک انکے اشارے مین نشان اور	کرتے ہین محبت تو گذرتا ہے گمان اور
یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھینگے مری بات	دے اور دل انکو جو نہ دے مجکو زبان اور
تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اٹھینگے	لے آئینگے بازار سے جا کر دل وجان اور
ہے خونِ جگر جوش مین دل کھول کے روتا	ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشان اور
لوگون کو ہے خورشید جہان تاب کا دھوکا	ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغ نہان اور
لیتا نہ اگر دل تمہین دیتا کوئی دم چین	کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ وفغان اور
پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے	رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور
ہین اور بھی دنیا مین سخنور بہت اچھے	کہتے ہین کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

٤

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور	تنہا گئے کیون اب رہو تنہا کوئی دن اور
آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤن	مانا کہ ہمیشہ نہین اچھا کوئی دن اور

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہان اے فلکِ پیر جوان تھا ابھی عارف
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

تم ماہ شبِ چاردہم تھے مرے گھر کے
پھر کیون نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

مجھ سے تمھین نفرت سہی نیر سے لڑائی
بچون کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

گذری نہ بہرحال یہ مدت خوش و ناخوش
کرنا تھا جوان مرگ گزارا کوئی دن اور

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہین غالب
قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

۵

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج مین ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھین کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کرون خونِ جگر ہونے تک

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہین فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ مین جلتی ہے سحر ہونے تک

۶

سب کہان کچھ لالہ و گل مین نمایان ہوگئین
خاک مین کیا صورتین ہونگی کہ پنہان ہوگئین

یاد تھین ہمکو بھی رنگارنگ بزم آرائیان
لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیان ہوگئین

قید مین یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھین روزنِ دیوارِ زندان ہوگئین

مین چمن مین کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلین سنکر مرے نالے غزلخوان ہوگئین

بسکہ روکا مینے اور سینے مین ابھرین پے بہ پے
میری آہین بخیۂ چاکِ گریبان ہوگئین

ہم موحد ہین ہمارا کیش ہے ترک رسوم ۔ ملتین جب مٹ گئین اجزاے ایمان ہوگئین

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹجاتا ہے رنج ۔ مشکلین مجھپر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

یون ہی گر روتا رہا غالب تو اے اہل جہان ۔ دیکھنا ان بستیون کو تم کہ ویران ہوگئین

۷

ابن مریم ہوا کرے کوئی ۔ میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی ۔ نہ کہو گر بُرا کرے کوئی

روک لو گر غلط چلے کوئی ۔ بخش دو گر خطا کرے کوئی

کون ہے جو نہین ہے حاجتمند ۔ کس کی حاجت روا کرے کوئی

کیا کیا خضر نے سکندر سے ۔ اب کسے رہنما کرے کوئی

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب ۔ کیون کسی کا گلہ کرے کوئی

۸

پھر اس انداز سے بہار آئی ۔ کہ ہوئے مہر و مہ تماشائی

دیکھو اے ساکنان خطۂ خاک ۔ اس کو کہتے ہین عالم آرائی

کہ زمین ہوگئی ہے سر تا سر ۔ روکش سطح چرخ مینائی

سبزہ کو جب کہین جگہہ نہ ملی ۔ بنگیا روے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے ۔ چشم نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا مین شراب کی تاثیر ۔ بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی

کیون نہ دنیا کو ہو خوشی غالب ۔ شاہ دیندار نے شفا پائی

۹

کوئی امید بر نہین آتی ۔ کوئی صورت نظر نہین آتی

موت کا ایک دن معین ہے ۔ نیند کیون رات بھر نہین آتی

آگے آتی تھی حال دل پہ ہنسی — اب کسی بات پر نہین آتی
جانتا ہون ثواب طاعت و زہد — پر طبیعت ادھر نہین آتی
ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہون — ورنہ کیا بات کر نہین آتی
ہم وہان ہین جہان سے ہمکو بھی — کچھ ہماری خبر نہین آتی
مرتے ہین آرزو مین مرنے کے — موت آتی ہے پر نہین آتی
کعبہ کس منہ سے جاؤگے غالب — شرم تمکو مگر نہین آتی

۱۰

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے — آخر اس درد کی دوا کیا ہے
ہم ہین مشتاق اور وہ بیزار — یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے
مین بھی منہ مین زبان رکھتا ہون — کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
جبکہ تجھ بن نہین کوئی موجود — پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہین — غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے
شکنِ زلفِ عنبرین کیون ہے — نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہان سے آئے ہین — ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے
ہم کو ان سے وفا کی ہے امید — جو نہین جانتے وفا کیا ہے
ہان بھلا کر ترا بھلا ہوگا — اور درویش کی صدا کیا ہے
جان تمپر نثار کرتا ہون — مین نہین جانتا دعا کیا ہے
مینے مانا کہ کچھ نہین غالب — مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

۱۱

کی وفا ہمسے تو غیر اسکو جفا کہتے ہین — ہوتی آئی ہے کہ اچھون کو برا کہتے ہین
آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر ان سے — کہنے جاتے تو ہین پر دیکھئے کیا کہتے ہین

اگلے وقتون کے ہین یہ لوگ انھین کچھ نہ کہو — جو مئے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہین
دلمین آجاے ہے ہوتی ہی جو فرصت غش سے — اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہین
ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود — قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہین
دیکھیے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اُسکی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہین
وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہوین شاید — مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہین

میر ببر علی انیس

پیدایش فیض آباد ۱۲۱۶ھ — وفات لکھنؤ ۱۲۹۱ھ

میر مستحسن خلیق کے بیٹے اور میر حسن دہلوی کے پوتے تھے۔ لکھنؤ مین تربیت پائی اور ضروریات فن سے آگاہی حاصل کی۔ اپنے خاندانی کمال مین باپ کے شاگرد تھے۔

ابتدا مین انھین بھی غزل کا شوق تھا۔ ایک موقع پر کہین مشاعرہ مین گئے اور غزل پڑھی۔ وہان بڑی تعریف ہوئی۔ شفیق باپ یہ خبر سنکر دلمین تو باغ باغ ہوا۔ مگر ہونہار فرزند سے پوچھا کہ کل رات کو کہان گئے تھے؟ انھون نے حال بیان کیا۔ غزل سنی اور فرمایا کہ بھائی! اب اس غزل کو سلام کرو اور اُس شغل مین زور طبع کو صرف کرو جو دین و دنیا کا سرمایہ ہے۔ سعادت مند بیٹے نے اُسی دن اُدھر سے قطع نظر کی۔ غزل مذکور کی طرح مین سلام کہا۔ دنیا کو چھوڑ کر دین کے دایرہ مین آگئے اور تمام عمر اسی مین صرف کر دی۔ نیک نیتی کی برکت نے اسی مین دین بھی دیا اور دنیا بھی۔

انکی بلکہ انکے گھرانے کی زبان اُردوے معلی کے لحاظ سے تمام لکھنؤ مین سند تھی۔ حسن بیان۔ لطف محاورہ۔ کلام کی صفائی اس درجہ ہے کہ کسی دوسرے کو نصیب نہین۔ انھون نے ایجاد مضامین کے دریا بہا دئے۔ ایک مقرری مضمون کو سیکڑون نہین ہزارون رنگ سے ادا کیا۔ ہر مرثیہ کا چہرہ نیا۔ گھوڑا نیا۔ انداز نیا۔ مقابلہ نیا۔ اور اسپر کیا منحصر ہے صبح کا عالم دیکھو تو سبحان اللہ۔ رات کی رخصت۔ سیاہی کا پھٹنا۔ نور کا ظہور۔ آفتاب کا طلوع۔ مرغزار کی بہار۔ شام ہے تو شام غریبان کی اُداسی۔ کبھی رات کا سناٹا۔

کبھی تارون کی چھاؤن کو چاندنی اور اندھیری کے ساتھ رنگ رنگ سے دکھایا ہے۔ غرض جس حالت کو لیا ہے اُسکا سما باندھ دیا ہے

سنہ ولادت کا کسی تذکرہ سے پتہ نہین چلتا۔ مگر یہ معلوم ہے کہ تقریباً ۴۷ برس کی عمر پائی اور ۲۹ر شوال ۱۲۹۱ھ بروز جمعہ اس جہان فانی سے آپنے رحلت کی۔

مناجات

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر   اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا میدان ہے توجہ کوئی دم کر   گمنام کو اعجاز بیانون مین رقم کر
جبتک یہ چمک مہر کے پرتو سے نجائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نجائے

اس باغ مین چشمے ہین ترے فیض کے جاری   بلبل کی زبان پر ہے تری شکرگذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری   پھل ہمکو بھی ملجائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہو عنایت چمنِ طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہو جن پھولونکی بو کو

غواص طبیعت کو عطا کر وہ لآلی   ہو جنکی جگہہ تاج سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی   عالم کی نگاہون سے گرے قطب شمالی
سب ہون دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُنکی یہ ہونگے جنھین رشتہ ہے نبی سے

بھردے دُرِ مقصود سے اس درج دہاں کو   دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو
آگاہ کر انداز تکلم سے زبان کو   عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسن بیان کو
تحسین کا سمٰوات سے غل تابہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

تعریف مین چشمے کو سمندر سے ملا دون　　قطرے کو جو دون آب تو گوہر سے ملا دون
ذرہ کی چمک مہر منور سے ملا دون　　خارون کو نزاکت مین گلِ تر سے ملا دون
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھون
اک پھول کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھون

گر بزم کی جانب ہو توجہ دمِ تحریر　　کھنچ جاے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر　　ہو جائے ہوا بزمِ سلیمان کی بھی توقیر
یون تختِ حسینانِ معانی اُتر آئے
ہر چشم کو پریون کا اکھاڑا نظر آئے

ساقی کے کرم سے ہو دو دور اور چلین جام　　جسمین عوض نشۂ ہو کیفیت انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایام　　صوفی کی زبان بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہان بادہ کشو پوچھ لو میخانہ نشین سے
کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ برین سے

آؤن طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم　　خیبر کی خبر لاے مری طبعِ اولو العزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم　　دکھلاے یہین سب کو زبان معرکۂ رزم
جل جائین عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

مصرع ہون صف آرا صفتِ لشکرِ جرار　　الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
نقطے ہون جو ڈھالین تو الف خنجرِ خونخوار　　مد آگے بڑھیں برچھیون نکونون سے یکبار
غل ہو کبھی یون فوج کو لڑتے نہین دیکھا
مقتل مین رن ایسا کبھی پڑتے نہین دیکھا

ہو ایک زبان ماہ سے تا مسکنِ ماہی　　عالم کو دکھا دے برشِ سیفِ الٰہی

جرأت کا دہنی تو ہے یہ چلا ئین سپاہی　　لاریب ترے نام پہ ہے سکۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اس طبل و علم کا

مناظر قدرت

عربی اور فارسی مین مناظر قدرت پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اور اردو مین تو گویا سرے سے اسکا وجود ہی نہ تھا۔ میر ضمیر نے سب سے پہلے اسپر طبع آزمائی کی۔ لیکن وہ مضمون بندی اور استعارات کو کلام کا اصلی جوہر سمجھتے تھے اسلئے اصلی حالت نہ ادا کرسکے۔ میر انیس نے اس صنف پر اگرچہ صرف دو تین مرثئے لکھے ہین۔ لیکن جو کچھ لکھا ہے کمال کے درجہ پر پہونچا دیا ہے۔

صبح کا سمان

طے کرچکا جو منزل شب کاروانِ صبح　　ہونے لگا اُفق سے ہویدا نشان صبح
گردون سے کوچ کرنے لگے اختران صبح　　ہر سو ہوئی بلند صداے اذان صبح
پنہان نظر سے روے شبِ تار ہوگیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہوگیا

خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقاب شب　　در کُھل گیا سحر کا ہوا بند باب شب
انجم کی فرد فرد سے لیکر حساب شب　　دفتر کشاے صبح نے الٹی کتاب شب
گردون پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا
سلطان غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا

یون گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے عیان　　چن لے چمن سے پھولونکو جسطرح باغبان
آئی بہار مین گل مہتاب پر خزان　　مرجھا کے رہ گئے ثمرِ شاخ کہکشان
دکھلاے طور باد سحر نے سموم کے
پژمردہ ہوکے رہ گئے غنچے نجوم کے

چھپنا وہ ماہتاب کا وہ صبح کا ظہور — یادِ خدا مین زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا وہ فضا وہ نور — خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور

انسان زمین پہ محو ملک آسمان پر
جاری تھا ذکر قدرت حق ہر زبان پر

وہ سرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار — وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کی وہ گلون پہ گہرہائے آبدار — پھولون سے سب بھرا ہوا دامان کوہسار

نافے کھُلے ہوئے وہ گلون کے شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمین رشک آسمان — تھا دور دور تک شب مہتاب کا سمان
چھٹکے ہوئے ستارونکا ذرون پہ تھا گمان — نہر فرات بیچ مین تھی مثل کہکشان

سرسبز جو درخت تھا وہ نخل طور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

ایضاً

پھولا شفق سے چرخ پہ لالہ زار صبح — گلزار شب خزان ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح — سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح

تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن مین گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکون کا دمبدم — مرغان باغ کی وہ خوش الحانیان بہم
وہ آب تاب نہر وہ موجونکا پیچ و خم — سردی ہوا مین پر نہ زیادہ بہت نہ کم

کیا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

وہ صبح نور اور وہ صحرا وہ سبزہ زار | تھے طائرون کے غول درختوں پہ بیشمار
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار | کو کو وہ قمریون کی وہ طاؤس کی پکار

وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت مین جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سمان | تھا جسکی ضو سے وجد مین طاؤس آسمان
ذرون کی روشنی پہ ستارونکا تھا گمان | نہرِ فرات بیچ مین تھی مثلِ کہکشان

ہر نخل پر ضیاے سرِ کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینہاے لاجورد | مخمل سی وہ گیاہ وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہواے سرد | یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد

دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

گرمی کا سمان

گرمی کا سمان شعراے فارسی نے باندھا ہے لیکن نہایت مبالغہ اور دوراز کار خیالات سے کام لیا ہے۔ میر انیس بھی اگرچہ رواج عام کے اثر سے نیچرل حالت سے جابجا تجاوز کر گئے ہین تاہم انکا اصلی جوہر بھی نمایان ہے۔

وہ لون وہ آفتاب کی حدت وہ تاب و تب | کالا تھا رنگ دھوپ سے دنکا مثال شب
خود نہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوے تھے لب | خیمے جو تھے حبابون کے تپتے تھے سب کے سب

اڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

آبِ رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور | جنگل مین چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر ادھر

مردم تھے سات پردونکے اندر عرق مین تر | غش خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ مین
پڑ جائین لاکھ آبلے پائے نگاہ مین

کوسون کسی شجر مین نہ گل تھے نہ برگ و بار | ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار | کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سبکے سرد تھے
پتے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے | آہو نہ مُنہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدر غبار سے | گردون کو تپ چڑھی تھی زمین کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بھُن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

گرداب پر تھا شعلۂ جوالہ کا گمان | انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشان
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زبان | تہ مین تھے سب نہنگ مگر تھی لبون پہ جان
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب وتب کی تاب | چھپنے کو برق چاہتا تھا دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجون کو اضطراب | کافورِ صبح ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر مین
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر مین

منظر

کسی خاص واقعہ یا کسی خاص حالت کی تصویر کھینچنا جسکو انگریزی مین سین کہتے ہین

واقعہ نگاری کی ایک قسم ہے۔ عام واقعہ نگاری اور سین مین یہ فرق ہے کہ واقعہ نگاری مین ہر واقعہ انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔ بخلاف اسکے سین اس کیفیت کا نام ہے جو متعدد واقعات یا واقعہ کے متعدد جزئیات کے مجموعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اس شعر مین ؎

لون چلتی ہے خاک اڑتی ہے ہے ظہر کا ہنگام　　　تنہا یہ چلی آتی ہے امڈی ہوئی سپہ شام

لون کا چلنا خاک کا اُڑنا۔ ظہر کا وقت ہونا۔ فوجون کا اُمنڈنا۔ ہر چیز کو الگ الگ لیا جائے تو واقعہ ہے اور ان سب کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو سین ہے۔

میر انیس نے شاعری کے اس صنف کو جس کمال تک پہنچایا اُردو کیا فارسی مین بھی اس کی بہت کم مثالین ملتی ہین۔ ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین۔

گرمی کی شدت مین لوگونکی حالت

وہ گرمیون کے دن وہ پہاڑونکی راہ سخت　　　پانی نہ منزلون نہ کہین سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینونمین ہین عازیونکے رخت　　　سونلاگئے ہین رنگ جوانان نیک بخت
راکب عبائین چاند سے چہرے پہ ڈالے ہین
تو سنے ہوئے سمند زبانین نکالے ہین

وہ دن ہین جن دنون کوئی کرتا نہین سفر　　　صحرا کے جانور بھی نہین چھوڑتے ہین گھر
رنج مسافرت مین ہین سلطان بحر و بر　　　سب برگ گل سے خشک ہین چہرہ عرق مین تر
آتی ہے خاک اُڑکے یمین و یسار سے
گیسوے مشکبار اٹے ہین غبار سے

فوجون کی آمد اور جنگ کی تیاری

ہے شور آمد آمد فوج فلک سریر　　　فوجون کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہین سناتین لئے شریر　　　حضرت کے پیشکش کو کمانین ہین اور تیر
پانی پہ چوکیان ستم آرا بٹھاتے ہین

دریا کے گھاٹ پر چھوٹے روکے جاتے ہیں

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار
بے جا بجا درستیِ اسباب کارزار
ہوتے ہیں لیس تیروں کے دستے کئی ہزار
خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار
نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

گرمی کی شدت

تھکتے تھے شتر بہ شدتِ گرما سے حجر میں
چلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نے بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں
جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنویں خشک پڑے تھے

گرمی سے بچنے کی تدبیریں

بھرتا تھا دمِ سرد پریشان کوئی ہو کے
دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لون سے ردا چہرہ پہ دے کے
رکھ لیتا تھا سر پہ کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو مزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

فوجوں کا داخلہ اور تیاری جنگ

خیمہ میں اترے یاں تو شہِ عرش بارگاہ
آ آ کے اُس طرف بھی اُترنے لگی سپاہ
کوسوں علم کھلے تھے جدھر کیجئے نگاہ
یاں تک کہ بند ہو گئی چار و طرف سے راہ
فوجوں سے تا بہ صبح زمیں رن کی بھر گئی
اک رات میں چڑھی ہوئی ندی اتر گئی

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم
آ پہونچا شام سے پسرِ سعدِ نحس و شوم

جسکے جلو مین لاکھ سوار و نکا ہے ہجوم | اکثر ہین یکہ تاز جوانان شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئیگا
اب کل سے بندوبست لڑائی کا ہوئیگا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان | اُمڈا زمین پہ ظلم کا دریائے بیکران
موجون کی طرح سے تھین صفین پیش و پس رواں | لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادبان
ہلتا تھا دشت کین دہل اسطرح بجتے تھے
باجون کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

جنگی وہ رومیون کے پرے شامیون کے دل | خوف خدا نہ جن کو نہ اندیشۂ اجل
مکار و اہل نار و دغا باز پر دغل | شکلین مہیب دیو سے قدا ژدہون پہ بل
بدخواہ خاندان رسالت پناہ تھے
ایسے جلے ہوئے تھے کہ چہرے سیاہ تھے

تلوارین کھینچے بڑھکے جمے دو طرف سوار | غل ہو گیا سلامی کے باجون کا ایک بار
ڈنکے کی دمبدم تھی صدا آسمان کے پار | آگے بڑھے جلو پہ نقیبون کی تھی پکار
گھوڑون کے گرد و پیش رکیبان شام تھے
زرین کمر جلو مین کئی سو غلام تھے

رزمیہ

درمیہ شاعری اگرچہ واقعہ نگاری ہی کی ایک قسم ہے۔ لیکن وسعت اور حمیت سے لحاظ سے اسکے لئے جدا عنوان قایم کیا گیا۔ اردو بلکہ عربی مین بھی رزمیہ شاعری کو چندان ترقی نہین ہوئی۔ اردو مین میر تقی ہوس کے چند اشعار ہین جو نوفل اور لیلیٰ کے قبیلہ کی لڑائی کے موقع پر لکھے ہین۔ مرثیہ مین میر ضمیر نے رزمیہ کی ابتدا کی لیکن وہ بالکل نقش اولین تھا میر انیس نے جس طرح اس صنف کو کمال کے درجہ تک پہونچایا اسکے لحاظ سے اردو شاعری گو فارسی کے

برابری کا دعوے نہین کرسکتی لیکن عربی سے کسی طرح پیچھے نہین

رزمیہ شاعری کا کمال امور ذیل پر موقوف ہے۔ سب سے پہلے لڑائی کی تیاری۔ معرکہ کا زور شور۔ تلاطم۔ ہنگامہ خیزی۔ ہل چل۔ شور وغل۔ نعرون کی گونج۔ ٹاپون کی آواز ہتھیارون کی جھنکار تلوارون کی چمک دمک۔ تیرون کی لچک۔ کمانون کا تڑکنا۔ نقیبون کا گرجنا۔ ان چیزون کا اسطرح بیان کیا جائے کہ آنکھون کے سامنے معرکۂ جنگ کا سمان چھا جائے۔ پھر بہادرون کا میدان جنگ مین جانا۔ مبارز طلب ہونا۔ باہم معرکہ آرائی کرنا۔ لڑائی کے داؤن پیچ دکھانا۔ ان سب کا بیان کیا جائے۔ اسکے ساتھ اسلحۂ جنگ اور دیگر سامان جنگ کی الگ الگ تصویر کھینچی جائے۔ پھر فتح یا شکست کا بیان کیا جائے اور اسطرح کیا جائے کہ دل دہل جائین۔ یا طبیعتون پر اداسی یا غم کا عالم چھا جائے۔ میر انیس مین یہ سب باتین پائی جاتی ہین۔

ہنگامہ جنگ

نقارۂ وغا پہ لگی چوب یک بیک ‌ ‌ ‌ اُٹھا غریو کوس کہ ہلنے لگا فلک
شہپور کی صدا سے ہراسان ہوئے ملک ‌ ‌ ‌ قرنا پھنکی کہ گونج اُٹھا دشت دور تک
شورِ دُہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
مُردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے

گھوڑون سے گونجتا تھا وہ سب وادی نبرد ‌ ‌ ‌ گردون مین مثل شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تھا چرخ چارمین پہ رخِ آفتاب زرد ‌ ‌ ‌ ڈر تھا گرے زمین پہ نہ مینائے لاجورد
گرمی ہجوم فوج سے دوچند ہو گئی
خاک اسقدر اڑی کہ ہوا بند ہو گئی

کانپے طبق زمین کہ ہلا چرخ لاجورد ‌ ‌ ‌ مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
اُٹھ کر زمین سے بیٹھ گئی زلزلہ مین گرد ‌ ‌ ‌ تیغون کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد

لرزی سے رات کے ہوش اُڑے دشت و دیر کے
شیر اُس طرف اُتر گئے دریا کو چیر کے

اللہ رے زلزلہ کہ لرزتے تھے دشت و در — جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر — دنیا میں خاک اُڑتی ہے اب جائیں ہم کدھر
اندھیرے اُٹھی برکت اب آسمان سے
ٹوٹا گیا زمین کا تعلق آسمان سے

تھرا رہا تھا خوف سے مینائے لاجورد — ہلتے تھے کوہ کہ بنتا تھا وادیٔ نبرد
تھا دن بھی زرد دھوپ بھی زرد اور زمین بھی زرد — خورشید چھپ گیا یہ اُٹھی کربلا میں گرد
اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہر میں
ٹاپو پڑے ہوئے تھے محیط سپہر میں

فوج کی تیاری اور سامان

اُمڈی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل — تھے جیحون کی صورت سفرا پل پہ پل
خنجر وہ جن کی آب میں تھی تلخیٔ اجل — وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیو منہ کے بل
دو دو تھے تیر پاس ہر اک خود پسند کے
حلقوں پہ تھے پچھے ہوئے حلقے کمند کے

وہ دھوم طبل جنگ کی وہ بوق کا خروش — کر ہو گئے تھے شور سے کروبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمین کہ اُڑے آسمان کے ہوش — نیزے ہلا کے نکلے سواران درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سواران شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

حد سے فزوں ہے کثرت افواج نابکار — نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ ہے تیغ آبدار
ہر سمت ہے سنان پہ سنان مثل خارزار — ہر صف میں ہے سپر پہ سپر مثل لالہ زار

پیکان اترے ہیں جیسے ہوں گل بے کھلے ہوئے
گوشوں سے ہیں کمانوں کے گوشے ملے ہوئے

ہر صف میں برچھیاں بھی ہزاروں لچکتی ہیں — نوکیں وہ تیز ہیں کہ دلوں میں کھٹکتی ہیں
نیزے تلے ہوئے ہیں سنانیں چمکتی ہیں — ترکش تلے ہوئے ہیں کمانیں کڑکتی ہیں
سنگین دلوں نے ہاتھوں پہ پتھر اٹھائے ہیں
تیغوں کے ساتھ گرز گراں سر اٹھائے ہیں

دونوں کی معرکہ آرائی اور فنون جنگ

پھینکا اپنے پہلو سے نیزہ لعین نے تان کر — چمکا انی تو برق پکاری کہ الامان
ان چند وار باندھ کر برچھی سے کیا کیا نشان — وانے کی ڈانٹ پر توستاں سے لڑی سنان
پل کیا کرے زور ہی موذی کا گھٹ گیا
شاید تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

جھنجھلا کے جب نیزہ کو لایا وہ فرق پر — قاسم نے ڈانٹ کر نہ بچایا اچکا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر — جھٹکا دیا تو جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ وہیں رکاب سے چھوٹا تھا ایک رہا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقارہ

سنبھلا وہ بے شعور پھر اٹھا کے تب — قبضہ سے لی کمان کیا فی بصد غضب
چلہ میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب — تیور چڑھا کے قاسم نوشاہ نے بھی تب
تیر نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلہ اتر گیا

گھوڑے کی تعریف

لکھتا ہے ادہم قلم اب سرعت عقاب — نعل اس کی ماہ نو ہیں تو سم رشک آفتاب

پستی میں سیل ہے تو بلندی پہ ہے سحاب — سرعت میں برق گرم روانی میں جوے آب

اڑنے میں اُس فرس کے پرندوں پہ اوج ہے

اک شور تھا قدم ہیں دریا کی موج ہے

نازک مزاج نسترن [illegible] — گردش میں سیر باد پہ چیا و برق [illegible]

اُسکا نہ اک قدم [illegible] کی سو — [illegible] سے نہ نکلی ملی کبھی اُسے نہ جو

[illegible] نظارے میں برق تھا

[illegible] میں پیچ موج کی [illegible] میں فرق تھا

صرصر سے تند پو سے سبک رو ہوا سے تیز — چالاک فہم و فکر سے ذہن رسا سے تیز

طاؤس کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز — جانے میں اُڑ کے ہدہدِ شہرِ سبا سے تیز

ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا

رہوار کیا ہوا سے سلیمان کا تخت تھا

سمٹا جما اُڑا اِدھر آیا اُدھر گیا — چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا

تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا — برہم کیا صفوں کو پرے سے گذر گیا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اُسکے فگار تھا

ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے — سرعت بلائیں لیتی تھی مُنہ چوم چوم کے

پامال تھے پرے سپہِ شام و روم کے — غل تھا یہ غول میں پسرِ سعد شوم کے

رخش ایسا روم و رے میں نہیں شام میں نہیں

یہ شوخیاں تو ابلق ایام میں نہیں

وہ جست و خیز و سرعت و چالاکی سمند — سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اُسکے جوڑ بند

سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند — نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سر بلند

گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

آہو کی جست غیرت کی آمد پری کی چال
کبک دری مخجل دل طاؤس پائمال

سبزہ سبکروی مین قدم کے تلے نہال
اک دو قدم مین بھول گئے چوکڑی غزال

جو آگیا قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کے تھے کہ چھلاوہ بھی گرد تھا

بجلی کبھی بنا کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابر گہربار بن گیا

گہ قطب گاہ گنبد دوار بن گیا
نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا

حیران تھے اسکے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا مین پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

تلوار کی تعریف

چمکی گری اٹھی ادھر آئی اُدھر گئی
خالی کئے پرے تو صفین خون مین بھر گئی

کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی
ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی

غل تھا یہ کیا ہے جو قہر حصر نہین
ایسا تو رود نیل مین بھی جذر و مد نہین

بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری
کٹ کر کسیکے تیغ کسیکے سپر گری

چمکی کبھی فلک پہ کبھی فرق پر گری
سر کاٹ کر ادھر سے جو اُٹھی اُدھر گری

زرہین تنون مین مثل کفن چاک ہو گئین
اک آن مین صفین کی صفین چاک ہو گئین

اک شور تھا کہ تیغ ہے یہ یا خدا کا قہر
بہتی ہے جسکے آگے سے کوسون لہو کی نہر

ناگن ہے یہ کہ کاٹے کی جسکے نہین ہے لہر
اُتری گلے سے چڑھ گیا سارے بدن مین زہر

زخمون سے جسم ڈر سے کلیجے فگار ہین۔
جوہر نہین ہین تیغ مین دندانِ مار ہین

یکتا برش مین جوہر ذاتی مین قدر مین
چمکی اُحد مین خیبر و خندق مین بدر مین
تیزی وہی تھی سان کی اس آشوبِ غدر مین
بڑھ کر سپر سے سر مین گئی سر سے صدر مین
کھنچتی ہوئی سپر سے نیا رنگ ڈھنگ تھا
راکب تھا نہ فرس تھا نہ زین تھا نہ تنگ تھا

غل تھا کہ وہ چمکتی ہوئی آئی یہ گری
برچھی سے اُڑ گئے وہ سنان پہ گرہ گری
ترکش کٹا کمان کیانی سے زہ گری
یہ سر اُڑا وہ خود اُڑا یہ زرہ گری
آتی ہے لشکرون پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برق قہر الٰہی اسی طرح

سر لوٹتے تھے برچھیون والو نکے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت مین بھالو نکے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالون کے ہر طرف
پر کالے اڑتے پھرتے تھے ڈھالو نکے ہر طرف
خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھین کٹی ہوئین شاخین کمان کی

کیا کیا چمک دکھاتی تھی سر کاٹ کاٹ کے
تنتی تھی بس تنون سے زمین پاٹ پاٹ کے
پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھاٹ گھاٹ کی
دم اور بڑھ گیا تھا لہو چاٹ چاٹ کے
کیا جانیے ملا تھا مزا کیا زبان کو
کھا جاتی تھی ہما کی طرح استخوان کو

ہر ہاتھ مین اُڑا کے کلائی نکل گئی
کوندی گری زمین مین سمائی نکل گئی
کاٹی زرہ دکھا کے صفائی نکل گئی
مچھلی تھی اک کہ دام مین آئی نکل گئی
چار آئینہ کے پار تھی اس آب و تاب سے

جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

کٹ کٹ کے ذوالفقار سے گرتے تھے خاک پر — پہنچوں سے ہاتھ شانوں سے بازو تنوں سے سر

قبضہ سے تیغ بر سے زرہ ہاتھ سے سپر — برچھی سے پھل کمان سے زہ زین سے تبر

ترکش کہیں پڑے تھے نشانِ زری کہیں

پیکان کہیں تھی شست کہیں تھی سری کہیں

جب صف پہ وار کرتے تھے سلطان بحر و بر — اڑتی تھی کٹ کے صورت کاغذ ہر اک سپر

چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گرتے تھے خاک پر — قبضوں سے تیغیں جسم سے زرہیں تنوں سے سر

سب لے تھے قدم گریز کو پیچھے بھی بند تھے

شعلہ وہ تیغ تھی سر اعدا اسپند تھے

چھپتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک — بھاگے شعاع مہر سے جس طرح شپرک

اوجِ سما سے زلزلہ برپا تھا تا سمک — چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخ پر ملک

ہر شے تھی خوف جان سے خضوع و خشوع میں

سجدہ میں تھی زمین تو فلک تھا رکوع میں

چم خم وہ تیغ کا وہ کاٹ وہ آب و تاب — [illegible]

بجلی تھی اک پری کے شکم پر کہ اسکی تاب — تیزی زبان میں وہ کہ فرشتہ کو دے جواب

جوہر سے اسکا جسم جواہر نگار تھا

گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

پیاسی بھی خون فوج کی اور آبدار بھی — غل تھا کہ ایک گھاٹ میں پانی بھی نار بھی

بجلی بھی ابرتر بھی خزاں بھی بہار بھی — تلوار بھی چھری بھی سپر بھی کٹار بھی

پانی نے اسکے آگ لگا دی زمانے میں

اک آفت جہان تھی لگانے بجھانے میں

کھولا سفیدی نے جو مصلاے پیر صبح | پر سجدہ گاہ بن گیا مہر منیر صبح
کرتی تھی شب غروب کا سجدہ ودود کو
سیارے ہفت عضو بنے تھے سجود کو
ظلمت جہان جہان تھی وہان نور ہوگیا | پہر مشک شب جہان سے کافور ہوگیا
گویا کہ زنگ آئینہ سے دور ہوگیا | باطل رسالہ شب دیجور ہوگیا
کیا پختہ روشنائی تھی قدرت کے خامے مین
مضمون تھا آفتاب کا ذرون کے نامے مین
جوزا عنانون کے ہوے جولان جو راہوا | سیارے بھولے سیر و تماشاے روزگار
تازی ہوئی جو صرف چراگاہ ایکبار | پانی نہ کہکشان کی رہی گاہ زینہار
برباد سبزہ روش کہکشان ہوا
پامال برج سنبلہ آسمان ہوا

شمشیر آبدار

اللہ رے آمد آمد شمشیر دوزبان | ششدر تھے چار لاکھ کہ کیا شے ہے الامان
جنبش نہ ہاتھ کو تھی نہ تیغون کے درمیان | مشلول کے ہون پنجہ مین جیسے چھ انگلیان
ضرب اک طرف کو سایہ سے اسکے مفر نہ تھا
قبرون مین ایک مردے کی گردن پہ سر نہ تھا
اس سے الجھ گئی کبھی اس سے الجھ گئی | برش نئی صفائی نئی کج رخی نئی
اک سر سے لگ چلی تو الگ سر ہوے کئی | گہ زرد گہ سفید ہوا چرخ سرمئی
بھاگے ہُوَن کو ضرب پہ لاتی تھی گھیر کر
دو کرتی تھی اڑی ہوئی رنگت کو پھیر کر

گہ ہمدمی سور سرافیل کرتی تھی گاہے عبادت پر جبریل کرتی تھی
گہ برج مہر و ماہ مین تحویل کرتی تھی برش زیادہ چلنے مین تعجیل کرتی تھی

محو نظارہ مردم نظارہ ہو گئے
قطب سپہر اختر سیارہ ہو گئے

ہر سو تھا شور تیغ کا کچھ اور ڈھنگ ہے قالب مین تیرتی ہے مگر یہ نہنگ ہے
داخل میان خانۂ دل بید رنگ ہے رن کی قسم یہ تیغ تری خانہ جنگ ہے

حق تو یہ ہے کہ مسئلہ دان تیغ شاہ ہے
سر چڑھ کے سب سے لڑتی ہے اور بیگناہ ہے

کہتی تھی بار بار قضا کیا ہے مین ہون مین طوفان و حشر و قہر و بلا کیا ہے مین ہون مین
دوزخ سقر عذابِ خدا کیا ہے مین ہون مین راہ عدم دیار فنا کیا ہے مین ہون مین

حق سے ڈر و تو مژدہ فضل اِلہ ہے
توبہ کرو تو قبضہ مین میرے پناہ ہے

یان سب کو تھا یقین کہ وہان تھی وہین نہ تھی وہان اتفاق تھا کہ یہان تھی یہین نہ تھی
ہر جا تھی اور جو پوچھو کہان تھی کہین نہ تھی لاکھون کے قتل کرنیکو ہان تھی نہین نہ تھی

اس برق ذوالفقار کے جلوے کہان نہ تھے
وان تھی جہان زمین نہ تھی آسمان نہ تھے

قالب کی یہ تو دشمنِ جان تھی دمِ نگاہ قطع نظر بدن سے نگہ کو نہ تھی پناہ
دعوے کے صدق کے لئے حجت تھی اور گواہ سن لو دلیل قطعی اگر ہو کچھ اشتباہ

آیا نظر نہ رتبۂ مولا سپاہ کو
تیغ علی نے قطع کیا تھا نگاہ کو

ملکر چلی فلک سے تو بجلی جدا ہوئی تڑپی بزیر خاک تو مچھلی ہوا ہوئی

چمکی جو خود سر پہ قیامت بپا ہوئی روشن ہوئی جو سینہ پہ جوشن قبا ہوئی
کھولے زرہ کے ایک نگہ میں ہزار بند
کاٹے ہزار طرح عناصر کے چار بند

بے نام و بے نشان تہا ہر اک پہلوان کا آم تقسیم ضرب سے رہی باقی نہ کوئی قسم
سائے کے شکل ڈہال جراتی تہی اپنا جسم یہ تیغ کے ہنر تہے کہ جادو تہا یا طلسم
دل رخنہ رخنہ کرکے زرہ کو اڑا دیا
طائر کو جال جال کو طائر بنا دیا

موج زرہ کا تیغ کی گرمی سے تہا یہ حال شبنم کا جیسے صبح کو خورشید سے زوال
جب یہ کڑی ہوئی تو زرہ ہوگئی نڈہال فولاد بہ گیا عرق شرم کی مثال
جی پر بنی زرہ کی جو صورت بگڑ گئی
کیا رن وہاڑے باغیوں پر اوس پڑ گئی

گھوڑے کی تعریف

طاؤس فلک سیر و دم جلوہ گری تہا بو گل میں تو گلشن میں نسیم سحری تہا
صحبت سے عیاں قہقہہ کبک دری تہا آہو تہا چرندوں میں پرندوں میں پری تہا
کاوہ کی ثنا کیجیے دل اس پہ تلا ہے
دریا سے کوئی عقدہ گرداب کہلا ہے

غل تہا کہ چکور آگ کو کہا کر نکل آیا مرکب کا جگر چیر کے راکب نکل آیا
بے روح ہوا اول جو وہ پیک اجل آیا سینہ کا لہو بہ کے جو گردن میں ڈہل آیا
بے جان جگر و قلب بہم رہ گئے باقی
طاؤس اڑا نقش قدم رہ گئے باقی

منشی امیراللہ تسلیم

پیدائش فیض آباد ۱۸۲۰ء　　　　وفات لکھنؤ ۱۹۱۱ء

مولوی عبدالصمد صاحب کے بیٹے اور مرزا اصغر علی خان نسیم دہلوی کے شاگرد تھے ۱۸۲۰ء مین ضلع فیض آباد مین پیدا ہوے - فارسی کی تعلیم اپنے والد سے پائی اور عربی کی کتابین اپنے بھائی مولوی عبداللطیف صاحب سے پڑہین - فن خوشنویسی منشی عبدالحی صاحب سندیلوی سے حاصل کیا - مدت تک آپکا قیام لکھنؤ مین رہا - پھر منشی امیراحمد صاحب مینائی کے توسل سے رامپور تشریف لے گئے وہان تیس روپیے ماہوار اور دو سو روپیے عہد کے موضع پر آپکو ملا کرتے تھے - بعد چندے وہین ڈپٹی انسپکٹر مدارس وغیرہ کے مختلف عہدون پر نامور رہے اُسوقت تنخواہ پچاس روپیہ تک ہوگئی - جب نواب صاحب والی رامپور سفر انگلستان سے واپس تشریف لائے تو اُن کا سفرنامہ نظم کرکے پیش کیا - اس صلہ مین چالیس روپیہ ماہوار بطور پنشن آپ کے لیے مقرر ہوگئے - آخر عمر تک پاتے رہے -

آپکے کلام مین فصاحت بلاغت متانت شوخی کمال درجہ کی ہے - قوت متخیلہ بھی اعلیٰ درجہ کی تھی - دقیق مضامین کو اس سادگی اور صفائی سے ادا فرماتے ہین کہ اُسکی تعریف نہین ہوسکتی - کلام کا رنگ دہلی کے شعرا کا سا ہے - آپکو اُسی طرز پر ناز تھا - خود فرماتے ہین -

مین ہون تسلیم شاگرد نسیم دہلوی　　　مجکو طرز شاعران لکھنؤ سے کیا غرض

مثنوی مین آپنے غنیمت کے رنگ کی تقلید کی ہے متعدد مثنویان لکھین جو لکھنؤ والون سے بالکل الگ - نالۂ تسلیم - شام غریبان - صبح خندان - دل وجان نغمۂ مسلسل - شوکت شاہجہانی - وغیرہ مثنویان اور نظم ارجمند - نظم دل افروز - دفتر خیال یہ دو دیوان یادگار ہین -

۲۸ مئی ۱۹۱۱ء کو پانچ بجے شام کو ۹۲ برس کی عمر مین لکھنؤ مین آپنے اس دار فانی سے رحلت فرمائی -

حمد از نالۂ تسلیم

شگاف کلک رنگین خندہ زن ہے　　　مبارک باد آغاز سخن ہے

اُترتے ہین مضامین آسمان سے　　　عیان ہے شوکت رفعت بیان سے

بھری ہے بے نیازی مدعا مین | سر تمکین ہے عرض التجا مین
بڑہی ہے ناتمامی گفتگو سے | مرا مطلب سوا ہے آرزو سے
خیال آئینہ حیرت فزا ہے | زبان مصروف حمد کبریا ہے
بنایا جس نے مقتل بوستان کو | کف جلاد برگ ارغوان کو
لکھا ہے صفحۂ اوراقِ گل پر | شہادت نامۂ بلبل سراسر
عطا کی داغ لالہ کو سیاہی | سراپا صورتِ مہر گواہی
ہنسی لب پر جگر مین زخم کاری | دیا غنچے کو پاس پردہ داری
پے مینوشیِ دور نہفتہ | دیا پیمانۂ زخم شگفتہ
شہیدون کو طلسم نو دکھایا | ہنسا کر زخم تن کو خون رولایا
رگِ بسمل کیا تار نظر کو | سکھایا رقص بینائی جگر کو
دلِ عاشق کو بخشا خاک ہونا | گریبان کو سکھایا چاک ہونا
گہر ریزی کہین کی چشم تر سے | بھرے دامن کہین لختِ جگر سے
حیا غنچون کو دی رازِ نہان کی | عنادل کو ہوس بخشی فغان کی
کہین ہے جلوہ گر حسنِ حسین مین | کہین ہے خاطر اندوہگین مین
نہان و آشکارا جلوہ گر ہے | کہین نکہت کہین گلبرگ تر ہے
غرض ہر رنگ مین نیرنگ امکان | رہا حیرت فروش چشم انسان
شہ لولاک نے رو رو کے اکثر | کیا ارشاد لا احصی یہان پر
بھلا ہم کیا حقیقت کیا ہماری | لکھین حمد و ثنائے ذاتِ باری
مناسب ہے خموشی آشنا ہون | شریک اختصار مدعا ہون
زیادہ وہم سے حمد صمد ہے | خرد مجروح تیغ دست رد ہے
دعا مانگین کرین قصد ادعیہ ہم | کہین احباب آمین مل کے باہم

تمنا کا ہے خالی دستِ رنگین | نہادین خاتمِ ختمِ مضامین

نالۂ چند دعاے عاشقانہ

الٰہی دے زبانِ نکتہ دانی | دکھاؤن جلوۂ حسنِ معانی

اجازت خواہِ لطفِ گفتگو ہے | خموشی بہرِ رخصت روبرو ہے

نظر لوٹ سخن سے پارسا ہے | ابھی نادیدۂ حسنِ مدعا ہے

حریفِ نالۂ بیداد ہون مین | شریکِ صحبتِ فرہاد ہون مین

دلِ مشتاق پابندِ الم ہے | نفس تارِ کمندِ صیدِ غم ہے

سحاب آسا عطا کر چشمِ گریان | مصیبت زادۂ آغوشِ طوفان

برنگِ ابرِ تر رویا کرون مین | سدا داغِ جگر دھویا کرون مین

تپش دے نالۂ جانِ حزین مین | اثر دے دودِ آہِ آتشین مین

رہے بیداریون کا حفظِ آداب | نہون آنکھین کبھی منت کشِ خواب

نہ کم ہو التفاتِ بیقراری | رہے تازہ خراشِ دل فگاری

خرابی دوست رکھ ہر دم مزاجی | برنگِ برق دے شعلہ مزاجی

نہ کم ہو کوئی دم سامانِ سودا | رہے سر منزلِ احسانِ سودا

برائے چاک دے دامن اگر دے | نہ بہرِ التجاے سیم و زر دے

رہے دستِ جنون ہر لحظہ چالاک | کبھی سینہ کبھی دامن رہے چاک

ترقی پر رہے شوقِ اسیری | رہے وحشت کو پاسِ دستگیری

فلک کو لذتِ ذوقِ جفا سے | نہ دون فرصت تقاضاے بلا سے

جبین سا خدمتِ پیرِ مغان مین | رہون جب تک رہون دیرِ جہان مین

ٹھہرائے شوق عرضِ عاشقانہ | کہان تک وقفِ لبِ غم کا فسانہ

سنا دو چار شعر ایسے خدا را | کہ جس سے مغفرت کا ہو سہارا

جناب کبریا مین رو کے دن رات پڑہا کر صدق دل سے یہ مناجات

خدایا مثلِ کلکِ سینہ افگار سیہ رو ہون سیہ دل ہون سیہ کار

بسر ہوتی ہے بیجا زندگانی بلاے جان ہے آشوبِ جوانی

کوئی فعل زبون ایسا نہین ہے عمل مین اپنے جو آتا نہین ہے

گذرتی ہے عجب غفلت مین اوقات دریغا حسرتا ہیہات ہیہات

لحاظ بندگی جاتا رہا ہے سرِ نخوت نے دل مین گھر کیا ہے

گمان و وہم و جانِ دردآمیز یہ سب ہین شانِ شیطانی سے لبریز

اگرچہ ہے یہ نفسِ کفر شیوا مرے مایے سے ہوا ابلیس پیدا

پشیمان خستہ آوارہ جگر خون تری درگاہ مین حاضر ہوا ہون

نگاہِ رحم سے فرما اشارہ دلِ مضطر کو ہو کچھ تو سہارا

لبِ مایوس یون خندہ طرب سے نہ گریان دیدۂ پرخون ہو اب سے

تمناؤن کو دل مین شاد پاؤن جگر کو جان کو آباد پاؤن

سوا تیرے مرا کوئی نہین ہے غلط بھی آسرا کوئی نہین ہے

کرے رحمت تری گر پردہ داری مری بگڑی ہوئی بنجاے ساری

بہت کچھ آرزو رکھتا ہون دل مین ہزارون گفتگو رکھتا ہون دل مین

جو سُن لے ایک بھی تو رحم کھا کے نکل جائین سب ارمان مدعا کے

غمِ ہستی و مرگ و قبر و محشر یہ سب ہون سینۂ مضطر سے باہر

خلیل آسا جہنم باغ ہو جاے گلِ فردوس دل کا داغ ہو جاے

ضعیفی مین شبابِ آرزو ہو بہارِ ہشت جنت رنگِ رو ہو

بڑہے ارمان سخی کی جیسے ہمت گھٹے غم جس طرح ممسک کی نیت

سراپا عید بنجاؤن خوشی سے کہون یہ دم مبارکباد جی سے

مباداتو اگر نامھربان ہو
ہر اک ذرہ بلاے جسم و جان ہو

نوید عید ہون اہلِ ستم کو
سدا ترسون پناہِ نیم دم کو

زبان و دست و پا سب دین گواہی
اُٹھاؤن تا ابد نازِ تباہی

جہنم ہو عذاب آتشین ہو
گرفتارِ بلا جانِ حزین ہو

سُنے کوئی نہ فریاد جگر کو
نظر آئے نہ جز شعلہ نظر کو

عزیز و خویش و احباب و یگانہ
کرین تیر ملامت کا نشانہ

نہ سمجھین اضطراب بیکسی کو
دکھائین درد مین یہ اور جی کو

مین صدقے اس بلاے ناگہان مین
مرا ہو کون حامی دو جہان مین

کہون اُسوقت کس سے اپنے جی کی
کسے پروا ہو میری بیکسی کی

سوا اسکے کہ تو ہی مہربان ہو
ترے کہنے سے کہنے مین زبان ہو

پکارون اے خداوندِ یگانہ
کرم گسترِ خطا بخشِ زمانہ

تری رحمت یہ ہے ناز آرزو کو
وفا کر وعدۂ لاتقنطو کو

سُنا ارباب محشر سے بصد ناز
مبارکباد آزادی کی آواز

بس اے تسلیم ترکِ التجا کر
خموشی کو بیان مدعا کر

بہت کچھ کر چکا فریاد و ماتم
کہان تک حسرتِ افسانۂ غم

حمد باری تعالی از شام غریبان

اجازت اد خیالِ قاصد دل
کہ آ پہونچا دم تکلیف مشکل

طبیعت پھر مری کچھ ناز پر ہے
کوئی مطلب مگر آغاز پر ہے

مضامین لیٹے ہین فکر رسا سے
زبان جنبش مین ہے حمد خدا سے

بنایا جس نے کن سے دو جہان کو
کیا پیدا زمین و آسمان کو

مہ و خورشید و سایہ کو فلک وار
سکھایا بے قدم انداز رفتار

طلسمی کا جنانہ اک بنا کے
نظر سے چھپ رہا صورت دکھا کے

بلند و پست سب اُسنے بنایا
عدم سے عالم ہستی مین لایا

جہان مین اہل بینش کی عجب کو
وصال و ہجر بخشا روز و شب کو

کیا پیدا نشان ہر بے نشان کا
دکھایا رنگ نیرنگ جہان کا

دیا سامان شاہانہ کسی کو
بنایا خاک ویرانہ کسی کو

کسی کو عشق کی لذت عطا کی
مزا دیتی رہی اندوہنا کی

دکھائے جلوہ ہاے حسن خوبان
بنایا صورت آئینہ حیران

چھپاے سیکڑون جلوے دکھا کے
مٹا ئین صورتین کیا کیا بنا کے

نہ غافل ہے نہ ہے مرزا نہ باقی
فقط عالم مین ہے افسانہ باقی

تماشا دوست یار خود نما ہے
تصور بن کے پھرتا جا بجا ہے

کہین شوکت ہے شان انبیا کی
کہین عظمت ہے ذکر اولیا کی

کہین ہے ہمت اخوان یوسف
کہین ہے عصمت دامان یوسف

شرار شعلہ افزا ہے کہین وہ
ادیب ہوش موسی ہے کہین وہ

کہین ہے التماس شوق دیدار
کہین ہے محرم اسرار انکار

کہین طالب کہین مطلوب ہے وہ
غرض ہر رنگ مین کیا خوب ہے وہ

سنبھل اے سرخوش پیمانۂ شوق
خراب بادۂ خمخانۂ شوق

زیادہ تر نہ دے رخصت قلم کو
مئے وحدت کے بدلے کھینچ دم کو

کہان تک ایک سی آہنگ فریاد
بدل اب اور کوئی رنگ فریاد

ملک مشتاق ہین حرف دعا کے
فلک پر بھیج تحفے التجا کے

انتخاب از کلیات حالی

مناظرہ واعظ و شاعر

کل جو مین نے بستر راحت پہ جا کر دم لیا — دل کو اک دفعۃً غم دنیا سے فرصت کا ملا
کی تصور نے وہین اک بزم رنگین آشکار — مجلس ارباب معنی جس کو کہنا ہے بجا
گرم تہا وان ہر طرف ہنگامۂ بحث و نظر — سرخرو گلگونۂ حجت سے تہا ہر مدعا
شمع استدلال مین روشن تہا فانوس بیان — چارسو ہنگامہ آرا تھی لم و لا کی صدا
تھے فراہم جسقدر اس بزم مین اہل کمال — تہا شرف کا اپنے اپنے فن کے سب کو ادعا
مولوی کہتے تھے غیر از علم دین سب ہیچ ہے — فلسفی کہتے تھے ہر فن کی ہے حکمت پر بنا
صوفی صافی ادہر کچہہ کہہ رہا تہا زیر لب — واعظ معجب اُدہر کچہہ بک رہا تہا برملا
خود فروشی کا غرض تہا ہر طرف بازار گرم — ساز گونا گون تھے لیکن ایک تھی سب کی صدا
شاعر مغرور بھی ایک سمت خندان زیر لب — سن رہا تہا لاف اہل فضل اور خاموش تہا
جاکے پہونچا جب وہان تک دور صہبائے سخن — دفعتہً مجلس سے اُٹھا اور ہوا یون خودستا
دعوی فضل براعت اسکو زیبا ہے یہان — جو کوئی تلمیذ رحمٰن تم مین ہو میرے سوا
ہے تصرف مین ہمارے عرصۂ دشت خیال — کچھ نہین معلوم جس کی ابتدا اور انتہا
رہروی مین ہمکو چشم و گوش تک بیکسے نہین — ہین ہمارے بال و پر اندیشۂ فکر رسا
صاف ہوتا ہے بیان اپنا خس و خاشاک سے — پاک ہو جیسے وساوس سے دل اہل صفا
اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آجائین ہم — خاطر دشمن مین اسکا نقش الفت دین بٹھا
خاک کو چرخ برین پر دین اگر ترجیح ہم — ماند ہو ذرے کے آگے مہر تابان کی ضیا
وصف خوبان ہم سے گر سن پائے سالک یکبار — ہو نہ ہرگز پنجۂ عشق مجازی سے رہا
گر کرین ہم گلرخون کی بے وفائی کا بیان — ہو نہ بلبل پہر چمن مین روئے گل پر مبتلا

کھینچ دین گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق　　قیس کی کرنی پڑی لیلےٰ کو جا کر التجا

ہاین ہماری مدح کے پیر و جوان امیدوار　　اور ہماری ہجو سے تھراتے ہین شاہ و گدا

گرمئے بزمِ حریفان ہے ہماری ذات سے　　بادۂ گلگون کا ہے ہر بات مین اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے　　ہم جہان چلتے ہاین وان مسدود ہے راہِ خطا

کچھ نہین اپنا ضرر گر ہو روایت مین خلل　　جھوٹ سے ہوتی ہے یان رونق عبارت کو سوا

دی نہین گویا شریعت نے ہامین تکلیف کچھ　　جو نہین جائز کسی کو ہے وہ سب ہمکو روا

خودستائی جو کسی کو جز خدا اچھی نہین　　آکے ہو جاتی ہے شاعر کی زبان پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یان رنگِ قبول　　گالیان دے دے کے ہم سنتے ہین اکثر مرحبا

جب یہ بالاخوانیان شاعر کی واعظ نے سُنین　　مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہذیان سرا

شیوہ تیرا بو الفضولی اور یہ لاف و گزاف　　پیشہ تیرا بادہ خوانی اور اتنا ادعا

امتِ برحق کے عالم جو ہاین اور وے خبر　　وارث علم نبی قائم مقام انبیا

کیا ادب جاتا رہا انکا بھی تجکو اے سفیہ　　برسرِ مجلس ہے تو جو اس طرح ہنکارتا

گو نہین گنتی مین اہلِ علم کے یہ خاکسار　　پر سُنے جاتے نہین یہ تیرے دعوے ناروا

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل　　ہزل و سخریت کجا بزمِ خردمندان کجا

علم او حکمت کے ہون جب بزم مین دفتر کھلے　　کس نے دی ہے تجکو وان اس ہرزہ گوئی کی رضا

شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآن مین اُسے　　کیون خلافِ شانِ ختم المرسلین کہتا خدا

شان ہین بالعلم بیزری جس کے آیا ہے صریح　　فخر ہے اُس شعر پر تجھکو یہ اے شمرالوریٰ

چاہیے اقتباس اہلِ الذکر سے ہو مستفید　　ہو نہ جسکو علمِ سنت اور کتاب اللہ کا

خود ہو تم بے علم او صحبت سے اہلِ علم کی　　بھاگتے ہو جیسے شیطان ہے اذان سے بھاگتا

ہے یہی باعث کہ بک اُٹھتے ہو تم بے اختیار　　جو تمہارے منہ مین آتا ہے سزا او ناسزا

اُس زبانِ زیادہ گو کو اپنی کیا سمجھا ہے تو　　جرم گو چھوٹا ہے اسکا جرم ہے لیکن بڑا

بے حقیقت ہین ترے سارے خیالات بلند ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا

ہے جہان خامے کو تیرے خدمتِ مشاطگی مورت اک پتھر کی ہے وان حور جنت سے سوا

بال سے باریک تر معشوق کی تیرے کمر رات سے تاریک تر ہجرِ صنم مین دن ترا

شش جہت مین تو کرے برپا قیامت سات با یار سے اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا

تیغ چوبین کی ہو گر برش بیان کرنی تجھے ہے تنزل گر اُسے ٹھہرائے تو تیغ قضا

ہو جہان لکھنی تجھے اسپ گلی کی جست و خیز اک ترارے مین اُسے پہونچائے تو فوق السما

تو ہوا مدح و ثنا مین جس کی سرگرم غلو اور اُلٹا خوب ہون پر اُسکے پردہ پڑ گیا

پہلے درجے کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو جم کو اُسکے در کا دربان اور بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یان بیچارے کس گنتی مین ہین تنگ ہین ہاتھون سے تیرے انبیا اور اولیا

لکھے تو اک گربہ مسکین کو سارا سنز لت اور کہے اک لعبت سنگین کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگ گیاہ اُنہین ثابت کر کے چھوڑے تو صفاتِ کبریا

یا دو خوانون سے سوا ہو تجھ کو فکرِ تہنیت خواب مین سن پائے تو گر کوسِ شادی کی صدا

ہند مین غل ڈالدے تو نالہا ے شوق سے چین مین سہرہ ہو گر اک شاہدِ نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے گر نصیبون سے کبھی کان مین پڑ جاے تیرے ایک جھوٹی واہ وا

مذہب شاعر مین جس کا دین باطل نام ہے راستی اور صدق سے بڑھ کر نہین کوئی خطا

سر بسر اقوال تیرے کچھ ہین اور اقبال کچھ ہے زبانِ گوہر افشان پر نعم اور دل مین لا

شان مین آیا ہے جنکی قول مالا یفعلون چشم بد دور آپ کے ہادی ہین وہ اور مقتدا

ایسے دروازے بہت کم پائین گے آفاق مین جس پہ صبح و شام تو نے دی نہ ہو جا کر صدا

ہے زبانِ خامہ تیری تابع فرمان حرص کام تجھ کو کچھ نہین جز مدح و قدح اغنیا

مدح مین حد سے زیادہ جنکی کرتا ہے غلو گالیان دیتا ہے تو اکثر اُنہین کو بر ملا

جیسے دروازون سے پھرتے ہین دعا دیکر فقیر مدح تو یہی ختم کرتا ہے یونہین دیکر دعا

ہر دعا مین ہے مقدر شرط ان اعطیتنی — صاف لعنت کا دعا مین تیری آتا ہے مزا

پردۂ عرض ہنر مین مانگتا ہے بھیک تو — گر یہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہے گدا

زہر دل کا جبکہ واعظ نے لیا سارا اُگل — اور نہ کوئی تیر باقی اُسکے ترکش مین رہا

سُن کے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس — ہے زبان تیری دہن مین یا سنان جان گزا

چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر — تو نے چاکِ پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام — اس سے کیا مطلب کہ ہے وہ بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہین — پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے مین ہر شاہ و گدا

کھیلتے پھرتے ہین میدانِ جہان مین سب شکار — آڑ مین ٹٹی کے لاکھون اور ہزارون برملا

حرص ہوتی جسم مین انسان کے گر جاے خون — شاعرون سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی سوا

دیکھنے ان آنکھون سے اے واعظ لباس وعظ مین — جو فروشی کرتے دیکھے ہین بہت گندم نما

خبط ہے اک تم کو۔ کھدون گر بُرا مانو نہ تم — آپ ہو بیمار اورون کو دیتے ہو دوا

آپ مین تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع — خوبیان سب کچھ سہی پر دل کا مالک ہے خدا

مین بتاؤن آپکو اچھون کی کیا پہچان ہے — جو ہین خود اچھے وہ اورونکو نہین کہتے بُرا

بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف — مُنہ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پھلو ملا

ترک اولا پر فضیحت جسقدر کرتا ہے تو — قتل انسان پر نہین ملتی کہین ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تری سرکار مین جنت نہین — چوک جس سے ہو گئی کچھ پھر نہین تو بخشتا

عاصیون کی مغفرت جس سے نکلتی ہے صریح — ایسی آیات اور حدیثون سے ہے تو جی مین خفا

گر خدا بھی واعظو ہوتا تمہین سا سخت گیر — اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گرم بازاری اسی مین اپنی بس سمجھے ہو تم — لوگ ہون بدراہ اور اُنکے بنو تم رہ نما

چاہتے ہو تم یہان کثرت معاصی کی رہے نہین — ہین اطبا چاہتے جس طرح امراض اور وبا

آپ ان باتون کو اک بہتان سمجھین گے مگر — سوجھتی اکثر نہین انسان کو اپنی خطا

جو کہون مین اُسکو باور کرنہین اسمین خلاف — شاعرون کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی ریا

یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم جسکے خود ہین معترف — جھوٹ وہ ہے جو ہو پردے مین تقدس کے چھپا

دعوتون مین پیچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو — ایک بھی کی ہے نماز اس شوق سے تونے ادا

یاد ہے وہ تیرا کہنا دیکھ کر کھانے چنے — دین قائم ہے ابھی یارو کرو شکرِ خدا

مدرسے کوشش سے تیری گو بنے ہین شہر شہر — مسجدین بھی تونے بنوائی ہین اکثر جابجا

پر یہ حیرت ہے کہ ان کامونمین جو لاگت لگی — اُس سے وہ چندا ہے آپکے دیوان خانہ مین لگا

مجرمون کے جرم شاید ہون نہ اتنے خوفناک — نیکیان تیری ہین جیسی پُرخطر روزِ جزا

ہے یقین اُتنا ہی ہوگا اپنے دل مین تو حقیر — جسقدر مانا ہے زید و عمر نے تجھکو بڑا

کر دیا رسوا تری تزویر نے تذکیر کو — ورنہ اک منصب تہا یہ تا یان شان انبیا

لطف ہے تو دلربا اور قہر ہے تو دلفریب — سحر ہے افسون ہے جادو ہے تری جو ہے ادا

گر جہنم مین ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو — گاہ حورون پر لبھا کر مانگتا ہے رونما

گو نجا ممبر پہ ہے یون بیٹھ کر گویا کہ آپ — آسمان سے لے کے اُترے ہین ابھی حکم خدا

ہاتھ مین تیرے ہے گویا نار و جنت کی کلید — جس نے پوجا تجھکو وہ فردوس مین داخل ہوا

نیکیان برباد ہین ساری تری خدمت بغیر — فرقۂ ناجی ہے بس اک پوجنے والا ترا

اپنی اک امت الگ سب سے بنا لینے کیلئے — تفرقے ڈالے ہین دینِ حق مین تونے جابجا

تیرے گھرے ہین مسلمانون مین ہے جبتک نزاع — اختلاف امت کا حق مین تیری رحمت ہو گیا

جس طرح جھگڑون کے خواہان ہین عیالت مین وکیل — مانگتا ہے تو یونہین باہم خصومت کی دعا

چاہتا ہے قوم مین جوتی سدا چلتی رہے — کشتیٔ اسلام کا پھر کیون نہ ہو تو ناخدا

شاعرون کو پس اسی منہ سے گدا کہتا ہے تو — اے اسیر دام نفس اے بندۂ حرص و ہوا

کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہین — ورنہ ہم بھی یون تو کہہ اُٹھتے ہین بعضون کو گدا

شاعری پر ہے بڑا یہ طعن حضرت کا کہ ہم — حد سے بڑھ جاتے ہین جب کرتے ہین مدح اغنیا

طعن کچھ بیجا نہین رکھتے ہین پر اک عذر ہم　　غور کرنا عذر پر ہے شیوہ اہل صفا

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگونکا اک پیشہ ہے مدح　　جیسے تم لوگون کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

اپنے اپنے کام اور پیشہ مین ہم ہون یا کہ تم　　کرتے ہین ہوتا ہے جو کچھ مصلحت کا مقتضا

وعظ مین دیتے ہو آخر داستان کی چاٹ تم　　راستی سے کام جب چلتا نہین تسخیر کا

مدح مین ہم بھی یونہین کرتے ہین رنگ آمیزیان　　جب تن ممدوح پر کھلتی نہین سادی قبا

پھول پھل سے سرو کو بے بہرہ جب پاتے ہین ہم　　ایک طرہ اُسمین آزادی کا دیتے ہین لگا

سوسن و نسرین و گل مین جب وفا پاتے نہین　　وصف رنگ و بو سے ہم دیتے ہین عیب اُنکا چھپا

پر ہم اس پردے مین خود اپنا دکھاتے ہین کمال　　ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق مین ہجا

اس سے بڑھکر ہجو ہو سکتی ہے کیا انسان کی　　لکھین اعمیٰ کو بصیر اور راہزن کو رہنما

عدل مین لکھتے ہین ہم نوشیروان عہد انہین　　ایک منکوحہ کا حق ہوتا نہین جنسے ادا

حاتم وقت اُنکو ٹھہراتے ہین جنکا بذل وجود　　اسلیے ہے تاکہ حاصل حاکمون کی ہو رضا

زیرکی مین اُنکو کہتے ہین ارسطوے زمان　　ہمنشین احمق بناتے ہین جنہین صبح و مسا

کہتے ہین کس شد و مد سے ہم انہین بیدار مغز　　جو نہین واقف کہ آمد کیا ہے اور ہے خرچ کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہین حکام کی　　اُنکی آزادی پہ ہم کہتے ہین سو سو مرحبا

اُن مین ثابت کرتے ہین ہمدردی نوع بشر　　آپکو کہتے ہین جو نوع بشر سے ماوریٰ

حامی اسلام دیتے ہین خطاب اُنکو کہ جو　　کرتے ہین رسوا چلن سے اپنے نام اسلام کا

یاورِ خلق اُنکو کہتے ہین جنہین اے واعظو　　تم کسی کے کام کا رکھتے نہین اپنے سوا

مدح کی جاتی ہے یان اکثر اسی انداز سے　　شیخ ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا

قطب دوران اُن ریاکارون کو ٹھہراتے ہین ہم　　آپکو بھی جو سکھائین مدتون مکر و دغا

ان فسون سازون کو ہم کہتے ہین ذوالنون زمان　　بیٹھکر منبر پہ جو آنکھون کا کاجل لین اڑا

آپ چپٹ اسکو کہے جو مدح وہ بے مغز ہے　　نام اسکا مدح ہے تو ہجو ہے پھر چیز کیا

چبھتی ادھر دکھتی سخنور نے یہ کی تقریر جب | اور لگے سب مسکرانے دیکھ کر یہ ماجرا
دل مین واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ مین | چھیڑ کر اک بے ادب کو مفت مین رسوا ہوا
پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھو دینے کے لئے | ہنس کے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا
ہو چکین باتین ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر | ہزل وہ استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے بُرا
کہئے فکر شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق | آپ نے دیوان مرتب کیون نہین اتبک کیا
ہین ہنسی کی اور باتین کہیئے انصاف اگر | ہر غزل مین آپکے دیوان حافظ کا مزا
عرض کی شاعر نے حضرت کا ہے یہ حسن ظن | ورنہ مین کیا اور میرا مجموعۂ اشعار کیا
قبلہ اب وہ دن گئے جو شاعری کی قدر تھی | شاعری اور نکتہ پردازی مین ہے اب کیا دھرا
شعر اگر کہئے تو روٹی جا کے کس گھر کھائیے | سیکڑون پھرتے ہین شاعر تنگدست اور بے نوا
اب تو یہ کہتا ہون شعر و شاعری کو چھوڑ کر | وعظ مین شاگرد ہو جاؤن کسی اُستاد کا
اس گئے گذرے زمانے مین بھی یہ فن شریف | کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا
آپ لوگون کی تو اسمین ریس کرنی ہے محال | پر ہمین بھی سیکھنے سے کچھہ نہ کچھہ آجائیگا
روز گر سونے کی چڑیا گر نہ ہاتھ آئی نہ آئے | ہم گنہگارون کا پیٹ ایسا نہین ہے کچھہ بڑا
کی سخن پرداز نے واعظ سے جب یہ گفتگو | قہقہون سے جا سو مجلس مین اک غل پڑ گیا
خواب کا سا وہ سماں جاتا رہا سب یک بیک | اور وہی پہلو سے دل نے کان مین میری صدا
ہزل ہو یا جد نصیحت لیجئے ہر بات سے | کہ گئے ہین اہل دل دع ماکدر خذ ما صفا

رباعیات

کانٹا ہے ہر اک جگر مین اٹکا تیرا | حلقہ ہے ہر اک گوش مین لٹکا تیرا
مانا نہین جس نے تجکو۔ جانا ہے ضرور | بھٹکے ہوے دل مین ہی ہے کھٹکا تیرا

۲

ہندو نے صنم مین جلوہ پایا تیرا | آتش پہ مغان نے راگ گایا تیرا

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

۳

مٹی سے ہوا سے آتش و آب سے یہان
کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیان
پر تیرے خزانے ہین ازل سے اب تک
گنجینۂ غیب مین اسی طرح نہان

۴

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیادہ
دنیا مین نہین ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر جو کہ ہین تجھ سے لو لگائے بیٹھے
رہتے ہین ہر اک رنج و غم سے آزاد

۵

ممکن نہین یہ کہ ہو بشر عیب سے دور
پر عیب سے بچئے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو
گھٹنے سے کہین اُنکے نہ بڑھ جائے غرور

۶

دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو
روداد جہان کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

۷

اے علم کیا ہے تو نے ملکون کو نہال
غائب ہوا تو جہان سے وہان آیا زوال
انپر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح
جن قومون نے ٹھہرایا تجھے راس المال

۸

ہین یار رفیق پر مصیبت مین نہین
ساتھی ہین عزیز لیک ذلت مین نہین
اس بات کی انسان سے توقع ہے عبث
جو نوع بشر کی خود جبلت مین نہین

۹

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے

جس قوم کو عیش دوست پاتا ہون مین
کہتا ہون کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

۱۰

منزل ہی بعید باندھ لو زادِ سفر
مواج ہے بحر۔ کچھ کشتی کی خبر
گاہک جو کسی ہی لے چلو مال کھرا
ہلکا کر دو بوجھ ہے کٹھن راہگذار

۱۱

اے وقت بگاڑ کا ہی سب کے چارہ
پر تجھسے بگڑنے کا نہین ہی یارا
ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی
پھر غم نہین پھر جائے زمانہ سارا

۱۲

کی طاعت نفس مین بہت عمر بسر
انجام کی رکھی نہ جوانی مین خبر
کیفیت شب اٹھا چکے۔ اجالی
مجلس کرو برخاست ہوا وقت سحر

۱۳

چھوڑو کہین جاہ و مال و دولت کا خیال
مہمان کوئی دن کی ہین دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو جمع جس کو نہ کبھی
اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوفِ زوال

۱۴

احسان کی ہے گر صلہ کی خواہش تمکو
تو اس سی یہ بہتر ہے کہ احسان نکرو
کرتے ہو گر احسان تو کر دو اُسی عام
اتنا کہ جہان مین کوئی ممنون نہو

۱۵

یاد اُسکی یہان وردِ مدام اپنا ہے
خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ سیجے کہ ہی نام اُس کا
کس طرح نہ کیجئے کہ کام اپنا ہے

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔ ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی

۱۸۷۵ء مین پیدا ہوے - وطن مالوف آپکا سیالکوٹ ہے - لاہور کالج مین تعلیم پاکر ایم - اے - کی ڈگری حاصل کی - ابتداے سن تمیز سے طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی - فن سخن کا صحیح مذاق سخن آفرین نے آپکی طبیعت مین ودیعت کیا ہے - ۱۸۹۹ء مین دوستون کے اصرار سے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے مین آپنے نالہ یتیم کے عنوان سے ایک قابل قدر نظم پڑھی - یہ نظم ولگداز اور موثر ہونیکی وجہ سے کچھ ایسی مقبول خاص وعام ہوئی کہ یتیم خانے کے لئے چندے کی بارش ہونے لگی - اسی نظم نے اس شہرت کی بنیا ورکھ دی جو اطراف ہند مین پہیلی ہوئی ہے - آپ عربی اور فارسی مین بہی قابلیت رکھتے ہین اور سنسکرت سے بھی آشنا ہین -

آپ نے چند غزلین مرزا ارشد گورکانی کو دکھائین اور پہر بلبل ہندوستان نواب فصیح الملک مرزا خان داغ سے بذریعہ خط وکتابت تلمذ اختیار کیا - اس دن سے آجتک آپکا کلام روزافزون ترقی کر رہا ہے جب سے نئے رنگ مین کہنا شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی کہتے کہتے خود اچہا کہنے لگے - نواب فصیح الملک انکی بیحد قدر کرتے - اور انکی ذہانت اور رسا طبیعت کی داد دیتے -

آپکے کلام مین بہرتی کے شعر کم پائے جاتے ہین - کوئی شعر درد - وحدت - اخلاق کی چاشنی سے خالی نہین ہوتا - مولنا شبلی فرماتے تھے کہجب آزاد اور حالی کی کرسیان خالی ہونگی تو لوگ آپکو ڈہونڈینگے - آپکو تلمذ اگرچہ حضرت داغ سے رہا ہے مگر مشکل پسند طبیعت کے اقتضا سے اکثر مرزا غالب کی پیروی کرتے ہین -

ستارہ

قمر کا خوف کہ ہے خطرۂ سحر تجکو — مآل حسن کی کیا مل گئی خبر تجکو
متاع نور کے لٹ جانیکا ہے ڈر تجکو — ہے کیا ہراس فنا صورت شرر تجکو
زمین سے دور دیا آسمان نے گھر تجکو — مثال ماہ اڑہائی قباے زر تجکو

غضب ہے پھر تری ننھی سی جان ڈرتی ہے
تمام رات تری کانپتے گذرتی ہے

چمکنے والے مسافر! عجب یہ بستی ہے
جو اوج ایک کا ہے دوسرے کی پستی ہے

اجل ہے لاکھون ستارون کی اک ولادت مہر
فنا کی نیند مئے زندگی کی مستی ہے

وداع غنچہ مین ہے راز آفرینش گل
عدم عدم ہے کہ آئینہ دار ہستی ہے

سکون محال ہے قدرت کے کارخانے مین
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے مین

ترانہ

سارے جہان سے اچھا ہندوستان ہمارا
ہم بلبلین ہین اسکی وہ گلستان ہمارا

غربت مین ہون اگر ہم رہتا ہے دل وطن مین
سمجھو وہین ہمین بھی دل ہو جہان ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسمان کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسبان ہمارا

گودی مین کھیلتی ہین اسکی ہزارون ندیان
گلشن ہے جنکے دم سے رشک جنان ہمارا

اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھکو
اترا ترے کنارے جب کاروان ہمارا

مذہب نہین سکھاتا آپس مین بیر رکھنا
ہندی ہین ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہان سے
ابتک مگر ہے باقی نام و نشان ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہین ہماری
صدیون رہا ہے دشمن دور زمان ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہین جہان مین
معلوم کیا کسی کو درد نہان ہمارا

نیا شوالہ

سچ کہہ دون اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدون کے بت ہو گئے پرانے

اپنون سے بیر رکھنا تو نے بتون سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

تنگ آکے مینے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے

کچھ فکر پھوٹ کی کر مالی ہے تو چمن کا
بوٹون کو پھونک ڈالا اس بے بسی ہوا نے

پتھر کی مورتون مین سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے

آمل کے غیریت کے پردون کو پھر اُٹھا دین — بچھڑون کو پھر ملادین نقش دوئی مٹا دین
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے جی کی بستی — آ اک نیا شوالہ اس دیس مین بنا دین
دنیا کے تیرتھون سے اونچا ہوا پنا تیرتھ — دامان آسمان سے اسکا کلس ملا دین
پھر اک انوپ ایسی سونے کی مورتی ہو — اس ہردوار دل مین لاکر جسے بٹھا دین
سُندر ہو اُسکی صورت چھپ اُسکی موہنی ہو — اس دیوتا سے مانگین جو دل کی ہون مرادین
زُنار ہو گلے مین تسبیح ہاتھ مین ہو — یعنی صنم کدے مین شان حرم دکھا دین
پہلو کو چیر ڈالین درشن ہو عام اسکا — ہر آتما مین گویا اک آگ سی لگا دین
آنکھون کی ہے جو گنگا لے لے کے اُس سے پانی — اس دیوتا کے آگے اک نہر سی بہا دین
ہندوستان لکھ دین ماتھے پہ اس صنم کے — بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سُنا دین
ہر صبح اُٹھ کے گائین منتر وہ میٹھے میٹھے — سارے پجاریون کو مے پیت کی پلا دین
مندر مین ہو بلانا جس دم پجاریون کو — آوازۂ اذان کو ناقوس مین چھپا دین
اگنی ہے وہ جو نرگن کہتے ہین پیت جسکو — دھرمون کے یہ بکھیڑے اس آگ مین جلا دین
ہے ریت عاشقون کی تن من نثار کرنا — رونا ستم اُٹھانا۔ اور اُن کو پیار کرنا

ایک آرزو

دُنیا کی محفلون سے اُکتا گیا ہون یارب — کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
سوزش سے ہون گریزان دل ڈھونڈتا ہے میرا — ایسا سکوت جسپر تقریر بھی فدا ہو
مرتا ہون خامشی پر یہ آرزو ہے میری — دامن مین کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو
لذت سرود کی ہو چڑیون کے چہچہون مین — چشمے کی سوزشون مین باجا سا بج رہا ہو
آغوش مین زمین کے سویا ہوا ہو سبزہ — پھر پھر کے جھاڑیون مین پانی چمک رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا ساغر ذرا سا گویا مجھکو جہان نما ہو

صف باندھے دونون جانب بوٹے ہرے ہرے ہون ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ پانی بھی موج بنکر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دُلھن کو سرخی لئے سُنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتون کے چلنے والے رہ جائین تھک کے جسدم امید انکی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

پچھلے پہر کو کوئل وہ صبح کی مؤذن مین اسکا ہمنوا ہون وہ میری ہمنوا ہو

کانون پہ ہو نہ میری دیر و حرم کا احسان روزن ہی جھونپڑی کا مجھکو سحر نما ہو

پھولون کو آئے جسدم شبنم وضو کرانے رونا مرا وضو ہو نالہ مرا دعا ہو

دل کھول کر بہاؤن اپنے وطن پہ آنسو سرسبز جسکی نم سے بوٹا امید کا ہو

اس خامشی مین جائین اتنے بلند نالے تارون کے قافلے کو میری صدا درا ہو

ہر دردمند دل کو رونا مرا رُلا دے بیہوش جو پڑے ہین شاید انہین جگا دے

خان بہادر سید اکبر حسین رضوی

اکبر تخلص۔ اکبر حسین نام۔ الہ آباد کے رہنے والے منشی غلام حسین صاحب وحید الہ آبادی شاگرد خواجہ آتش رہ کے شاگرد رشید بلکہ سرمایہ ناز اور فخر اُستاد ہین۔ عربی فارسی زبانون مین کامل دستگاہ رکھتے ہین اور زبان انگریزی اور اسکے علم ادب سے بخوبی ماہر ہین۔ مغربی خیالات کو بطرز احسن ایشیائی لباس پہنانے مین ساعی رہتے ہین اور عمدہ طورپر کامیاب بھی ہوتے ہین۔ اکثر مشاہیر انگلستان کے کلام کا اُردو مین بہت ہی خوش اسلوبی اور عمدگی کے ساتھہ ترجمہ کیا ہے۔ ابتدائی طرز قدیم مین بھی بہت بلند پایہ ناظم و شاعر ہین۔ قوت متخیلہ و ممیزہ دونون مین اعلی درجہ کا حصہ فطرتاً آپکے طبیعت مین ودیعت ہوا ہے۔ چنانچہ تعلیم و تہذیب مغربی کا جو روز افزون اثر ہمارے ہندوستانی نوجوانون پر ہو رہا ہے اور اُس سے جو نتیجے پیدا ہوئے اور ہو رہے ہین اُنکے متعلق آپ اکثر نہایت قابل قدر

خیالات ظاہر فرماتے رہتے ہیں ۔ زبان نہایت صاف اور پاکیزہ اور طرز بیان بیحد دلچسپ و دلکش ہے ۔ نغز گوئی اور بذلہ سنجی آپکی شوخ طبیعت کا ایک ادنیٰ جوہر ہے۔ مگر ساتھہ ہی مضمون آفرینی اور نازک خیالی سے خالی نہین ۔ عاشقانہ رنگ کے شعر مین بات پیدا کرنی ذنکی جدت پسند طبیعت کا ایک خاص مذاق ہے ۔ کلام مین صفائی وسادگی، بندش بے محل و موقعہ پر دل آویز جہلک دکہاتی ہین ۔ الغرض آپکا کلام برگزیدہ و پسندیدہ خاص وعام ہے ۔ عیوب شاعری سے مبرا و نقائص سے سراسر معرا ہے ۔ ہر رنگ ہر بحر ہر زمین مین کامل دسترس ہے ۔ پولیٹیکل اور سوشل معاملات مین آپکی رائے نہایت متین و مناسب ہوتی ہے خیالات بہی نہایت سلجہے ہوے اور اکثر اچہوتے ہوتے ہین ۔ اپنے طرز خاص مین اسوقت مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہین ۔ آپکے تین دیوان مرتب ہوگئے ہین ۔ دو چہپکر شایع ہوچکے ہین تیسرا مرتب ہوکر رکہا ہے وقت کا انتظار کر رہا ہے ۔ آپ ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء کو مقام بارہ ضلع الہ آباد مین پیدا ہوے ۔ دیسی مکاتب اور سرکاری مدرسون مین تعلیم پاکر آپنے ۱۸۶۷ء مین امتحان وکالت درجہ دوم پاس کیا ۔ ۱۸۶۹ء مین نائب تحصیلدار مقرر ہوے ۔ ۱۸۷۰ء مین ہائیکورٹ کے مسلخوان مقرر ہوے ۱۸۷۲ء مین وکالت درجہ اعلیٰ کی سند حاصل کرکے ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۔ ۱۸۸۰ء مین دوبارہ سرکاری ملازمت کی منصفی سے درجہ بدرجہ ترقی کرکے ۱۸۸۸ء مین سب جج اور ۱۸۹۴ء مین عدالت خفیفہ درجہ اول ۔ اور سشن جج مقرر ہوے ۔ اور کئی سال تک ہزار بارہ سو روپیہ ماہوار مشاہرہ پاتے رہے ۱۹۰۳ء مین اپنے مستقل عہدہ ججی عدالت خفیفہ الہ آباد سے نہایت نیکنامی کے ساتھہ پنشن لیکر علیحدہ ہوے ۱۸۹۸ء مین گورنمنٹ نے جوڈیشل سروس کے صلہ مین خان بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا ۔ الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو بہی مقرر ہوے ۔ آجکل الہ آباد مین فرصت کے طرف سے مطمئن زندگی بسر کر رہے ہین ۔ اور موجودہ عہد کے ان منتخب شعراے اردو مین سمجہے جاتے ہین جنہون نے زمانہ کے میلان عام اور جدید اثرات سے موثر ہوکر شاعری کے لیئے نئی نئی زمین نکالین ۔ انکے کلام مین سنجیدہ اور نتیجہ خیز ظرافت کی آمیزش ایک ایسا دلکش حسن ہے جو انکو اپنے تمام معصرون مین نمایان کرتا ہے ۔

غزلیات

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا	رہون جو حق پہ مخالف کرینگے کیا میرا
خدا کے در سے اگر مین نہین ہون بیگانہ	تو ذرہ ذرہ عالم ہے آشنا میرا

مری حقیقت ہستی یہ مشت خاک نہین — بجا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی بنا میرا
اُنھین سے عقل جو محتاج غیر ہے ہر دم — مجھے ہے عشق رجو خود ہے مدعا میرا
غرور اُنھین ہے تو مجکو بھی ناز ہے اکبر — سوا خدا کے سب اُنکا ہے اور خدا میرا

۲

وقت طلوع دیکھا وقت غروب دیکھا — اب فکر آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا
اِسنے خدا کو مانا وہ ہو رہا بتون کا — یا اِسنے خوب سمجھا یا اُسنے خوب دیکھا
نام خدا کو اکثر زیب زبان تو پایا — عشق بتان کو لیکن نقش قلوب دیکھا
اورون پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی — اپنے ہی دلکو ہمنے گنج عیوب دیکھا

۳

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا — اسکے سوا بتاؤن کیا تمسے کام اپنا
رونا تو ہے اسی کا کوئی نہین کسی کا — دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا
اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم — ہم خواب دیکھتے ہین تو دیکھتا ہے سپنا
یہ دھوم دھام کیسی شوق نمود کیسا — بجلی کو دل کی صورت آتا نہین تڑپنا
بے عشق کسکے جوانی کٹتی نہین مناسب — کیون کر کہون کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

۴

لے گیا تھا طرف گور غریبان دل زار — کیا کہین تم سے جو کچھ وان کا تماشا دیکھا
وہ جو تھے رونق آبادی گلزار جہان — سر سے پا تک اُنھین خاک رہ صحرا دیکھا
کل تلک محفل عشرت مین جو تھے صدر نشین — قبر مین آج اُنھین بےکس و تنہا دیکھا
بسکہ نیرنگئے عالم پہ اُسے حیرت تھی — آئینہ خاک سکندر کو سراپا دیکھا
سر جمشید کے کاسے مین بھری تھی حسرت — یاس کو معتکف تربت دارا دیکھا

۵

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا　　دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جو خرد مند ہین وہ خوب سمجھتے ہین یہ بات　　خیر خواہی وہ نہین ہے جو ہو ڈر سے پیدا

رنج دنیا سے بہت مضطرب الحال تہا یہ　　دل مین تسکین ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

۶

سب سے کر قطع نظر بہر خیالِ روے دوست　　یا ہر اک شے کو سمجہ عکسِ جمالِ روے دوست

گوشۂ عارف کے لئے قائم ہے صورت سرمدی　　ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اُس سے حالِ روے دوست

گردش ارض و سما ہے خضر راہِ معرفت　　مہر و مہ ہین شاہدِ اوجِ کمالِ روے دوست

۷

شورِ بلبل جوشِ گل موجِ نسیم انوارِ صبح　　اللہ اللہ کس قدر ہین دلکشا آثارِ صبح

آفتاب اوجِ سعادت کا ہے وہ روشن نفس　　نورِ طاعت جس سے ظاہر ہو دمِ آثارِ صبح

جلوۂ حق کے مقابل روے بت ہے بے فروغ　　ہے پیامِ مرگ شمعون کے لئے دیدارِ صبح

واہ کیا کہنا ہے تیرا اے نسیم صبح خیز　　تیرے دم سے ہے چمن مین گرمئ بازارِ صبح

عاشقِ دنیا کو کیون آئے خیالِ آخرت　　کس نے پروانے کو پایا شائقِ دیدارِ صبح

عہدِ پیری آگیا اکبر سنبہالو اپنے ہوش　　خوابِ غفلت سے اُٹھو پیدا ہوے آثارِ صبح

۸

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستان ہوکر　　عنادل نے مچائی دہوم سرگرمِ فغان ہوکر

بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر مین　　چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشان ہوکر

عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیان جھومین　　ترانے گاے مرغانِ چمن نے شادمان ہوکر

بلائین شاخِ گل کی لین نسیمِ صبح گاہی نے　　ہوئین کلیان شگفتہ روے رنگین بتان ہوکر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا　　کسی نے یاسمن ہوکر کسی نے ارغوان ہوکر

کیا پھولون نے شبنم سے وضو صحن گلستان مین
صدائے نغمۂ بلبل اُٹھی بانگ اذان ہو کر

ہوائے شوق مین شاخین جھکین خالق کے سجدہ کو
ہوئی تسبیح مین مصروف ہر پتی زبان ہو کر

زبانِ برگ گل نے کی دعا رنگین عبارت مین
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہربان ہو کر

نگاہین کاملون کی پڑ ہی جاتی ہین زمانے مین
کہین چھپتا ہے اکبر پھول پتون مین نہان ہو کر

۹

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہین
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہین

معرفت خالق کی عالم مین بہت دشوار ہے
شہر تن مین جب کہ خود اپنا پتہ ملتا نہین

غافلون کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی
عاقلون کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہین

کشتیٔ دل کی الٰہی بحر ہستی مین ہو خیر
ناخدا ملتے ہین لیکن باخدا ملتا نہین

غافلون کو کیا سناؤن داستانِ عشق یار
سونے والے ملتے ہین دردآشنا ملتا نہین

زندگانی کا مزا ملتا تھا جس کی بزم مین
اُن کی قبرون کا بھی اب مجکو پتا ملتا نہین

صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا
کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہین

پختہ طبعون پر حوادث کا نہین ہوتا اثر
کوہسارون مین نشانِ نقش پا ملتا نہین

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتین دوستی
بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہین

۱۰

نہین جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی مین
حباب آسا مٹا اُبھرا جو بحر زندگانی مین

سکون قلب کی دولت کہان دنیائے فانی مین
بس اک غفلت سی ہو جاتی ہے اور وہ بھی جوانی مین

اجل کی نیند آجاتی ہے آخر سننے والون کو
قیامت کا اثر پاتا ہون دنیا کی کہانی مین

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی مین

نہ پوچھ اے ہمنشین قصۂ عیش و طرب ہم سے
کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی مین

اسی صورت مین دلکش خوبیٔ الفاظ ہوتی ہے
کہ حسن یار کا پیدا کرے جلوہ فغانی مین

زبانِ حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے نیم جانی مین

فلک نے مضمحل کر کے ہمین خس کر دیا آخر
بہے جاتے ہین بے مقصود بحرِ زندگانی مین

اداے شکر کر کے احتراز اولے ہے اے اکبر
ہزارون آفتین شامل ہین اُنکی مہربانی مین

۱۱

ختم کیا صبا نے رقص گل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا ۔ صوتِ ہزار ہو چکی

رنگِ بدِ زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطفِ نسیم ہو چکا ۔ کاوشِ خار ہو چکی

[illegible] مٹ گیا سنبل تر نہین رہا
صحنِ چمن مین زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستی لا[illegible] پیالہ اب کہان
دورِ طرب گذر گیا آمدِ یار ہو چکی

رُت وہ جو تھی بدل گئی آئی لب اور نکل گئی
تھی جو ہوا مین نکہتِ مشک نثار ہو چکی

اب تک اُسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہدے کوئی عزیز من فصلِ بہار ہو چکی

۱۲

دلون کو لذتِ معنی کا اب حس بھی نہین باقی
جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیاے فانی ہے

حدیثِ آرزوے قربِ باری ہے نظر کس کی
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے

ہواے وادیِ ایمن کہان اب گلشنِ دل مین
نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے

معاذاللہ غفلت باریان یہ ابرِ مغرب کی
کوئی آلودۂ آز کوئی صرفِ جوانی ہے

مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی مین
جو لے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

۱۳

دلِ مبتلاے غفلت تو ہے محوِ دیرِ فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اُسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اُسی سے
نہ ہواے لبِ ارنی نہ صداے لن ترانی

مین زبان پہ لاؤن کیونکر وہ حدیثِ حسنِ مطلق
کہ نہ بار لفظ اُٹھاے گی نزاکتِ معانی

مین سمجھ گیا وہی ہے جو ہے میرے پردۂ نفس مین
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

رباعیات

کھولی ہے زبان خوش بیانی کے لئے
اُٹھا ہے قلم گُہر فشانی کے لئے
آیا ہون میں کوچہ سخن مین اکبر
نظارۂ شاہدِ معانی کے لئے

٢

کیا تم سے کہین جہان کو کیسا پایا
غفلت ہی مین آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھین تو بے شمار دیکھین لیکن
کم تھین بخدا کہ جن کو بینا پایا

٣

انقلاب جہان کو دیکھ لیا
حُب دُنیا سے تو اب پاک ہوا
کل کلی کِھل کے ہو گئی تھی پھول
پھول کُمہلا کے آج خاک ہوا

٤

لا مذہبی سے ہو نہین سکتی فلاح قوم
ہرگز گذر سکین گے نہ ان منزلون سے آپ
کعبے سے بت نکال دیئے تھے رسول نے
اللہ کو نکال رہے ہین دلون سے آپ

٥

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ساتھ اُسکے وہ لطفِ زندگانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبر
ہمکو بھی کرے جہان فانی رخصت

٦

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
انکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
دو ہی چیزین ہین بس محافظ دل کی
عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد

٧

بے سود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
ذلت ہے دراصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع کو علم مین ڈھونڈھ
محنت مین کر سکون و راحت کی تلاش

۸

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
یکجا کر دین حوادث دہر اگر
جائز ہے کہ اُنسے مل مگر دل سے نہ مل

۹

اس بزم سے سب کے سب اُٹھے جاتے ہین
تسکین کے جو تھے سبب اُٹھے جاتے ہین
اک قوت مذہبی عقیدون سے تھی
وہ بھی تو دلون سے اب اُٹھے جاتے ہین

۱۰

گر جیب مین زر نہین تو راحت بھی نہین
بازو مین سکت نہین تو عزت بھی نہین
گر علم نہین تو زور و زر ہے بیکار
مذہب جو نہین تو آدمیت بھی نہین

۱۱

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت ابھی اسکی تو نے چکھی ہے کہان
دنیا طلبی کے وعظ مین محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہان

۱۲

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
امید اچھی خیال اچھا رکھو
ہو جائینگی مشکلین تمھاری آسان
اکبر اللہ پہ بھروسا رکھو

۱۳

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
مرنے سے مفر نہین ہے جب اے اکبر
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

۱۴

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
حیرت نہین گر ملک کا ہم قالب ہو
ہرگز نہ بڑھینگے اس سے نیچر کے مرید
ممکن نہین جسم روح پر غالب ہو

١٥

جس بات میں تم شکست ملت سمجھو — اُسمیں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اُس کا — قومی غیرت کی اُس میں قلت سمجھو

١٦

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو — باتیں جو بُری ہیں اُنسے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبر — اس میں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

١٧

دنیا سے دنی کی ہوس جانے دو — گلچیں ہو اگر تو خار وخس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ — اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

١٨

کہتا ہوں میں ہندو مسلمان سے یہی — اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ — موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

١٩

تسبیح و دعا میں جس نے لذت پائی — اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی
کوئی نہیں خوش نصیب اُس سے بڑھکر — بس دونوں جہان کی اُسنے نعمت پائی

٢٠

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی — دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے بندے — کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

